

جلد دوم ماہ ذیقعدہ ۱۳۷۱ مطابق ماہ جولائی ۱۹۵۲ء عدد اول

Checked 1965

مضامین

CHECKED 1956

1952

۹ - ۲	شذرات
۳۰ - ۱۰	فلسفہ کا نقطہ آغاز
۳۹ - ۳۱	شناختی نیکیاں
۵۱ - ۴۰	کتبخانہ اسکندریہ
۵۴ - ۵۲	حکائے اسلام
۵۸ - ۵۵	دارالفنون مشرقیہ لندن
۶۴ - ۵۹	اخبار علمیہ
۶۵ -	ادبیات
۷۷ - ۶۶	دیوان فانی
۸۰ - ۷۸	مطبوعات جدیدہ

تفسیر ابی مسلم صفہانی (عربی)

ترجمہ مولوی سعید انصاری

عقلی اور فلسفیانہ اصول پر مبنی پہلی تفسیر تفسیر کبیر امام رازی کا اخذ، ہر مشہور درگاہ اور کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ ہونا ضروری ہے، قیمت عامہ

منہج

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 تشکر

اسوہ صحابہ کی دوسری جلد جن صحابہ کرام کے سیاسی، مذہبی اور علمی کارنامے درج ہیں عنقریب چھپرے
 شائع ہو جائیگی، رتحات عالمگیر کی تدوین و ترتیب کا کام جاری ہے تمام مواد جمع ہو گیا ہے، صرف
 شاہان کے نام کے خطوط تقریباً دو سو صفحوں میں ہونگے، سیرت نبوی جلد سوم کی کتابت شروع ہو گئی
 ہے، یہ جلد تاسعہ منجزات اور کینیاں نبوی پر ہے،

—•—

گذشتہ ماہ جون میں مشہور ہندو یونیورسٹی کے بانی اور ہندی کو ہندوستان کی عالمگیر زبان بنانے
 کے پرنسپل و محرک جناب پنڈت من موہن مالویہ صاحب نے دارالمصنفین کو شرف فرمایا، ویتک وہ کتاب
 کو، دفتر کو، پریس کو، دفعتاً کے رہنے کے کمرون کو دیکھتے رہے اور زبان کے مسئلہ پر بعض ارکان دارالمصنفین سے
 گفتگو کرتے رہے، ہکو اس سے خوشی ہوئی کہ موصوف نے دارالمصنفین کو رشک کی نظروں سے دیکھا اور پھر بھی پسند کیا

—•—

جناب شاہ منیر عالم صاحب نصف و رئیس غازی پور جو شہرہ کو ایک ممتاز خاندان سے ہیں ایک خط میں
 لکھتے ہیں کہ اس کے پاس دیوان حافظ کا ایک عجیب و غریب نسخہ ہے، یہ نسخہ دربار اکبری کے شاعر فیضی
 کے دست غامس کا لکھا ہوا بیان کیا جاتا ہے، اس کے دریا پہ میں مذکور ہے کہ ملا آقا ایک بزرگ بادشاہ
 کی طرف سے متین کئے گئے تھے کہ وہ حافظ کا ایک صحیح نسخہ مرتب کریں۔ ملا صاحب نے خود حافظ کے وطن
 شیراز جا کر دس برس قیام کیا اور وہاں سے ایک صحیح نسخہ مرتب کر کے بادشاہ کے لیے ہندوستان لائے
 شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جن جن اصحاب نے اس نسخہ کو دیکھا ہے سب کی ہی رائے ہے کہ اس سے نیا دم

صحیح نسخہ دوسرا نہ ہو گا۔ اگر یہ سچ ہے تو حافظہ کے اشعار کے لطافت اور بعض اشعار کے قفلت و سخن کے انتخاب میں اس سے بہتر متن مدد مل سکتی ہے،

اس لئے پیر بھی ہندوستان میں کیا کیا انمول جواہر مدفون ہیں، بدایون میں مولوی علی بخش صاحب مرحوم کا خاندان مشہور ہے، اس خاندان کی علی یادگار رہا ہے دوست مولوی یعقوب بخش صاحب راعب جیلانی ہیں، اس خاندان کا کتب خانہ ہندوستان کے نادرین تھا، بہت سی چیزیں وہاں کی ضائع ہو گئیں کچھ دوسرے کتب خانوں میں منتقل ہو گئیں، اب بھی جو قلمی کتابیں موجود ہیں ادب سے حسنین مل کتابیں کسی نہ کسی حیثیت سے قابل ذکر ہیں،

باب التاویل خازن کا ایک عتیق نسخہ، باب التفسیر مکتوبہ نبوی صوفی بشکر کران، مشتمل ہفتوں و ہفتوں و ہفتوں (موضوعات ابن طاہر صاحب مجمع البحرین) کے زمانہ کی (تاریخ کتابت) مشتمل ہفتوں و ہفتوں (موضوعات ابن جوزی، غایت الوصول شرح مختصر ابن حاجب از قطب الدین شیرازی، شامل ترمذی) و کتب خانہ شاہ قلی خان محرم (دیکھو از مراۃ الکبریٰ) سیرت نبوی میں ایک نہایت نادر کتاب سبل الہدے دارشادنی سیرۃ خیر العباد للحافظ یوسف اشامی،

دنیا اسلام کا ایک گوشہ اب دوسرے گوشے سے سطح مل رہا ہے، ادنیٰ ایک تازہ نظیر ہے کہ مصر کی ظاہری آزادی کی خوشی میں تونس کے سب قدیم جامعات و یونیورسٹیوں کے طلبہ نے، مصر کے قدیم ترین جامعات ان کے طلبہ کو اور تونس کے شاہی کالج مدرسہ صادیقہ کے طلبہ نے مصر کے جامعات مصر کے طلبہ کو مبارکباد کے تار پیچھے ہیں اور تمنا ظاہر کی ہے کہ وہ کبھی یہ آزادی عربی علوم و فنون کی حیات تازہ کے لیے بھی فدا کرے آج بہت

الکتابت ہو،

ماہ گزشتہ میں برطانیہ کی ممتاز یونیورسٹی سینٹ اینڈریوز نے ڈاکٹر آرت لازدال، ال، ڈی، کی اعتراف
 ہو گیا جن شاہیر فن کو تقسیم فرمائیں، ان میں ایک ذات س این ٹیری کی بھی تھی، جنکا طرہ امتیاز یہ ہے
 کہ وہ اس وقت انگلستان کی سب سے نامور ایکٹرس ہیں،

پے بشہ، ہندوستان میں بھی ”گیلے“ محمد شاہ (دہلی) اور ”جان عالم“ واجد علی شاہ (لکھنؤ) نے اپنے اپنے
 زمانہ میں ارباب نشاط کی دل کھو کر سرپرستی و حوصلہ افزائی فرمائی تھی، لیکن جو ہر شناسی کا یہ شرف میسورین
 صدی کے ایک برطانوی دارالعلم کے لیے محفوظ رہا تھا، کہ ایک ایکٹرس کو ایک اہم علمی خطاب سے سرفراز
 کرے، ابھی شہنشاہی میں ہماری علیگندہ مسلم یونیورسٹی نے ملک کے بعض رنگین طبع اہل علم کی خطابات سے
 مستفوز کرنے کی جو تجویز فرمائی تھی، اس کے لیے سینٹ اینڈریوز یونیورسٹی کے اس طرز عمل سے زیادہ واضح و مستند
 سند جواز اور کمان سے ہاتھ آسکتی ہے،



برطانیہ کی علمی تاریخ میں گو ہر شناسی کا تہنہ ہی ایک درخشان واقعہ نہیں۔ موجودہ صدی کے
 آغاز میں جب یورپ کے نامور فلسفی ہر برٹ اسپنسر کی وفات ہوئی، اور اسکے احباب و تلامذہ نے اُسے ویسٹ
 منسٹر ایسے میں دفن کرایا، جو برطانیہ کے شاہیر فن کے لیے مخصوص و محفوظ گورستان ہے، تو ”مقتدر و ذی علم“
 امتیاز کیا گورستان کی پیشگام سے کسی طرح اسکی تدفین کی اجازت نہ ملی، لیکن اسکے کچھ ہی عرصہ کے بعد جب ایک
 مشہور ایکٹرس ہنری اردنگ کی وفات ہوئی، تو انہیں حکام گورستان نے اسکے حدود کے اندر اسکی نش کو کمان
 ترک و احتشام دفن ہونے کی اجازت عطا فرمائی۔

ہندوستان کے ارباب نشاط و تماشا کو خروہ ہو، کہ بعض نکتہ بنان یورپ کی نظر و قیہ رس میں ایکٹرس
 اور ایکٹرسوں کی قدر و قیمت خادمان علم و فلسفہ سے کمین نہ آئے۔ اور اگر یہ ملک ابھی انکی کافی قدر نہیں
 کرتا، تو فوراً اور مبرور انتظار سے کام لینا تاکہ ہندوستان تمدن و تہذیب، تعلیم و تہذیب کی تہذیبی بین یورپ کے

ہم سچ ہوئے،

۵۔ مئی کو لندن میں بہ مقام پلیس تحیر قوانین اتنا عے نوشی دے فروشی کی مخالفت میں منعقد ہوا اور لادگان دخت رز کا مجمع عظیم تھا۔ صدر جلسہ مشہر ہنری آرتھر جوس نے طویل و عریض خطبہ صدارت میں بیان کیا کہ

”میں چالیس سال سے ہر روز بلاناغہ شراب پیتا رہا ہوں اور آج تک کبھی بدست نہیں ہوا۔۔۔۔۔“

میرا عقیدہ ہے کہ بہ قول بلکہ انسان کو حیوانات پر جو حقوق واقیاز حاصل ہے، وہ اگلے ہی کے باعث

ہے ہمارے مشاہیر فن شیکسپیر، ڈکنس، ارا بیلا، فیلڈنگ وغیرہ کے دماغ میں روشنی اور قلم میں روانی اسی

آتش نیال کے طفیل پیدا ہوئی ہے۔“

اسی طرح دوسرے مقررین نے بھی شراب کے مناقب و فضائل بیان کیے، مغزوری کی خبیثیت پر فائل

قائم کیے، اور اسکے طبی، اخلاقی، و ذہنی فوائد کو ایک ایک کر کے شمار کیا۔ ایک راوی متبر کا بیان ہے کہ وقت

وہ اخبار میں اس سے پرست جلسہ کی کارروائی پڑھ رہے تھے، پڑوس کی مسجد سے ایک خوش آواز حافظ کی یہ

صدائے کانون میں آنے لگی۔ اِنَّ اللہَ یَؤِیُّ مَنْ یَّوْئِیْ بِہٖ اَلَا خَیْرَۃً سَرَّیْنَا لَہُمَا عَا لَہُم فَعْمُ یَعْمُوْنَ

اولئک اللہ ین لَہُم سُوْعُ الْعَذَابِ وَ یَعْمُوْنَ فِی الْآخِرَۃِ عَمَّا لَآخِرُوْنَ۔ دن۔ ۱) (جو لوگ آخرت پر

ایمان نہیں رکھتے، انکی نفروں میں ہم انہیں کے اعمال و اشغال کو اچھا کر دکھاتے ہیں، اور وہ انہیں میں گئے

پٹے رہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہیں عذاب شدید پیش آئے، اور جنہیں آخرت میں زیان کا رہنا ہے)

اردو زبان کے تمام ہمدرد ہونا خواہ اس خبر کو دلی مسرت کے ساتھ سنیئے، کہ چند ماہ سے آکسفورڈ میں

ہندوستان کی مشترک زبان کی خدمات کے لیے ایک انجمن بزم اردو کے نام سے قائم ہوئی ہے، جسکے صدر

ایک ہندو نوجوان ہیں، جو بنارس ہندو یونیورسٹی کی جانب سے وظیفہ حاصل کر کے وہاں تحقیقات علمی میں

معروف ہیں۔ کیمبرج مین ایک انجمن انیمن معاہد کے ساتھ اس سے بہتر قائم ہو چکی ہے، بلکہ اسکا حلقہ بھی غالباً ہماری انجمن ترقی اردو (اونگ آباد) سے ہو چکا ہے۔ اسکے صدر فرنگی محل لکھنؤ کے ایک ہونہار فرزند ہیں۔ دعا ہے، کہ دونوں مجلسوں کو معلوم و صداقت کے ساتھ خدمت زبان و قوم کی توفیق عطا ہوتی ہے،

تازہ ولایتی ڈاک سے خبر آئی ہے کہ سلطنت برطانیہ کے دارالحکومت شہر لندن مین ایک عظیم الشان وحیرت انگیز ناچ گھر تعمیر ہو رہا ہے، جو اپنے محسن و زیبائش اور سامان تنعم و آرایش کے لحاظ سے چشم فلک کو بھی خیرہ کر دیگا، درمیانی ہال ۶۰ فٹ طویل، ۱۰۰ فٹ عریض، اور ۳۸ فٹ بلند ہوگا، کل وسعت اتنی ہونگی کہ ۸۰۰ جوڑین بیک وقت سرگرم تھیں ہو سکیں گی، اور تماشائیوں کی تعداد ۴۰۰۰ تک پہنچ سکے گی۔ متون سنگ مرمر کے ہونگے۔ رنگ و روغن نقش و نگار مین متاعی کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا جائیگا۔ برقی لیمپوں کی تیز جگجاگٹ سے رات پر دن کا دھوکا ہوگا۔ ایک چھت شیشہ کی ہوگی، اس پر سُرُخ، سبز، و نیلگوں روشنیوں کا عکس پڑتا رہے گا، چالیس ماہرین فن اور آٹھ ماہرات فن کی جماعت تعلیم دینے کے لیے ہر وقت حاضر رہے گی، نازنین و نوعمر بچے وایان، حسن و جمال، رعنائی، نزاکت، دلبری و دلربائی مین مرتبہ کمال رکھتی ہونگی، مصارف تعمیر کا اندازہ ۱۰۵۰۰ پونڈ (۱۵ لاکھ ۷۰ ہزار روپیہ) کا ہے۔ ۱۹ ستمبر کو یہ عمارت مکمل ہو جائے گی،

راویان صداقت شمار ذوالقلان حقیقت آثار (انگریزی اخبارات کے نامہ نگاروں کا بیان ہے) کہ تیاری پر لندن کا یہ ایوان رقص، اپنی وسعت و زیبائش کے اعتبار سے، روسے زمین پر کیا دے بغیر ہوگا، بیشک ہوگا، سنئے ہیں کہ عصر قدیم مین بھی ایک تمدن سلطنت کے فرمانروا نے ایک ”جنت ارضی“ تیار کرائی تھی، اور جکے تذکرہ بلاغ ارم ”و بہشت شداد“ کے ناموں سے آج تک ادبیات مشرقی کے دفاتر

پارہ میں منووظ ہے آتے ہیں، کاش، انگون کے انجام سے بچوں کو عبرت حاصل ہوتی مانتی یہ داستان
غیر تاریخی سہی لیکن ایسی قوموں کے وجود سے تو ہر حال انکار نہیں ہو سکتا، جو چہرہ پر اپنی یادگار سن
آئینوں بکلی سیریم ایہ قسبتوں و پُر عظمت عارتوں کی شکل میں تیار کرتی تھیں اور
تختِ دون مصارفِ لعلمکم تختِ دون جنہیں اپنی زندگی کے دوام کے ساتھ یہی عمارت
کرائے یہ قصرِ اولان ہمیشہ انکا ساتھ دیتے رہینگے (۷-۱۱)

یہ قوین اپنی کثرت تعداد پر، اپنے مویشیوں پر، اپنی تفریح گاہوں اور پارکوں پر، اپنے
الذی اَمَدَکُم بِمَا تَعْمَلُونَ اَمَدَکُم جاری کئے ہوئے قوارِ دون، چشموں، اور
بِالْفَاہِمِ وَبَيْنِ وَجْهِهِ وَعِیُونِ (ایضاً) نبردوں پر، نخر و ناز کرتی رہتی تھیں، لیکن
نتیجہ جو کچھ ہوا، وہ اوراقِ یل و ہمار پر درج ہے، جسے چشمِ بصیرت ہر وقت پڑھ سکتی ہے، اہل تحس
منہ منہ واحد او تسمع لہم ساکن۔

— (۷۰) —

سال میں دو مرتبہ انگریزی حکومت کی جانب سے ہندوستان میں خطابات کی تقسیم ہوتی ہے
سالہا سال سے ہم پر جو غیرت شکن و غلامی آفرین نظامِ تعلیم و تربیت مسلط ہے، اس نے قدرتی طور پر
ان خطابات کو ہماری ایک جماعت کثیر کی نگاہوں میں محبوب اور متعلقہ افتخار بنا دیا ہے، مدقون
پیشتر سے حصولِ خطاب کے لیے قلوب مضطرب رہتے ہیں، سیکڑوں راتیں اضطراب اور بے چینی کی کوڑوں کے
ساتھ گزرتی ہیں، مددِ بارِ آستانِ حکومت پر نا صیر فرسائی کیجاتی ہے۔ ضیافتوں، رشوتوں، ہتھیاروں
وطنِ مویشیوں، اور خدا معلوم کن کن ناقابلِ ذکر شکلوں میں نیاز مند یاں جلوہ گر ہوتی ہیں، معاہدے
میں دعائیں مانگی جاتی ہیں، مزارات پر نشتیں مانی جاتی ہیں، ذمی اثر احباب سے جلوبوں اور ضیافتوں
وعدہ کئے جاتے ہیں، اور ایک والہاتہ ذوق و شوق اور عاشقانہ اشتیاق و انتظار کے ساتھ سرکاری گزرا

حق پر اپنے نام کے صلح ہوئی کہ قلعہ کجانی ہی اور خیر مرستان تو ہندوستان آج کل دنیا کی سب سے بڑی مذہب پارلیمنٹ بن سکے۔ یہ مہر دست دگر بیان میں مادر و زار سن، بحیثیت،

لیکن اسلام میں عزت و کبریم، سروری و سرداری، تعظیم و احترام کی اصلی سمتی صرف ایک ذات ہے، وہ ذات یکتا و بے ہمتا جسکی عظمت و اجمال، بزرگی و کبریائی پر زمین و آسمان سب شہادت دے رہیں، وَلِلّٰهِ الْکِبْرِیَاءُ قُلُوبَ السَّمَوَاتِ وَكَالْأَرْضِ (عاشیہ ص ۴) عزت حقیقی ساری کی ساری صرف اسی کی ہے، إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا (یونس ص ۱۰۸) عقاب کبریائی کا پر تو جب وزرات بشری پر پڑتا ہے، تو انہیں بھی متور کر دیتا ہے۔ یہ وزرات نورانی سب سے پہلے امیر المومنین اور اسکے بعد صالحین امت میں، جسکے قلوب نور ایمان سے لبریز ہوتے ہیں، وَفِيهِ الْقُدُّوسُ الَّذِیْ هُوَ مِّنْ ذَا الْمَلَكُوتِ لَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ فَيَفْضِلُ عَلٰی مَا يَشَاءُ حَتّٰی يُخْتَارَ لِذٰلِكَ مَا يَشَاءُ لِمَنْ يَخْتَارُ (نفاقون ص ۲۵)

اسلام سے قبل تمام دنیا اس گمراہی میں مبتلا تھی، اگر عزت کا معیار خوش نفسی و بلند نسلی ہے، اسلام نے اتنے ہی

وَمَنْ يَتُخِذِ اللَّهَ فَضْلَهُ مِنْ مُكْرِمٍ (ج-۲)

قیامت تک سر بلند نہیں کر سکتا،

اور ان نصیب بندہ اس سرخترِ عظمت و کبریا کی کوچھوڑ کر غیاث کے آستانِ فراہ نصیب سالی کرتے اور ان کا عاقبت رہتے ہیں انہیں
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي يَخْلُقُ النَّفْسَ الْكَافِرَةَ الَّذِي يَخْلُقُ النَّفْسَ الْكَافِرَةَ الَّذِي يَخْلُقُ النَّفْسَ الْكَافِرَةَ
من بعد ان لوئیس یقینون عندہم لہذا فان انزل اللہ جہنم انزل اللہ عذاب الہی کی وعید وار ہوئی ہے،
خدا ہرگز کہ عذابِ منافقین محفوظ رکھے، اور عزت کا مہموم مسیح بھنے کی تو فریقِ نصیب کرے۔

بھی اپنی دنیوی و اخروی سادت کے لیے انکی رہنمائی کی بہت کچھ مہیون ہے،

آج جس بہتکی وصف حال میں ہمارا قلم متحرک ہے وہ ہماری ان قائم کردہ صفوں میں سے چوتھی صف میں شامل ہے۔ اسلئے کہ مدرسہ نشانی نیکیتان کے قیام کے منجملہ دیگر اسباب و وجوہ کے ایک بڑی وجہ ہمارے ادیب و شاعر کا یہ طبعی خاصہ بھی ہے،

انکے علاوہ دوسرا اہم سبب جسکی وجہ سے مدرسہ مذکورہ نور میں آیا ان اصولوں کی ترویج ہے جنکو میگوئے کے والد نے جو بہت بڑے رشتی گزرے ہیں سعادت انسانی کے لیے اپنی برسوں کی محنت شاقہ، سوچ بچار، اور مراقبہ و فکر کے بعد دریافت کیے تھے۔ اور وہ محبت، مساوات، سادگی اور ذی روح اشیا کو ایذا نہ پہنچانے پر مشتمل ہیں جیسا کہ مدرسہ مذکور کی طرز معاشرت اور اصولوں وغیرہ سے ہوتا ہے،

تیسرا اہم سبب وہ ناقص مغربی طرز تعلیم ہے جسکا نفاذ مغربیوں نے آکر ہندوستان میں بعض اپنی خاص ذاتی اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کیا۔ اور ڈیڑھ سو برس کے تجربے کے بعد اب ہندوستان کا ہر ذی شعور داغ اس کے نقص کو محسوس کرنے لگا ہے چنانچہ خود میگوئے اس کے متعلق لکھتے ہیں،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ طریقہ ہمارے نئی نسل کو مادیات و علوم کی تعلیم دیتا ہے

انکی معصوم عقلوں کے لیے ایک بارگراں اور عذاب الیم ہے۔ پس ہمارے لیے یہ ضروری

ہے کہ ہم تہذیب و تعلیم کے اسلوبوں کو ایسا بنائیں کہ وہ غایت علم کے برعکس نتائج پیدا

کریں بلکہ ہم پر لازم ہے کہ ہم انکو حتی الامکان سادہ اور فطری بنائیں،

ایک جگہ اور اس طرز تعلیم کے طلبا کا حال لکھتے ہوئے انکے نقائص کو زیادہ تفصیل سے

بیان کرتے ہیں،

”ذہن کو جب انکی قدرتی فدا صداقت عرصہ تک نہیں ملتی نیز آزادیِ نو سے اُسے محروم رکھا جاتا ہے، تو این کامیابی کی غیر قدرتی ہوس پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ ہمارے طلبہ اسی کامیابی امتحان کے غلط کے شکار ہو گئے ہیں، اس کامیابی کے معنی یہ ہیں کہ کم سے کم علم پر زائد سے زائد نمبر لجائیں، یہ نفس کو حق و صداقت سے بالقصد غدارئی اور ذہنی بددیانتی اور اس حماقت کی تعلیم دیتا ہے کہ نفس خود اپنا تفریق بن جائے۔ ساتھ ہی چونکہ ذہن و نفس کے وجود ہی سے ہم غافل کر دیے جاتے ہیں، ایسے ہم اس تجربہ پر پہنچ کر نہایت سرور رہتے ہیں کہ ہم امتحانات پاس کرتے چلے جاتے ہیں، خوشی خوشی وکیل، کلرک پولیس انسپکٹر بنتے چلے جاتے ہیں اور نو عمری میں مرتے چلے جاتے ہیں۔“

مقاصد قیام | مقاصد کا اکثر حصہ تو اسباب کے بیان میں ضمناً بیان ہو چکا ہے جنکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ایسے اسلوب پر طلباء کو تعلیم دیجائے کہ انکے اندر آزادی، راستبازی، صداقت شجاری اور صحیح علمی ذوق پیدا ہو سکے لیکن ساتھ ہی اسکے غیر مناسب نہ ہو گا اگر ہم خود تیکور کے اُس اعلان کو یہاں پر نقل کر دیں جو انھوں نے مدرسہ مذکور کی صرف چار طالب علموں سے ابتدا کرتے وقت اخبارات و رسائل میں اپنے اس مدرسہ کی غرض بنا کے انھار کے لیے شائع کیا تھا،

”ملک میں قدیم تہذیب کو زندہ کرنے کے لیے میں نے ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے جس میں طلباء با جان لین کر دہان علوم و فنون میں فوقیت حاصل کرنے سے بھی زیادہ اعلیٰ درجہ پر کوئی چیز ہے اور وہ ہمارا اپنے آپ کو اچھی طرح پہچان لینا ہے اُس نیا کے لیے جس میں ہم رہتے ہیں۔ میری مراد اس سے تمام اُن لذات و ترفک کے وسائل کی نفی

ہے جو موجودہ مدارس میں موجود درائج میں اور طلباء کو ایک صحیح و سادہ زندگی پر توجہ
کرنے کے لیے میرے مدرسہ میں انجین (تپانیاں) نہیں ملین گی جن پر طلباء بیٹھیں بلکہ
درختوں کے نیچے خاکی فرش تاکہ اُن میں وہ نہایت سادہ زندگی بسر کر سکیں۔

نیز ایک بڑے اور وسیع میدان میں اس مدرسہ کے قائم کر نیے میری اصل غرض موجودہ
مدن کی ہلک زندگی سے کیسوی و عزالت ہے تاکہ میں بچوں کو نباتات و اشجار میں اسطرح
پرورش ہوتے دیکھوں جیسا کہ اُنکی زندہ و آزاد طبیعت مستحق ہے بجائے اسکے کہ وہ
شہروں کے اندر چار دیواریں کے حصار میں پرورش پائیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جا
کر کہ میں اپنے اس مدرسہ کے لیے ہمیشہ زیادہ فہم و ذہین بچوں کو ہی قبول کروں گا جنہیں بلکہ
کثرت سے میرے پاس وہ بچے بھیجے جاسکتے ہیں جو بیدار فہم ہوں اور جنکی تربیت و تعلیم
سے اُنکے والدین عاجز آگئے ہوں۔

شانتی نیکیتان اور اخلاق | کسی طرز تعلیم کے کامیاب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُنکے طلبہ کے اندر علاوہ
صحیح ذوق علمی ثبات و استقلال اور اُلو العزمی کے اخلاق حمیدہ پیدا ہو جائیں۔ اور یہی تعلیم کا اصلی
مقصد ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے ادیان و مذاہب کی تعلیم کی اہم ترین غرض و غایت بھی اسی کی
تعمیل اور اسی کی تحمیل و اصلاح رہی ہے لیکن انہوں نے کہ ہمارے موجودہ و درجہ طرز تعلیم میں ایسا
فقدان ہے، دنیا میں جو قدر بھی تعلقات منظر اخلاق ہو سکتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔

(۱) کنبہ یا خاندان کے تعلقات

(۲) دوست و اُجاب کے تعلقات

(۳) سوسائٹی کے تعلقات

لیکن اگر آج دیکھا جائے تو ہمارے اُن نوجوانوں کے غیظ و غضب، بد مزاجی و بد اخلاقی کا منظر جو موجودہ یونیورسٹیوں سے بڑی بڑی ڈگریاں لیکر نکلتے ہیں، یہی تینوں تعلقات پائے جاتے ہیں الا ماشاء اللہ اور دورانِ تعلیم میں تو دوسری مخالف اہل جماعتوں کا درفتون کے ساتھ جھڑپیں، بغض و عناد رکھا جاتا ہے وہ محتاج بیان نہیں بلکہ صرف انہی پر موقوف نہیں ہوتے تو ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور کالجوں اور دارالعلوم کے اساتذہ تک کو اسی مرض میں مبتلا پایا،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس لحاظ سے شانتی نیکیتان کی کامیابی بقدر بھی مستحق تحسین و آفرین سمجھی جاسے وہ کم ہے اس لیے کہ ہم نے وہاں پہنچ کر ایک ادنیٰ بچے سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ اساتذہ تک کو اخلاقِ حمیدہ کا ایک پیکر اور محبت و خلوص کا ایک مجسمہ پایا اور دنیا میں انسانی زندگی و سعادت کے لیے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے،

شانتی نیکیتان اور مذہب یہ تو ہونے مقاصد کے بیان میں بتلایا ہے کہ مدرسہ کے قیام کا ایک بڑا مقصد ایک نئے مذہب کی ترویج و اشاعت ہے جو زیادہ تر بد مذہب، ماغویہ اور جھوٹو گوروں کے والد نے ایک عرصہ کے مجاہدہ و ریاضت اور مراقبہ کے بعد دریافت کیا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ کے ہر طالب علم کے لیے خواہ وہ کسی مذہب و عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو ایسے اصول کی پابندی مثلاً دینی معاملات میں گفتگو نہ کرنا، مدرسہ کی مقرر کردہ عبادت میں زردا حصہ لینا، یا ذی روح اشیاء کو نہ کھانا اور نہ ستان ضروری قرار دی گئی ہے،

اگرچہ اس جدید مذہب کی عبادت وغیرہ کے عام اصول نہایت مستحسن اور بظاہر کسی مذہب و عقیدہ کے خلاف نہیں ہیں مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دیگر مذاہب کے عقیدوں کو محو کر دینے والے اور اُن کے پیروں کو اپنے میں جذب کر لینے والے ہیں جیسا کہ ہر بعض مختلف مذاہب کے طلباء کے خیالات و محالات دریافت کر نیے معلوم ہوا،

اگر اس مدرسہ کو خاطر خواہ کامیابی ہو گئی اور جیسا کہ نیگور نے مین سال سے منصوبہ باندھا ہے یہ مدرسہ بحیثیت ایک بین الاقوامی جامعہ (انٹرنیشنل یونیورسٹی) کے دنیا میں مقبول ہو گیا تو یقیناً کچھ عرصہ کے بعد یہ دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دے گا اور عجب نہیں کہ گوتم بدھ کی تعلیم کی روح دنیا میں دوبارہ اس کے ذریعہ سے جنم لے۔ اس مدرسہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے طلباء کے اندر جو عزت و عظمت نیگور کی شخصیت کی پیدا ہوتی ہے وہ دنیا کی کسی دوسری گرانقدر ہستی کے لیے نہیں پیدا ہوئی اور مذہبی حایت و عصیت جو باعتبار ہر مذہب کے بقا و حیات کے لیے لابدی و ضروری ہے فنا ہو جاتی ہے جیسا کہ اپنے ایک رفیق کو کہنے اسکا بے طرح شکار ہوتے دیکھا۔ ایسے ضرورت اس امر کی ہے کہ جو طالب علم اس مدرسہ میں داخل ہوں وہ پہلے سے اپنے عقیدہ و مذہب میں پختہ و متحکم ہوں، ہمارے نزدیک مسلمانوں میں اگر ندوہ کی فارغ التحصیل جماعت اس طرف متوجہ ہو تو وہ اسکی پوری طرح سے اہل ہے اور اس سے کما حقہ مستفید ہو سکتی ہے خصوصاً ایسے اور بھی کہ ندوہ کے نصاب میں انگریزی کی تعلیم بھی ایک حد تک داخل ہے اور انگریزی یا ہنگالی زبان سے واقفیت اس مدرسہ سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے لازمی ہے۔ پس کیا ہمارے برادران ندوہ اسکی طرف متوجہ ہوں گے؟

شانتی نیکیان اور سیاست | آج جو ہم میں سیاسی بیداری کی روح مفقود ہے اور ہم اپنے لیڈروں کے بار بار جگلنے پر بھی نہیں جاگتے اسکا اصلی سبب علاوہ طریقہ حکومت کے ہمارے موجودہ نظام تعلیم کا وہ نقص ہے جو ہمیں اپنے ملکی پولیٹیکل معاملات میں حصہ لینا تو درکنار اپنے متعلق گفتگو بھی نہیں کرنے دیتا۔ ہمارے موجودہ اسکولوں اور کالجوں کے اندر دوران تعلیم میں ہمیں اسکے متعلق قواعد و ضوابط از جبر و تلویح اور طریق تعلیم سے لائق باہذا الشجرتہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور فتکونا منظر المین کی خاصہ و ناما کام عاقبت کا خوف ہمیں سے ہمارے دل نشین کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ باوجود علوم کے غفلتِ فاخرہ پس لینے اور بڑی بڑی قانونی اسناد حاصل کر لینے کے بھی ہمارے اندر سیاسی احساس و شعور نہیں ہوتا جو دراصل مغلوب و محکوم شعوب و قبائل کے لیے فور ہدایت ہو اور جہدِ رُسکی روشنی اُنکے اندر پھیلی ہوئی ہوتی ہے اُس قدر وہ اپنے حقوق سے آگاہ اور اپنے مصالح کی حفاظت و کفالت کے طریقوں سے واقف ہوتے ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب ہم دنیا کی سب سے زیادہ آزاد اور حقیقی مسنونین میں جمہوری حکومت مالک متحدہ امریکہ کے نظامِ تعلیم پر نظر ڈالتے ہیں تو سیاسیات کی تعلیم کو داخلِ نصاب پاتے ہیں،

یہ جو کچھ عرصہ سے ہمارے موجودہ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں تھوڑا بہت سیاسی احساس و شعور پایا جانے لگا ہے اور وہ ہیں میدانِ عمل میں متحرک نظر آنے لگے ہیں تو یہ اُنکی تربیت و تعلیم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ہمارے سیاسی لیڈروں اور سیاسی انجمنوں کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے یا نہیں تو پھر اُنکے ذاتی شوق و شغف، اور صحافت (جرنلزم) کی کوششوں کا۔ اگرچہ ہندوستان کی صحافت حقیقی مسنونین میں صحافت نہیں ایسے کہ اسکا سنگ بنیاد تقلیدِ یورپ ہے نہ وہ موجودہ تمدن کے اس اہم ترین و عظیم الشان فن کی نہ تو ہندوستان میں کسی جگہ باقاعدہ تعلیم دی جاتی اور نہ ہی باوجود یونیورسٹیوں کی اس کثرت کے اسکی کمین درگاہ ہے برخلات مالک متحدہ امریکہ کے کہ وہ ان تقریباً ہر یونیورسٹی سے ملحق اسکی تعلیم کے لیے ایک درگاہ ضرور ہوتی ہے جسکا نصاب چار سال کا ہے، اوّل دو سال میں زیادہ تر عمرانی و اجتماعی علوم کی تعلیم اس ترتیب سے دی جاتی ہے کہ وہ طالب علم کو موجودہ اجتماعی اور اقتصادی شرائط سے آگاہ کر دے اور اُسکو مافی الضمیر کے اظہار میں مدد پہنچائے اور بقیہ دو سال کا کورس زیادہ تر فنِ اشاعت، تنقید، مقالاتِ اقتصادی، خصائصِ نویسی، اور بین المللی تحریرات کی مشق و تعلیم سے متعلق ہے اور اسوقت اس فن کی امریکہ میں سب سے بہترین درگاہ

کولمبیا یونیورسٹی (Columbia University) میں ہے،

غشی کی بات ہے کہ شانتی نیکیتان میں سیاسیات کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے بلکہ وہ ان
میساکہ پہنے گذشتہ صحت میں کہا تھا کہ طلبہ کے آراء و افکار کو باقاعدہ مگر آزادانہ ارتقا کا پورا موقع
دیا جاتا ہے، اُن سے زعامت و قیادت کی مشق کرائی جاتی، اور سیاسی مضامین بھی لکھوائے جاتے
ہیں، البتہ جس سیاست کی تعلیم دی جاتی ہے وہ وہی ہے جو نیگور کی ہے،

ڈاکٹر نیگور کی شخصیت ایک جامع شخصیت ہے اور اُنھوں نے ایک ہمہ گیر طبیعت و استعداد
پائی ہے ایک ہی وقت میں اُنھیں شاعری سے بھی ذوق ہے اور ادب سے بھی، سیاست سے بھی
اور فلسفہ سے بھی ایسے وہ ہندوستان کی سیاسیات کے متعلق بھی خاص سیاسی آراء و افکار رکھتے ہیں
جو ہندوستان کے موجودہ سیاسی اصول سے مختلف ہیں۔ اُنھیں ہندوستان کی موجودہ اہم
سیاسی تحریک ”حرک موالات“ سے اختلاف ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اُنھیں یا اُن کے متبعین کو موجودہ
سیاسی میدان میں نقل و حرکت کرتے ہوئے نہیں دیکھتے دوران قیام میں ہم سے اور ایک بنگالی
بابو سے ملاقات ہوئی تھی جو شانتی نیکیتان میں زیر تعلیم رہ چکے تھے اور نیگور کے معتمدین میں سے
تھے اور اُسی کمرے میں جہاں کہ ہم ٹھہرائے گئے تھے قیام پذیر تھے اُن سے نیگور کے وجہ اختلاف
کے متعلق جسے انگریزی میں مفصل گفتگو ہوئی تھی۔ چنانچہ ہم بغرض افادہ اپنی اُس گفتگو کو آئندہ ہر
ناظرین کو سینگے،

A Guide book of the Institute of International
Education

مستطوعہ (مطبوعہ نیویارک)

مترجم

کتبخانہ سکندریہ

مترجم جناب عبدالحمید صاحب مدنی تعلیم جامعہ عثمانیہ

(۲)

لیکن چوتھی صدی کے انتقام کے قریب تھو فلاس کے زیرِ کمان عیسائیوں کے ہاتھوں سیرایم کی قسمت میں بربادی لکھی تھی، ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ۶۶ء کے مذہبی مناقشہ میں مندر برباد ہوا اور ہوتا گیا۔ اس ہنگامہ میں مندر کے کتب خانہ کا فنا ہونا ضروری اور موہم ہے، جیسے جیسے عیسائیت کو زور ہوتا گیا بت پرستوں سے اسکی لڑائیاں زیادہ تیز و تند ہوتی گئیں، اسوقت قدرتی طور پر سیرایم نے کافروں کے لیے قلعے اور جائے پناہ کا کام دیا، اور تھو فلاس دیر کے لیے جب موقع انکے ہاتھ آیا تو اپنی جائے وقوع سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے شہر کو تاراج کیا۔ اور سخت متعصب عیسائیوں کو تہ تیغ کیا۔ شہر پناہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ لیکن قبل اسکے کہ معاملات کی صورت نازک ہو جائے اور نوار کے ذریعہ ہی آئین فیصلہ ہو اس بات پر تصفیہ ہوا کہ قیصر کے فیصلہ کا انتظار کیا جائے،

تھو فلاس کا جو فرمان آیا آئین عیسائیوں کی سراسر حمایت تھی۔ سیرایم کے صحن میں دو دن مخالف فریق کی موجودگی میں وہ فرمان باواز بلند پڑھا گیا۔ قدیم مصری بت پرست فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔ عیسائیوں نے اپنے پادری تھو فلاس کے زیرِ رہبری سیراپس کے بڑے مندر کو منہدم کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۸۰ء کا ہے اور آئین مذہبی بحث کی ضرورت ہے اور مذہبی شہسہ،

اسوقت صورت حال بالکل بدل جاتی ہے جب یہ سوال درپیش ہوتا ہے کہ آیا اس بربادی میں کتب خانہ بھی تباہ ہوا؟ اس سوال کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ بہت کچھ بحث مباحثہ کا محتاج ہے۔ ایک غور کرنے والا، ثبوت کے صرف چند اجزاء کی تنقید کر سکتا ہے۔ اس امید میں کہ وہ اس مطلوب نتیجہ کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس میں تو مطلق شبہ نہیں ہے کہ مندر ۱۹۳۷ء میں بالکل برباد ہو گیا جسطرح یونیسس بیان کرتا ہے کہ وہ زمین کے برابر کر دیا گیا اور ایک یا زیادہ عیسائی کلیسا وہاں بنا دیے گئے۔ ممکن ہے کہ ہمیں کچھ مبالغہ بھی ہو تاہم اسوجہ سے کہ کوئی قابل اطمینان ثبوت اس بارے میں نہیں ملتا کہ مندر کی بربادی کے ساتھ کتب خانہ بھی برباد ہوا۔ لازمی طور سے ذیل کی دو شقوں میں سے ایک شق کو ثابت کرنا اس بات کے لیے ضروری ہو گا کہ کتب خانہ بھی ایسے برباد ہوا۔ (۱) یا تو وہ کتب خانہ مندر میں رکھا گیا تھا (۲) یا تمام عمارتیں جو شہر بنامہ میں واقع تھیں انکو عیسائیوں نے تھوٹھس کے زیر ہدایت تباہ کر دیا۔ ان شقوں میں سے دوسری

میں بعض مصنفین نے تشفی بخش جواب دینے کی کوشش کی ہے چنانچہ نوٹس بے کتاب *By the way* ص ۷۷ پر لکھتا ہے کہ کتب خانہ برباد ہوا۔ (۱) اسکا سنہ ۱۹۳۷ء بتاتے ہیں کہ کتب خانہ نہایت قاعدہ سے لوٹا گیا۔ اور کتا بن روم اور قسطنطنیہ بھی گئیں بیان تھیوڈورس کتا بونکا بڑا ذخیرہ جمع کر رہا تھا، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس بیان کی دلیل کیا ہے۔ پروفیسر برنس نے گن کے اپنا ڈیشن میں جلد ۲ صفحہ ۴۹۵) نمبر میں جو اپنا خیال ظاہر کیا ہے وہ بالکل غلط ہے، کتا جو تین اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مسلمانوں کے حملہ تک سیراچیم کا کتب خانہ باقی نہیں رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گن خود اس بات کو یقین کرتا ہے کہ کتب خانہ کو عربوں نے غرق کر دیا۔ تباہ نہیں کیا بلکہ عیسائیوں نے فلس کے زیر کرمان تباہ کیا۔ ٹاکر ٹوٹی نوٹس میں بے ضرورت اس بات میں متفق ہیں کہ اس وقت قبل کتب خانہ منتقل کیا گیا۔ ٹاکر بالکل ٹھیک کہتا ہے کہ بربادی کو پہنچانے کے بعد صرف سیراچیم کے رہنے والوں کی حفاظت بلکہ اسکے بستے متعلقہ سکونت کے لئے محسن چنگا اور کتب خانہ جو چھ صدیوں کے پنے کے قائم شدہ تھے، برباد کر دیے گئے *Book of Alexandria*

صفحہ ۳۲، ٹیکو اسکا خیال ہے کہ ان عمارتوں کی تباہی بہت خفیف تھی اور بہت جلد ہی مرمت ہو گئی اور وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جیسے جیسے قیوم سیراچیم کی یاد دہندگی ہوتی گئی سیراچیم ازمنہ روایت اور اسکی قائم مقام ہوتی گئی۔ اور اس کی بنیاد میں بہت سے عجیب و غریب خیرات کی روایت ہیں اچھا خاصا کتب خانہ تھا۔

جن الفاظ سے وہ مطلب نکالا جاتا ہے وہ خلاف واقعہ ہے کیونکہ اس نے سیراجیم کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جو اصلی نائشگاہ کا کتب خانہ تھا۔ اس کے متعلق وہ ذکر کرتا ہے کہ اسکی کتابیں آگ سے تباہ ہوئیں اور وہ سطحی طور پر سطح بیان کرتا ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بعض مندرجہ میں اب تک کتابوں کی الماریاں خالی نظر آتی ہیں اور نیز یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ہمارے زمانہ میں جبر و تشدد سے خالی کی گئیں تو یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ کتب خانے موجودہ زمانہ میں موجود تھے مگر یہ ثابت نہیں کرتے کہ یہ کتب خانہ باقی رہ گیا جو قدیم نائشگاہ کے کتب خانہ کا ایک جز ہے، چونکہ وہ ایک علیحدہ مکان میں تھا، اسلئے وہ آگ سے بچ گیا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری کتابیں قدیم کتب خانہ کی تقلید میں آتشزدگی کے بعد کسی اور وقت جمع کی گئیں۔ یہ بھی اردیس کی بحث اس سے یہ جملہ نام مقصود ہے کہ بطلمیوسی بیرونی کتب خانہ کا کوئی حصہ آگ سے نہیں بچا۔ میٹر اور دوسروں کے اعتراض کے موافق ہمیں سیراجیم کی طرف کوئی ایما نہیں ہے، یہ بالکل ٹھیک ہے

سطح ۷۱ (۱۵ صفحہ ۱۵) اور (۳۱) پر اردیس نے سیزر کی آتشزدگی سے کتب خانہ کی بربادی کا تذکرہ کر کے بہت کچھ لکھا ہے عبارت صاف نہیں ہے مگر حسیبیل مطلب لکھتا ہے تاہم اس موقع پر یہ کہنا صحیح ہے کہ موجودہ زمانہ میں چند مندرجہ میں خالی الماریاں ہیں جن نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں ہاربروگن نے انکو خالی کیا اور برباد کیا۔ اس کے علاوہ قابل اعتماد اسے یہ ہے کہ آتشزدگی کے بعد دوسرے ذخیرے جمع کئے گئے تاکہ علم کے قدیم ذوق کو تازہ رکھیں یہ بات غلط ہے کہ کوئی اور کتب خانہ ابتدا ہی سے قائم تھا اور چارہ کہ کتابوں سے علیحدہ تھا اور اسی علیحدگی کی وجہ سے محفوظ تھا،

سطح ۷۲ پر جہاں مسئلہ پر بحث کی ہے وہ ناقابل تہاد ہے جان نفوفس کی تحریر کا اقتباس پیش کرتا ہے کہ علم تقسیم کی چالیس کتابیں موجود تھیں بیڑ اس سے یہ خوب نکالتا ہے کہ کتابوں کا ایک نیا ذخیرہ موجود تھا۔ لیکن جب وہ سائنس کا اقتباس پیش کرتا ہے کہ علم تقسیم کی چالیس کتابیں اور متون کی دو کتابیں موجود تھیں تو یہ ثابت کرتا ہے اور سچا ثابت ہے کہ پانچویں صدی تک نائشگاہ کے کتب خانہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر یہ نہیں کہ کوئی دوسرا کتب خانہ بھی موجود تھا۔

بلکہ اس سے اور مزید روشنی پڑتی ہے کیونکہ اردو سس کی عبارت سے جو مرتب نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ اسے اپنی کتاب لکھی ہے اسکندر یہ یمن کوئی بڑا اور قدیم کتب خانہ موجود نہیں تھا۔ اگر اسلئے عین کوئی کتب خانہ سیرایم میں موجود ہوتا تو بھلا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اردو سس اپنے سلسلہ خیالات کے قلم بند کرنے میں جسکو یمن نے بیان کیا ہے اسکو خاموشی سے چھوڑ جائے اردو سس کا بیان اس بات کی قوی شہادت ہے کہ اسلئے عین کوئی کتب خانہ موجود نہیں تھا نہ اسکی شہادت کہ اسلئے عین سیرایم کتب خانہ کی بربادی ہوئی تاہم یہ زیر بحث نکتہ کہ ساتویں صدی میں کتب خانہ موجود نہیں تھا ابھی پائے تکمیل کو نہیں پہنچا۔ بیشک یہ بات کسی کے سمجھ میں نہیں آتی کہ اسکندر یہ کی تمام کتابیں فنا ہو گئیں۔ کیونکہ بڑی بڑی لڑائیوں میں بھی جنگاں کتبوں کی طرف تھابت سی کتابیں باقی رہ گئیں، ان لڑائیوں میں ایک تو وہ لڑائی ہے جو دیا کلشن نے عیسائیوں کے ساتھ کی، دوسری تھیو فلس کی ہے جسے کافروں کی کتابوں کی بربادی کا بیڑا اٹھایا تھا، ان بڑے عام کتب خانوں کے تباہ ہوجانے کے بعد بھی چند جلدیں خانگی ذخیروں میں اور بہت ساری دور دراز خانقاہوں کے کتب خانوں میں باقی رہنا چاہیے تھیں۔ یہ واقعہ کہ سیرایم کی تعلیم و تعلم کا شعلہ ہنوز برقرار تھا خود بتلاتا ہے کہ ضرور کتابیں استعمال میں ہونگی۔ لیکن اگر سیرایم کا بڑا کتب خانہ ساتویں صدی میں موجود تھا تو بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ پانچویں یا چھٹی صدی کا کوئی بھی مورخ ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا ہے جسے وضع طور پر اسکے متعلق کچھ لکھا ہو۔ ایک خاص مثال تو میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جان مالکس اور اسکا دوست سوفرونیس عربوں کے اسکندر یہ فتح کرنے کے چند سال پہلے مصر آئے تھے، اور یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ان دونوں علما یمن کے قدر علمی فوق تھا یہاں تک کہ جو چیز کتاب کی شکل میں انکے سامنے آتی تھی بغیر مطالعہ کے نہیں رہتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انکی بہت تصنیفات ہیں اور مصر میں انھوں نے بہت

کے بھی ہی الفاظ ہیں۔ وہ عیسائیوں کے متعلق بیان کرتا ہے کہ ان لوگوں نے سیرایم کے معاہدہ کا فتح سے لیکر تھوٹوس کے زمانہ تک مسلسل سیرایم میں بود و باش کی۔ یہ واضح رہے کہ یہ سب مصنفین چوتھی صدی کے اوائل میں گذرے ہیں، یہ سب ایک دوسرے کے معاصرین۔ اس بات کا افسوس ہے کہ انھوں نے واضح طور سے یہ نہیں بیان کیا کہ کتب خانہ کا کیا حشر ہوا، اور نہ دیگر عمارتوں کا جو شہر بیاہ پر قائم تھے کسی نے ذکر کیا۔ مگر روٹینس نے اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے کیونکہ اس نے ان بیرونی عمارت کے سلسلہ کا ذکر کیا ہے جو سطح مرتفع کے کنارے تھے اور صدر سے محفوظ تھے گو وہ پہلے کے کافر باشندوں سے خالی تھے لیکن وہ اس بات کو صاف طور سے بیان کرتا ہے کہ جب یہ بیرونی قطار میں اپنے درس اور سکونت کے کمروں کے باقی رہی تو ضروری ہوا کہ صرف مندر ہی نہیں بلکہ متعدد ستون والا پیش دالان جو اسکے متصل تھا زمین کے برابر کر دیا گیا۔ اس بحث کا حسب ذیل نتیجہ نکلتا ہے، ایسے یہ ثابت ہوا کہ کتب خانہ ایسے کمروں میں رکھا گیا تھا جو قدیم مصری دیوتاؤں کے مندروں کی طرح مندر کی عمارت کا ایک حصہ تھے اور نیز یہ ثابت ہوا کہ مندر کی عمارت بالکل تباہ و برباد ہو گئی ایسے کتب خانہ کا بھی وہی حشر ہونا لازمی ہے، بیان یہ اعتراض پیش ہو سکتا ہے کہ کمروں کے جلنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کتابیں بھی

۱۔ ابتدائی نوٹ اور سرزاد و بھو (صفحہ ۳۸۵)

۲۔ روٹینس کے فقرے میں نے پہلے ہی نقل کیے ہیں وہ ممبر ۵، صفحہ ۳۸۵ پر ہے کہ داکٹر بوٹی کے پاس صلی لاطینی نسخہ نہیں تھا وہ لائبریری کا صحیح ترجمہ شہادت میں پیش کرتے ہیں وہ بالکل ٹھیک کہتا ہے کہ چونکہ مندر کی تباہی روٹینس کی چشم بہ ہے تو اس کی تحریر میں جزا نامہ اسی لئے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ اس چیز کے متعلق جو اس کی تصنیف وقت میں نہیں تھی اور زامہ حال لئے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ تحریر کی وقت موجود تھی، ۳۔ بیان میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جان فلاؤٹس نے ابو الفتح کے دباؤ سے یہ کہا ہے کہ کتابیں شاہی خزانہ میں موجود نہیں۔ یہ بیان بالکل غلط ہے سیرایم کے کتب خانہ کو شاہی خزانہ کہا بالکل غلط ہے،

جل گئی ہوں۔ واقعہ میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کپوڑیشا کے جارج نے اس سے تقریباً تیس سال پہلے جبکہ تھیولس کے ماتحت عیسائیوں نے سیرایم کو فتح کیا تھا بذات خود کتابیں منتقل کر لی تھیں اور یہ بھی تحقیق سے بیان کیا جاتا ہے کہ فتح کے بعد کتابیں گٹھریوں میں قسطنطنیہ بھی گئیں مگر اس بات میں شک ہے کہ آیا وہ شورہ پست جماعت جس نے سیراپس کے مجسمے کو ٹکڑہ ٹکڑہ کر دیا اور اسکے ٹکڑوں کو اسی مقام پر جلا دیا یہاں تک کہ وہ مہتمم باشندانہ مندرجہ دنیا بھر میں لاجواب تھا اسکا ایک پتھر بھی باقی نہیں رکھا اس قابل تھی کہ ان علی خزانوں کا محاط کرتی۔ کیونکہ یہ تمام کتابیں کافروں کی تھیں اور ایک بڑے بت کی حفاظت میں تھیں۔ چونکہ ان ہم عصر مصنفین کا سکوت کتب خانہ کے متعلق قابل تعجب ہے اسلئے ہم بلا تامل اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کہ کتابیں اس آگ کی نذر ہو کر فنا ہو گئیں جہاں سیراپس کا بت جل گیا۔ برخلاف اسکے یہ خیال کرنا محال ہے کہ وہ کتابیں آگ سے بچا لی گئیں اور دربار شاہی میں روانہ کر دی گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ارسطیس کے بیان کا اقتباس بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ہے کہ اسے سیراپس کی خالی الماریوں اور کتابوں کو دیکھا تھا۔ اگر یہ اقتباس درست ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کتابیں نہ تھیں جبکہ ارسطیس نے اپنی تصنیف لکھی ہے کتابیں غائب ہو گئی تھیں اور کتب خانہ کی عمارت باقی تھی مگر یہ صحیح نہیں ہے

۱۔ دیو (224-225) صفحہ (۳۱۳)

۲۔ کتاب (224-225) صفحہ ۲۲ پر تیسرے درجے کے صاف کتاب ہے کہ وہ بت جو صرف لکڑی کا بنا ہوا تھا وہ سطح بدسلوکی کا شکار ہوا کہ اسکا مشرکہ کے اطراف گھسیٹا گیا۔ مائیکل کی عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے،

۳۔ ڈاکٹر بوٹی اس خیال کی طرف مائل معلوم ہوتے ہیں کہ اسکندر یہ مین جو کتب خانہ جلا وہ مڑا جیم کا ہونا جو کتب خانہ متعلق سوتیلے اس نے بیان کیا ہے کہ لگے جو مین نے جلا دیا۔ حالانکہ سیاق و سباق سے واضح ہو کر وہ قہراً انکار سے مستحق ہے۔

شق آسانی سے مٹو کجا گئی ہے۔ میں بنا چکا ہوں کہ بارہویں صدی کی طویل مدت تک اس عمارت کے چند شاندار آثار قائم تھے۔ ان آثار کی ٹھیک جگہ اسی طرح نامعلوم ہے جس طرح ان کی غرض و غایت اور اسکے ساتھ ان آثار سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اگر کتب خانہ ان مکانات میں تھا تو ان کے ساتھ اسکو بھی باقی رہنا چاہیے تھا۔ تاہم کچھ صاف اور پتہ ثبوت ہکو ملتا ہے جس سے کتب خانہ کی ٹھیک جگہ معلوم ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے کس قدر بربادی ڈھائی، کیونکہ ایک طرف تو ہمارے پاس انٹونیس کی شہادت موجود ہے جو چوتھی صدی میں بربادی سے چند سال پہلے سیراچیم میں آیا تھا۔ دوسری طرف روفینس کا ثبوت موجود ہے جو فلسفہ جاسٹین و ٹیولائی کی تشریح کے لیے مرقس جرجہ کا تھا ہے اسکا میں پختی سے مخالفت ہوں بغیر اس الفاظ میں میں شہر کے باہر اسکو ہا کیوں جو پھر سکھ کا آئین ہے وہ ایک بڑی اور خوشنما عمارت ہے جسکے ہر در میں سنگ مرمر کے آرائش متون ہیں ایمان ایسے تقریباً بیس سو سے ہیں جہاں اسکو کے معمارانست سفید ہونے کے لیے دنیا کے ہر حصہ سے لوگ آئے ہیں اس تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بارہویں صدی میں باقیانہ خوشنما عمارت میں چند دالان یا کمرے تھے جو ایک سلسلہ متون سے دہستہ تھے۔ مگر اس پر بہت نہیں ہوتا کہ یہ کمرے فلسفہ کے طالب علم کے استعمال میں تھے۔ روایت اسکو کا نام سیراچیم کی عمارت کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا۔ اس لیے باقیانہ عمارت کے ساتھ بھی ہوتی دہستہ تھا جبکہ جاسٹین نے اپنی تاریخ لکھی ہے کہ یہ کتب خانہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ باقیانہ عمارت میں کوئی خاص عمارت مطالعہ کے لیے وقف تھی اسکا ثابت کرنا قطعی ناممکن ہے کہ نہیں کتب خانہ رکھا گیا تھا۔ اسکے علاوہ میں یہ کہتا ہوں کہ جاسٹین ایمان اسکے سابق مصنف کوئی تطابق نہیں لکھا۔ وہ مصنف کتا جو کراچیم ایک کھنڈ سے سولے دیواروں و دروازوں کے زمین کچھ باقی ہیں اب ابیدت بالکل ظاہر ہو گئی کہ چوتھی صدی میں کما کر ذی حصہ بالکل لیا یہٹ ہو گیا تھا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ کیا جو میں ہی میں مزید چند متون کھنڈے ہوئے۔ بات اضمح ہو گئی کہ متون کی طرف اشارہ کیا گیا جو فیصل کی بیرونی قلعہ متعلق ہیں متون کے متعلق ہیں یہ متون ملنے میں ان کی خوش کراچیم کے انٹونیس کے شہر میں آنے کو لفظ میں ثابت ہے کہ خود انٹونیس کی تحریر سے جو شکل پڑتی ہے اس سے یہ مشکل ہے کہ وہ شامی مصنف کتا ہے کہ متون کے تعلقات متون کے سلسلہ کے ساتھ اندازہ میں چکر کتب خانہ اور طالب علم کے استعمال میں ہیں درود و مرحہ قدیم دیوتاؤں کی عبادت کیلئے وقف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انٹونیس نے یا تو کافر کے متون کی برادری کے بعد کثرت لکھی ہے یا عیسائیوں نے اس کی خانقاہ کو برباد کر کے بعد از روئی خانقاہ کو خوشامی کی سیراچیم میں پلٹا دیا ہے جو موجود ہے مگر اسکو حدت پسند لوگ نہیں ان کے اندر بہت زیادہ غیرت ہے، بیرون کتا ہے کہ جب سیراچیم قبضہ ہوا اس وقت مصنف وقت تک سیراچیم عیسائیوں کے قبضہ میں رہا،

زبانی کی وقت وہاں موجود تھا اور اسکے بعد اسے اس واقعہ کو قلم بند کیا ہے، یہ دونوں بیانات ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ مگر یہ قابلِ تعجب ہے کہ انٹونیس مندر کے متعلق بالکل خاموش ہے، اور روٹینس کو کتب خانہ کے متعلق بالکل سکوت ہے، لیکن یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ انٹونیس برخلاف دوسرے مقامات کے جو شہر پناہ پر قائم تھے کتب خانہ کو مندر کے ساتھ وابستہ تھلا تاہن اور جس وقت وہ وہاں آیا تھا کتب خانہ موجود تھا، اور ناظرین مطالعہ کرنے کے لیے آیا کرتے تھے لیکن اگر کتب خانہ مندر کی عمارت کا ایک حصہ تھا تو جس وقت مندر بالکل تباہ ہو گیا تو یہ کہنے کیلئے کہاں گنجائش ہے کہ اسکے ساتھ کتب خانہ فنا نہیں ہوا مندر پوری طرح سے تباہ ہو گیا، یہاں تک کہ بیادون تک تمام حصہ منہدم ہو گیا۔ یونیس کتا ہے کہ ”عیسائیوں نے سیرایمین تباہی دہائی اور اسکے مجسموں پر جنگ کی چونکہ بڑی بڑی چٹانوں کا حرکت دینا مشکل تھا اسلئے انکی بنیادیں ٹیسی ہی چھوڑ دی گئیں۔“

اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے تھیوڈور ریٹ لکھا ہے کہ ”تجانبے جڑ سے اکھڑ دیے گئے“ تقریاً کتا ہے کہ شہنشاہ کا حکم تھا کہ اسکندریہ میں کافرون کے جہت مندر زمین انکو منہدم کر دیا جائے اور تھوٹوس نے سیراپس کے مندر کو منہدم کر دیا اور پھر کتا ہے کہ مندر تو منہدم کر دیے گئے مگر برجی عجیبی خانگی ظروف بنانے کے لیے بچھلا دیے گئے۔ یہی مصنف ان پتھروں کے دریافت ہونے کا واقعہ بیان کرتا ہے جنہیں مصری حروفِ کندہ تھے اور جو سیراپس کے مندر کے انہدام کے اثنائین برآمد ہوئے۔ سوزوون

لے (Souda) صفحہ (۳۸۱)

۱۵ مہرم ایک مندر تھا جہاں ایرانی دیشاندہ مرا لدا ہوتے تھے۔ مگر یہ بات ثابت کرنے کے لیے کوئی مواد نہیں ہے کہ وہ قہر پر تھا شہنشاہ نے اس جگہ کو خاص وقعت دہائی، ہرا سکولیا بنا دیا تھا چنانچہ سوزوون زبانی سس کن کے متعلق لکھا ہے کہ وہ گرجائی شکل میں بنایا گیا تھا۔

سیاحت کی اور مدت تک وہاں رہے۔ انکی کتابوں میں خانگی کتب خانوں کا کچھ تذکرہ تو ہے مگر ان بڑے کتب خانوں کے متعلق انہیں کسی بات کی تلاش کرنا بیکار ہے۔ دو صدیان پہلے گزر گئیں اور کسی مورخ نے انکے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ یہاں تک کہ یہ مدت جان ماکس اور سوفی پرنٹم ہو گئی۔ انھوں نے بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عرب اسکندریہ میں داخل ہوئے ہیں اسوقت وہاں کوئی بڑا بیک کتب خانہ موجود نہیں تھا،

ایک یاد داسور اور غور طلب باقی ہیں۔ تھوڈی دیر کے لیے یہ فرض کر لو کہ تذکرہ بالا بحث سیرایم کے کتب خانہ کے نظریہ کو نہیں توڑ سکتی اور یہ بھی فرض کر لو کہ عرب جب اسکندریہ میں داخل ہوئے ہیں اسوقت کتب خانہ جون کاٹون قائم تھا۔ باوجود اسکے میں ثابت کر سکتا ہوں کہ عربوں سے اسکا تباہ ہونا قطعی ناکم ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ چونکہ عرب اسکندریہ فتح ہونے کے گیارہ مہینے بعد شہر میں داخل ہوئے اور اطاعت کے عہد نامہ میں واضح طور پر اس امر کا تصفیہ مندرج کیا گیا کہ اس دفعہ میں رومی نہ صرف شہر چھوڑ کر چلے جاسکتے ہیں بلکہ اپنی منقولہ جائداد اور قیمتی چیزوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ اس عرصہ میں سمندریں کوئی بروک ٹوک نہیں تھی، قسطنطنیہ اور دیگر بندر گاہوں کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی اگر اسوقت سیرایم کا کتب خانہ موجود ہوتا تو کتبوں کی صرف بازاری قیمت بھی بے انتہا ہوتی۔ بیسیوں آدمی جنہیں علم کا ذوق ہوتا انکی بحد قدر کرتے اور یہ علم درست لوگ کیوں ان کتابوں کو ریکستانی سپاہیوں کی جمالت کے تذکرہ کرتے جنکے حوالے شہر ہو رہا تھا۔ بلکہ وہ ان بیش بہا خزانوں کو اپنے پیمانہ بچاتے اور اسکے لیے انکے پاس خاصہ موقع تھا۔ اور اسلحہ وہ جان فلاؤنس کی علمی ذوق کی بے بنیاد شہرت پہلے ہی سے خود حاصل کر لیتے۔

آخر میں یہ کہنا باقی ہے کہ پانچویں یا چھٹی صدی کے مصنفین نے کتب خانہ کے متعلق جو

سکوت اختیار کیا ہے وہ فتح کے بعد بھی اس طرح باقی رہتا ہے۔ ساتویں یا آٹھویں صدی میں مصر میں کوئی عرب مورخ نہیں گذرا۔ یہ اعتراض ہونا ممکن ہے کہ بعد کے مورخین نے کتب خانہ کی آتشزدگی کو چھپانے کی کوشش کی ہو لیکن قطبی پادری جان آف نیکو کے متعلق تین لکھا جاسکتا، کیونکہ وہ ایک عالم شخص تھا اور اسکی تصنیف ساتویں صدی کے اختتام کے پہلے کی ہے اسکی تصنیف کی ضخامت اور شرح و بسط ثابت کرتی ہے کہ فتح اسکندریہ کے پچاس سال بعد کے بتنے اخذ تھے وہ ان سب سے واقف تھا ابوالفرج خود جس نے الزام لگایا ہے ثابت کرتا ہے کہ مشہور مین اسکندریہ طالب علموں کا مسکن تھا کیونکہ جس آف اٹریس کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ وہ یونانی زبان کی مکمل تعلیم حاصل کرنے اور شام کی خانقاہ میں انجیل کا مطالعہ کرنے کے بعد اس غرض سے اسکندریہ آیا تھا کہ اپنے علم کی تکمیل کرے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چند خانگی اور خانقاہوں کے کتب خانے جطرح فتح کے پہلے تھے اس طرح بعد بھی قائم رہے اگر فتح اسکندریہ سے پہلے کوئی بڑا پبلک کتب خانہ رہتا اور عرب اسکو اٹھائے فتح میں جلائے ہوتے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ جان آف نیکو جو تقریباً اسی زمانہ کا مصنف تھا اور اسکندریہ کے قبضہ کے متعلق ذری ذری بات بھی نہیں چھوڑتا ایسے واقعہ کو فراموش کر جاتا جس سے نہ صرف اسکی تاریخ بہترین مواد سے محروم رہتی بلکہ علمی دنیا ہمیشہ کے لیے ایسے عظیم اشران ذخیرہ اور قیمتی خزانہ سے جلا ہو گئی

اب اس تمام بحث کو اختصار کے طور پر دہرانا نامناسب ہو گا جس قصہ کی بنا پر عرب کتب خانہ اسکندریہ کی آتشزدگی کے ملزم ٹھہرائے جاتے ہیں اسکی سچائی اور جھوٹ کے چہرے پر وہ اٹھانا مقصود تھا۔ اس مسئلہ پر مین نے حسب ذیل دلائل میں بحث کی ہے،
(۱) جس واقعہ کے متعلق وہ قصہ ہے اسکے ہلور پندیر ہونے کے پانسو سال سے بھی بہت

بعد لکھا گیا ہے،

(۲) جب اس قصہ کی تفصیل کی چھان بین کی جاتی ہے تو محض لغویات کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے،

(۳) اس قصہ میں جو شخص سب سے پہلے اہم حصہ لیتا ہے وہ جان فلا فوس ہے (یعنی انھوی) جو

مسلمانوں کے مصر پر حملہ آور ہونے سے بہت پہلے مر چکا تھا،

(۴) ان دو بڑے کتب خانوں میں سے جنگی طرف قصہ کا ردئے سخن ہے ایک نائش گاہ کا

کتب خانہ ہے جو جوہر سیر کی آتشزدگی کے نذر ہوا یا اگر اس وقت نہیں تو ایسے وقت

جلا ہوا جو عربوں کی فتح سے چار سو سال سے قبل ہونا ضروری ہے۔ دوسرا سیرایم کا

کتب خانہ ہے جو یا تو ۱۹۱۷ء سے پہلے ہی منتقل کر دیا گیا یا اس وقت منتشر کر دیا گیا یا برباد

کر دیا گیا۔ اسلئے وہ کتب خانہ ہر حالت میں عربوں کی فتح سے ڈہائی صدی پہلے ہی

سے غائب تھا،

(۵) پانچویں چھٹی صدی اور اوائل ساتویں صدی کی تاریخوں میں کسی کتب خانہ کے

وجود کا تذکرہ نہیں پایا جاتا،

(۶) اگر اس وقت جبکہ سیرس نے اطاعت اسکندریہ کے متعلق سر تسلیم خم کیا تھا کوئی کتب خانہ

موجود رہتا تو کتا بوزن کا منتقل ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ اس عہد نامہ پر اس امر کی اجازت

تھی کہ لوگ اپنے ساتھ قیمتی چیزیں بجا سکتے ہیں اور عہد نامہ پر وہ خطا ہوئے اور عربوں کے

عملی طور سے شہر میں داخل ہونے کے درمیان گیارہ مہینہ کا وقفہ عارضی صلح کا گزرا ہے

(۷) اور اگر وہ کتب خانہ منتقل کر دیا جاتا یا برباد کر دیا جاتا تو اس وقت کے مؤرخ

خصوصاً جان آف نیکیبو مبیہا عالم کبھی اسکے غائب ہونے کو اس سکوت کے عالم

میں نہیں چھوڑ جاتا اس تمام بحث سے جو نتیجہ نکلتا ہے اب اس میں مزید شہد کی گنجائش

نہیں ہے۔ ریناڈٹ کا شبہ اور گین کا انکار کبھی بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص بہ آواز
بلند یہ کہہ سکتا ہے کہ ابوالفتح کی حکایت بالکل جھوٹی ہے جو کسی تاریخی بنیاد پر
نہیں قائم کی گئی۔

————— دہلی —————

اس بحث سے میرا مقصد عربوں کی حمایت نہیں ہے بلکہ اسلیت کا اظہار ہے۔ حمایت کی کوئی
ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اگر اسکی ضرورت ہے تو یہ کام معذرت کے پیرایہ میں بخوبی انجام دیا جاسکتا
تھا۔ کیونکہ عربوں نے بعد میں یونانی اور رومی کتابوں کا جو انہیں دستیاب ہوئیں ایک خاصہ ذخیرہ
جمع کیا تھا۔ اور انہیں قدردانی سے رکھا اور اکثر دن کا ترجمہ کر ڈالا۔ حقیقت میں اسطرح انہوں نے ایک
مثال قائم کی ہے جسکی موجودہ فاتحون کو تقلید کرنی چاہیے۔ سید یو اپنی فرانسیسی کتاب میں بیان
کر رہے کہ جب ”فرانسیسینوں نے افریقہ میں شہر کانسٹنٹین کو فتح کیا تو تمام کتابوں کو جو انہیں ہاتھ
لگیں، جلادیا جب انگریزوں نے سیکڑا لافتح کیا وہاں انہیں جہشی کتابوں کا ایک بڑا کتب خانہ ملا
جسکو وہ لے گئے۔ لیکن بہت بڑا حصہ اسکا دھین راستہ کے ایک جانب گر جائیں چھوڑ گئے۔ کیونکہ
انکی نقل و حرکت دشوار تھی اور ساتھ ہیجانے کے لیے جن کتابوں کا انتخاب ہوا وہ بالکل مشکل پہنچو
ہوا۔ مگر باقی ماندہ کتابوں کی اہمیت سے ان تمام علمی کتابوں کا اندازہ ہو سکتا ہے جو چھوڑ دی گئیں
اور جن سے علمی دنیا محروم ہو گئی۔ اور انگریزی نائش گاہ جان آف نیکو کے ان علمی خزانوں میں
صرف ایک خزانہ ہے جو اس افراتفری کے عالم میں بچا لیا گیا،

تَلخیص فی تَکْوِیْنِ

حکماء اسلام

ایک فریخ مستشرق نے پانچ ضخیم جلدوں میں تاریخ حکماء اسلام مرتب کرنے کا قصد ظاہر کیا ہے جسکی دو جلدیں حال میں شائع بھی ہو گئی ہیں۔ پہلی کے پاری فاضل جی کے سر بیان نے گرائیکل (پہلی) کے صفحات میں ان پر اپنا تبصرہ شائع کیا ہے، جسکا مفصّل ترجمہ بیان درج کیا جاتا ہے

فرانس نے حال میں اسلام و نظمات اسلام سے اپنی مناسبت و وابستگی کے چند نمایاں ثبوت دیے ہیں۔ چنانچہ پیرس میں جو مسجد تعمیر ہوئی ہے، اور اسکے ارد گرد جو تعلیمی عمارتیں تیار ہو رہی ہیں، ممکن ہے کہ عمیق تعلیم و تحقیق کے لحاظ سے انکا نمبر قاہرہ کی نہایت قدیم جامع ازہر سے کہیں آگے بڑھ جائے۔ انتقام جنگ کے بعد سے فرانس و جرمنی کے درمیان، ترکی اور اسکی تہذیب کی تعلیم کی بابت مقابلہ و سابقہ تیزی سے جاری ہے،

علامہ فرانس میں بیرن کاراؤسی دو نے پانچ جلدوں میں تاریخ حکماء اسلام تحریر کر دیا ہے۔ بیرن موصوف اس سے پیشتر غزالی و ابن سینا پر تصانیف شائع کر چکے ہیں، نیز بعض تصانیف مسعودی کا ترجمہ ”حکماء اسلام“ کی ابتدائی دو جلدیں اس وقت پیش نظر ہیں، پہلی جلد کی تیاری میں مصنف کی قوت انتخاب و انتقصار پر انتہائی بار پڑا ہو گا۔ اس جلد کے موضوع سے متعلق معلومات کا انبار عظیم موجود تھا، اس دفتر بیکران سے چار سو صفحات سے کم ضخامت کی دلچسپ و پُر لطف

کتاب تیار کرنا ایک فاضل اجل ہی کا کام ہو سکتا ہے، اس میں پہلے جن شاہان اسلام کا مختصر تذکرہ آیا ہے، انکی فہرست میں خلفاء عظام مثلاً منصور، ہارون، مامون، صلاح الدین وغیرہ شامل ہیں، نیز ہلاکو، قاطع خلافت عباسیہ اسکے بعد تاخرین شاہان اسلام کا تذکرہ ہے، مثلاً محمد ثانی، و سلطان سلیمان، تیمور و معاصر سلاطین ہند، محمود غزنوی، بابر (صاحب ترک بابر ہی) اکبر عظم، جہانگیر (صاحب ترک جہانگیری) شاہ عباس اعظم و نادر جنگ ایرانی۔ تاریخ عرب، ایران، ترکی نیز عام سیاسیات اسلامیہ کے متعلق ابواب، جن بیش بہا ذخائر تاریخی سے پُر ہیں، انکے مطالعہ کے بعد یقین نہیں آتا، کہ کوئی انسان تنہا، آئندہ جلدات میں اس بلند سطح کو قائم رکھ سکے گا،

ان اوراق میں اہل عرب و ایران کا مشترک بیان ہے، آگے چل کر ترکوں کا بھی بیان شامل ہو گیا ہے، وہ ترک جو ذرا الگ تھلک سے اور زیادہ محروم و مہزاج ہیں، اسی تمدن کے وارث لیکن مغرب کی ہسائیگی سے کافی متاثر۔ قدیم تاریخوں میں طبری کے لیے صرف چند صفحات اٹھل سکے، اور اتنے میں ظاہر ہے کہ اسکے تذکرہ کا حق کیونکر ادا ہو سکتا تھا۔ بیرن موصوف نے طبری کے تذکرہ نو شیردان زرتشین شاہ ایران پر خاص توجہ دلائی ہے، جو مسلمانوں کی نظر میں سلطان عادل کا مجسمہ ہے، مسعودی اس وقت اپنے معاصرین سے زیادہ معروف ہو چکا ہے، سب سے زیادہ خوش آئند و جدید معلومات مسکو سے متعلق مندرج ہیں، جو نسبتاً پارسی اور مذہبی مسلمان تھا، اس نے عقلیت میں اتنی ترقی کر لی تھی، کہ معجزات رسول میں تاریخی حیثیت سے شک کرنے لگا تھا، اسکی زبان تصنیف عربی تھی لیکن اسکی عربی، فارسی کی لگی اصطلاحات سے ایسی محفوظ و معتزج نہیں، جسے موجودہ ہند کے انگریزی مورخ کو مجبوراً ان ہندوستانی مصطلحات سے کام لینا پڑتا ہے، جو انگریزی میں جذب ہو گئی ہیں۔ مسکو یہ صاحب فکر و صاحب عمل دونوں تھا، اس کی تاریخ کے صفحات میں بعد از قدیم زندہ و قائم معلوم ہوتا ہے، دوسرے عرب مورخین میں ابن اثیر

ابوالفدا، مقریزی مصری، اور مقری مورخ اندلس سے پورا تعارف کرایا گیا ہے،

آخری باب میں جو افسانہ و قصص سے متعلق ہے، الف لیلہ پر ایک مختصراً تبصرہ ہے مصنف ان لوگوں کا ہم خیال نہیں، جو اس قصہ کو ہندی الاصل بتاتے ہیں، بعض مورخین اسکا ماخذ فارسی زبان کو بتاتے ہیں۔ ایک اور جماعت جس میں لیڈن کے پروفیسر ڈی گو، جی جیسے محقق شامل ہیں، قانون شہر زراد کو انجیل کی قانون اسطرح کے مراد قرار دیتی ہے، مگر کے نزدیک یہ قانون شاہ فارس بہمن بن اسفندیار کی والدہ تھی۔ ایک اور مورخ کے خیال میں اسکا اصلی فارسی نام دنیا زاد تھا۔ ہمارے مصنف کی تحقیق ان سب سے جدا گانہ ہے، اس کے خیال میں الف لیلہ میں افسانہ جس نوعیت کے ہیں، ان سے جو اخلاقی نتائج پیدا کیے گئے ہیں، ان میں جس قسم کی تعلیمات دی گئی ہیں، ان سب کے لحاظ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اسکا اصلی مولد سرزمین یونان ہے، اور وہاں سے یہ قصہ ساسانی ایران کی وساطت سے عرب میں منتقل ہو کر آیا ہے مصنف نے، جن دلائل کی بنا پر عام متشرعین کے اس خیال سے کہ کلید دمنہ کا ماخذ سنسکرت کا پانچ تتر ہے، اختلاف کیا ہے، قابل دید ہیں،

مصنف ساری کتاب میں جا بجا اسی قسم کے محبتانہ خیالات ظاہر کرتا ہے، اور اپنے فطریات میں منفرد معلوم ہوتا ہے، لیکن انکی بنیاد ہمیشہ دلائل قوی پر اور مشہور ادب و معلومات کا مادہ پر رکھی ہے، جو اول بار منظر عام پر لائے گئے ہیں، مشہور و نامور ادیب جاحظ بصری، ابو اسکے بعض خطبات کی مصنف نے جس انداز سے داد دی ہے، اسے دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ ہندوستان کے شائقین علم کم از کم ان خطبات کے انگریزی تراجم کے نا دیدہ مشتاق بن جائیں، جاحظ کے سلسلہ میں اسکی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے، کہ اس نے اپنی زندگی میں اکثر اپنی تعلیمات عالیہ کو بجائے اپنے، کسی قدیم و مسلم البتہ فاضل کے نام کر دیا تھا، تاکہ جو لوگ حکمت

ادب، فضل و کمال کو صرف قدما و اساتذہ مسلم کے ساتھ مخصوص نہ تھے، ہن، ان میں انہیں مقبولیت حاصل ہو سکے،

کتاب، زمانہ و سلی کے تمدن کے مطالعہ کے لیے ناگزیر سی ہے، اور بعد تکمیل یقیناً ہکل دیکی کی تصانیف کے ہم پلہ رکھی جاسکے گی، جنہوں نے تقریباً اسی زمانہ کے عیسائی تمدن کی تاریخ مرتب کی ہیں،

دار الفنون مشرقیہ (لندن) کے پنجبالہ کارنامے

لندن کے دار الفنون مشرقیہ (اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز) میں خواندگی کا کام اگرچہ نومبر ۱۸۵۰ء سے شروع ہو گیا تھا، تاہم اسکا مضابطہ افتتاح ملک معظم کے ہاتھ سے ۲۳ فروری ۱۸۵۱ء کو ہوا، مشرقی زبانوں کی تحصیل کو انگلستان میں جو کچھ بھی مقبولیت ہو رہی ہے، وہ اسی مدرسہ کے باعث سے، لندن یونیورسٹی میں عربی و فارسی زبانیں نصاب درس میں سالہا سال سے داخل ہیں، لیکن طلبہ کی توجہ انکی جانب شاذ و نادر ہی رہی ہے، بہ خلاف اسکے اس جدید دار الفنون میں بہ کثرت طلبہ یہ زبانیں لینے لگے ہیں،

اب تک ۱۵۰۰ طلبہ اس اسکول سے فارغ ہو کر نکل چکے ہیں، ۱۸۵۹ء طلبہ زیر تعلیم تھے اس جماعت میں ہر طبقہ، ہر مذاق، اور ہر پیشہ کے افراد شامل ہیں، افران فوج، احمدہ داران بحری، حکام ملکی، اہل تجارت، اگرچہ حیث طلبہ، و قیس علیٰ ہذا، شروع شروع اسکا نصاب زیادہ تر علمی مضامین یعنی گفتگو میں سہولت پیدا کرانے سے متعلق رہا، لیکن اب رفتہ رفتہ اسے علم و فن کا بھی مرکز بنایا جا رہا ہے، اور کوشش یہ ہے کہ کچھ عرصہ میں اسکا مشرقی کتب خانہ یورپ بھر میں بہترین ہو جائے، تعلیم کا طریقہ عموماً یہ ہے، کہ ہر مشرقی زبان کے لیے دو اساتذہ ہوتے ہیں ایک یورپین اور ایک ایسا شخص جس کی دو ماہی درسی زبان ہے، یورپین استاد مغربی طلبہ کی مشکلات کو پوری طرح

کچھ سکتا ہے، اور وہی انہیں اس زبان کی سرشت، ترکیب، و اصولی قواعد، بھاتا ہے، اور دوسری زبانوں سے اسکا موازنہ کرتا رہتا ہے۔ دوسرا استاد تلفظ اور زبان کے روزمرہ کی تعلیم دیتا ہے، نصاب میں صرف زبانیں ہی داخل نہیں، بلکہ مختلف اقوام عالم کی تاریخ، ادب، مذہب، معاشرت وغیرہ سے متعلق معلومات بھی شامل ہیں۔ چنانچہ اب تک متعدد کچھ اسلام، ہندو مذہب، و بودھ مذہب پر، نیز مختلف قبائل کی تاریخ و معاشرت وغیرہ پر دیے جا چکے ہیں، نصاب السنہ و علوم بالا کہ اسوقت، ہ مضامین کی تعلیم ہوئی ہے، جن میں سے قابل ذکر عنوانات یہ ہیں،

۱۔ عربی، عبرانی، آرمینی، آسامی، بنگالی، پنجابی، گجراتی، مرہٹی، فارسی، اردو، ہندی، تامل، ٹیلیگو، کنڑی، تبتی، گورکھی، سنسکرت، سنگھالی، پالی، ڈراوڑی، جاپانی، چینی، ملائی، ترکی، کشمیری زبانیں،

۲۔ تاریخ۔

۳۔ قانون ہند۔

۴۔ اصول لسانیات و تلفظ،

اب تک چھ کچھ قدر اس مدرسہ کے زیر اہتمام ہو چکے ہیں، انکی تعداد صد ہا تک پہنچ چکی ہے، ذیل میں ایک مختصر اقتباس بعض عنوانات کا مع لیکچر دینے والے محکمہ کے اساتذہ کے درج کیا جاتا ہے، جس سے دارالفنون کے وسیع دائرہ نظر کا اندازہ ہو سیکے گا،

(الف) شعبہ متفرق :-

(۱) مذاہب ہندو چین، دونوں کا موازنہ ڈاکٹر ڈیوڈس

(۲) مرتبہ بودھ تک پہنچنے کا طریقہ پروفیسر پیرسن

ڈاکٹر بارت	(۳) ہندوستان کا ہندو تمدن
مستر کیمبل ٹامسن	(۴) عراق عرب
مستر لارنس بنیون	(۵) ایشیا کے فنون لطیفہ
	(ب) شعبہ ہند
ڈاکٹر بارت	(۱) ہندوستان قدیم
مستر عبداللہ یوسف علی	(۲) ٹیکسیر کے درمے ہندوستانی اسٹیج پر
"	(۳) ہندوستانی زبان کی اہمیت
ڈاکٹر اینڈرسن	(۴) بنگالی زبان کے ناول
مستر اس۔ جی۔ کانیر	(۵) راماین
مستر ڈینین واس	(۶) گجرات عہد اکبری میں
	(ج) شعبہ مشرق بعیدہ
مستر بلچن	(۱) ملایا
مس ہڈا بادسر	(۲) کوریا کے بدھ معابد
ڈاکٹر ریس	(۳) چینی ناول
مستر مجیم	(۴) چینی فلسفہ
مستر میک گورن	(۵) جاپانی شاخ بدھ ازم کے اصول فلسفیانہ
مستر بوت	(۶) کوریا کی فراموش شدہ سلطنت
	(د) شعبہ مشرق قریبہ
پروفیسر سر ڈیوڈ آرنلڈ	(۱) عربی زبان کی تحصیل

- (۲) عربی بہ طور مذہبی زبان کے
 (۳) ترکی لٹریچر
 (۴) مساجد قاہرہ
 (۵) اسلام اور اخلاق بین الاقوامی
 (۶) مذہب بہائی
 (۷) شعبہ متعلق بہ افریقہ
 (۱) جغرافیہ و تاریخ افریقہ مشرقی
 (۲) افریقہ قبل منسلک
 (۳) معراج پیمبر کے متعلق ایک سواملی نظم
 (۴) مشرقی افریقہ میں اسلامی ادب و روایات
 (۵) ساحل سواملی
 (۶) جانور بائین
 دار الفنون کے افسر اعلیٰ سر ڈینیسن داس ہین، جو دس سال کی مدت تک مدرسہ عالیہ
 کلکتہ کے صدر رہ چکے ہین، اور دار الفنون کو اب تک جتنی کامیابیاں ہوئی ہین، ان میں ایک
 بڑی حد تک انہیں کی سرگرمیوں کو دخل ہے،
 (ایشیاٹک ریویو)

اخبارِ علمیت

جاپان میں ایک روزنامہ کی اشاعت، لاکھ روزانہ کی ہے، چین کے کسی اخبار کی ۹۰ ہزار سے زائد نہیں۔ ہندوستان کے بھی سب سے زیادہ کثیر الاشاعت پرچون کی، خواہ وہ انگریزوں کے ہاں میں ہوں یا ہندوستان، خریداروں کی تعداد ۵۰ ہزار کے اندر ہی ہے، (ماڈرن ریویو)

جاپان میں چین کے مخصوص ماہوار رسائل کی تعداد چھ اور عورتوں کے مخصوص ماہوار رسائل کی تعداد گیارہ ہے، اور یہ سب کے سب کثیر الاشاعت ہیں، (ایضاً)

ماہ جون میں رائل ایشیائیٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن کا جو سالانہ جلسہ منعقد ہوا، اس میں لارڈ رے متوئی کی جگہ پر لارڈ شامز کا انتخاب عہدہ صدارت پر عمل میں آیا، اور پیرس کی سوسائٹی ایشیائیٹک کی جو صد سالہ سالگرہ ماہ جولائی کے دوسرے ہفتہ میں منائی گئی ہوگی، اس میں شرکت کے لیے چھ نمایندہ دن کا انتخاب ہوا، لندن کی رائل ایشیائیٹک سوسائٹی کی عمر اپنے فرخِ معاصر سے صرف ایک سال کم ہے، ایسے آئندہ سال اسکی بھی صد سالہ سالگرہ منائی جائیگی، ایک کمیٹی کے زیرِ اہدات جکے صدر پروفیسر مارگریس ہیں، دو سو مفویٰ ایک مختصر کتاب اسوقت مرتب ہو رہی ہے، جبین سوسائٹی مذکور کی اجمالی تاریخ کے علاوہ اب تک جتنے مضامین و مقالات اسکے جرائد و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں، انکے عنوانات اور مضمون نگاروں کی فہرست درج ہوگی، اس وقت سوسائٹی کی جانب سے مفصلہ ذیل تین کتابوں کے مترجم ایڈیشن مع اضافہ حواشی، مقدمہ وغیرہ کے

عنقریب شائع ہونے والے ہیں،

الاسالیر

ڈاکٹر کا سٹر

ہشت بہشت

پروفیسر مارگولیس

نشر المحامرو

ڈائیس لٹری پبلیمنٹ

سین فرانسکو (امریکہ) کے ایک ڈاکٹر ابرٹ (برگس) نے دعویٰ کیا ہے، کہ انھوں نے ایک طریقہ ایسا دریافت کیا ہے، جس سے وہ کسی شخص کا محض خط دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ وہ مرد ہے یا عورت نیز یہ کہ اس کا سن کیا ہے، اور اسے مرض کیا ہے، لیور بول (انگلستان) کے مشہور ماہر فن سرجس بار نے بھی رسالہ برٹش میڈیکل جرنل میں ایک مراسلہ کے ذریعہ سے، اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر اس دعویٰ کی تائید کی ہے،

(ڈبلیو میل)

مشر آدھر بچ، جگہ معنائیں مسائلِ نفسیات پر اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں، ایک تازہ مضمون میں تحریر کرتے ہیں، کہ خواب دیکھنے میں عموماً بہت ہی قلیل وقت لگتا ہے، اور اتنی مدت میں آدمی بہت کچھ دیکھ ڈالتا ہے، یہاں تک کہ ایسے واقعات بھی جن کا ارتکاب اگر بہ حالت بیداری کیا جائے، تو سالہا سال کی مدت درکار ہوگی۔ میں ایک بار سو رہا تھا کہ بڑی بچی میں نوجوانا شریع ہوئے پہلی آواز سے میں جاگا، مگر معاسو گیا، اور ایک بڑا طویل خواب دیکھا، مگر جو نہی یہ خواب ختم ہوا، نوجبے کی آخری آواز گھڑی سے آرہی تھی، ایک فریخ فلسفی نے، جو خوابوں کے متعلق تجربات کرتا رہتا تھا، ایک بار یہ خواب دیکھا، کہ پیرس میں اس نے ایک قتل کیا، بھاگ کر لندن پہنچا، پھر

جہاز پر سوار ہوا، طویل بحری مسافت طے کر کے نیویارک (امریکہ) پہنچا، پولیس کو دیکھ کر بھاگا، شہر چکا گوین جا کر چھپا، پولیس نے یہاں بھی سراغ لگا لیا، یہاں سے بھاگ کر سین فرانسکو میں دم لیا، پھر اسباب میں چھپ کر جاپان پہنچا، یہاں گرفتار ہوا، شہر یو کو ہا میں مقدمہ ہوا، سزا موت کا حکم سنا، تب آنکھ کھلی، اور اس ساری مدت میں صرف چند سکند طرف ہوئے۔ (ڈیلی میل)

۱۰ گزشتہ مین علما فکلیات، سیارہ مرتخ کے مشاہدہ و مطالعہ میں خاص طور پر مصروف رہے، اس لیے کہ اس طرف کچھ عرصہ سے یہ سیارہ کرہ ارض کی طرف نہایت سرعت سے یعنی کوئی دس لاکھ میل فی یوم کی شرح رفتار سے بڑھتا آ رہا تھا، اور ۱۰ جون کو بت ہی قریب آ گیا تھا، اگرچہ اس وقت بھی اسکا فاصلہ ہم سے بہ قدر چار کروڑ ڈھائی لاکھ میل کے باقی رہ گیا تھا، اسکا رنگ ہمیشہ سے سُرخ و آتشین رہا ہے، اس وقت اسکی سُرخ و آتش رنگی اور بڑی ہوئی ہے، یورپ اور امریکہ کے رصدخانوں میں بیسیوں علما رفرن نے اس کے مشاہدہ و معائنہ سے متعلق خاص اہتمامات کئے تھے، اُمید ہے کہ اسکی سطح پر حیات حیوانی کے وجود کا مسئلہ، نفعاً یا اثباتاً کسی نہ کسی پہلو سے اس وقت منور ہوگا اور دنیا،

مرتخ و ارض کی درمیانی مسافت، جو کبھی بھی اقل ترین مقدار تک پہنچ سکتی ہے اس کی تاریخ وقوع ۲۲ اگست ۱۹۲۴ء ہوگی۔ اس وقت مرتخ کرہ ارض سے اس قدر قریب ہو جائیگا کہ اس سے زیادہ قربت کا کبھی بھی امکان نہیں، بالائیکہ اس وقت بھی یہ فاصلہ ۳ کروڑ $\frac{1}{10}$ لاکھ میل کا رہیگا۔

ہاتھی کا واسطہ عمر و سال سے زائد ہے۔ اپنے پورے شباب پر چالیس برس کے بعد پہنچتا ہے باوجود اس قدر جہیم اور بھاری بھر کم ہونے کے اسکی شرح رفتار ۱۵ میل فی گھنٹہ ہو سکتی ہے، اور

دس میل فی گھنٹہ کی شرح سے تو در تک دوڑ سکتا ہے، فاروون نے تجویز کیا تھا، کہ اگر سلسلہ تو الہ و تناسل میں کوئی خارجی مداخلت نہ کی گئی، تو ساڑھے سات سو برس کے عرصہ میں صرف ایک جوڑے سے سطح زمین پر ایک کروڑ نوے لاکھ ہاتھی موجود ہو سکیں گے،

امریکن فلورسافیکل سوسائٹی کے تازہ اجلاس کے سامنے زمین کی عمر کا مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ پیش ہوا، اور مختلف علماء کی جانب سے سرگرم مباحثہ رہا۔ کسی ایک نتیجہ پر سب کا اتفاق نہ ہو سکا تاہم جو نتائج قابل وقت سمجھے گئے، اُن کے لحاظ سے زمین کی مدت عمر درمیان و و سال اور و و سال کی ہے،

یونیورسٹی آف کالیفرنیا (امریکہ) کے صیغہ تعلیمات کے ایک افسر نے حال میں ایک عجیب اور ”بوسہ پیا“ کے نام سے ایجاد کیا ہے، جس کے ذریعہ سے بوسہ کی پیمائش ہو سکے گی یعنی جس جوش، شوق، و گرج و جوشی کے ساتھ بوسہ لیا گیا ہے، اُسکی کمیت و مقدار کا اندازہ ہو سکیگا۔

کوہ ایورسٹ کی پیمائش و تحقیقات متعلقہ کے لیے جو سائنسنگ و خد آیا ہوا ہے، اُسکے کام کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے باہر دنیا کا جو بلند ترین قلعہ کوہ ہے، اُسکی بلندی بھی ۲۳۰۰۰ فٹ سے زائد نہیں۔ برخلاف اسکے سلسلہ کوہستان ہمالہ میں انشی سے زائد چوٹیاں ایسی ہیں، جنکی بلندی ۲۴۰۰۰ فٹ سے اوپر ہے، نیز ایسی ہیں، جو ۲۶۰۰۰ فٹ سے اوپر ہیں، چھ ایسی ہیں جو ۲۷۰۰۰ فٹ سے اوپر ہیں، اور خود ایورسٹ کی بلندی ۲۹۱۰۴ فٹ کی ہے،

ایک فریج کشف مسیوین نے ایک آر ایسا ایجاد کیا ہے، جس سے فونو گرافون کو بذریعہ
تار، ٹیلیفون، اور لاسکی کے سجدینا ممکن ہوگا، جرائم پیشہ ملعون میں ایک دہشت پھیل گئی ہے،
کہ اب چھینا دشوار ہو جائیگا،

برلن (جرمنی) میں چند روز ہوئے پرشین اسٹٹ لائبریری کے زیر اہتمام آوازوں کا
عجائب خانہ قائم ہوا ہے، جس میں ہر ملک و قوم کے مشاہیر زمانہ کی آوازیں گرافون کے ریکارڈوں
میں بھر کر محفوظ رکھی جائیں گی، اسکے ڈائریکٹر پروفیسر ولیم ڈوگر کا دعویٰ ہے کہ حال میں بعض ایسے
کیاوی ٹریکبات تیار ہو گئے ہیں، جو ان ریکارڈوں کو کم از کم دس ہزار سال تک محفوظ رکھیں گے،
اس عجائب خانہ کا دروازہ اگرچہ تمام مالک و اقوام کے مشاہیر کے لیے کھلا ہوا ہے، لیکن عملاً
اب تک صرف ایک ہی غیر جرمن کی آواز اس خزانہ میں داخل کی گئی ہے، اور وہ ہمارا ہی ہٹلر
راہنڈر ناتھ ٹیگور ہے،

مسٹر والٹر الونس، جو انگلستان کے ایک گنہ مشق صحافی تھے، ۲۸ برس کی مستقل شہریت
کے بعد حال میں پبلک زندگی سے سبکدوش ہو کر پینشن پر چلے گئے ہیں، روزنامہ ایوننگ نیوز کے
مدتوں وہ چیف ایڈیٹر رہے، اور ایسوشی ایٹڈ نیوز پیرس کمپنی کے ڈائریکٹر رہے، جسکی ملکیت بین
ڈوبلی میل، ایوننگ نیوز، ویکلی پیسینج، وغیرہ نکلتے ہیں۔ انکی الوداعی صیافت کے موقع پر ان تمام
اخبارات کے انتظامی و ادارتی صیغوں کے اعلیٰ عہدہ داروں نے شرکت کی، اور لارڈ ناتھ
کلف، جلسہ کے صدر قرار پائے، لارڈ موصوف نے اپنی طرف سے ایک طلائی گھڑی کا تحفہ پیش
سرا بڈورڈ کیرڈ نے اخبار ایوننگ نیوز کی جانب سے ۱۰ ہزار پونڈ ۱۱ لاکھ روپیہ کی مستقل بخشش

رقم پیش کی، اور کمپنی کے دائرہ کثردن نے دس سال کے لیے ڈھائی ہزار پونڈ سالانہ پیش کی منظوری دی۔ اور اسکے بعد بھی انکی زندگی تک ایک ہزار پونڈ سالانہ کی پیش منگی رہے گی،

اُتو عام طور پر بہت عظیم و بے ضرر پرندہ سمجھا جاتا ہے، جس سے بجز منگویت کے، اور کسی قسم کا خطرہ نہیں، لیکن کچھ روز ہوئے، جب برطانیہ کے شہر گلوستر میں ایک لاشٹکار نے درخت پر چڑھ کر اسکے انڈے نکالنا چاہے، تو اُتو اور اُن دن وادہ نے ملکر اس سختی سے حملہ کیا، کہ بیچارے کی ایک آنکھ باہر نکل پڑی، اور دوسری بھی پھوٹے پھوٹے بچ گئی،

مفصل و ضخیم تاریخ ہند جو کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے نام سے کیمبرج یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہونے والی تھی، اور جسکا ذکر معارف میں پیشتر آچکا ہے، اسکی جلد اول ماہ گذشتہ میں شائع ہو گئی۔ کتاب ۳۱۔ ابواب پر مشتمل ہے، اور اسکی تحریر میں متعدد انگریز و امریکی ماہرین فن شریک ہیں، ترتیب و ادارت کے عام فرائض پر و فی سر ریچن نے انجام دیے ہیں، نقشہ بہ کثرت دیے گئے ہیں۔ اور مختلف سیکٹوں کے عکس خاص طور پر قابل قدر ہیں۔ یہ سکھ، یونان، باختر، وغیرہ کے اُن قدیم فرما زو اُن کے ہیں، جو شروع شروع ہندوستان پر حاکم رہے تھے، اس جلد کا اہلی بحث تہذیب ہند پر قدیم بیرونی اثرات دیونانی، ایرانی، وغیرہ کے حدود کو دکھانا ہے، بودھ مذہب پر بھی ایک عالمانہ و مبسوط مضمون موجود ہے، اس تاریخ ہند کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ اہل ہند کے قلم کی ایک سطر بھی اس میں شامل نہیں،

احتیسا

سایر متی جیل کے قیدی کی زبان سے

جنون نے دل سے جس بھی مٹادی کرے جو امتیازِ رنج و شادی
نیاجب اوسنے کوئی شر اٹھایا میری ایذا پسندی نے دعا دی
شبِ معراجِ مردانِ خدا ہے بقول شیخ، ”رودِ زنا مرادی“
مجازی عشق بھی اک شے ہے لیکن ہم اس نعمت کے منکر ہیں زعا دی
کسی تھی جانِ نثاری کی جو حسرت

وہ بارے کر کے بھی ہم نے دکھا دی

ایک گوشہ نشین صوفی شاعر مولوی قربان احمد صدیقی کے شعر حقایق

یہ اضطراب ہے اک ذاتِ بے نشان کیلئے چلا ہے دل میرا تسخیرِ لامکان کے لیے
زمین بھی پست ہوئی آسمان بھی پکڑا یا یہ مشت خاک ہی موزون تھا امتحان کے لیے
نہ انتہا مری قدرت کی ہے نہ عجز کی حد عجیب نکتہ لا حل ہوں نکتہ دان کے لیے
نہو جو دردِ درون بے اثر ہے قولِ فصیح دل آشنا ہو تو جو ہر بنے زبان کے لیے
وجود ہی نہو جس کا پھر اُس کا پچھڑا کیا عدم کا خوف ہوا کہ خطِ انسِ جان کے لیے
نظرِ فریب سہی انتظامِ کون و فساد ہے بند و بست کسی مقصدِ نہان کے لیے

نہیں جو اہل یقین ہے اسیرِ شکِ قربان

سکون کا لطف کمانِ قلبِ بدگمان کے لیے

بَابُ التَّحْقِيقِ فِي رُؤْيَا

دیوان فانی

از

مولانا عبدالسلام ندوی

چند روز سے ہمارے اخبارات کا یہ عام شعار ہو گیا ہے کہ وہ شعر و سخن سے اپنے کانوں کی ابتدا کرتے ہیں، اور رسائل کے اخیر میں ایک باب ادبیات، یا نقد سخن وغیرہ کے عنوان سے تمام کیا جاتا ہے، جس کے تحت میں متعدد شعرا کی غزلیں درج کی جاتی ہیں، اب یہ طریقہ نہایت عام ہو گیا ہے، اور اس ذریعہ سے متعدد شعرا نے جھوٹی سچی شہرت بھی حاصل کر لی ہے، لیکن ان لوگوں میں مولوی شوکت علی خان فانی کو جو غرض فانی شہرت حاصل ہوئی ہے، وہ ایک خاص صداقت آمیز امتیاز رکھتی ہے،

اخبارات و رسائل کی اس موجودہ روش نے بہت سے لوگوں کو شاعر بنا دیا ہے اور یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ شاعری کا جو چراغ سرسید اور اسکے ہمسفرین کے دم آتشیں سے بجھ چلا تھا، سیاسیات کے ان تیز و تند جھوٹوں میں اور بھی روشن ہوتا جاتا ہے، لیکن مولوی شوکت علی صاحب فانی ابر بہار کے ان چیمینیوں کی پیداوار نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے اپنی تسلیم و تربیت کے ابتدائی زمانہ سے روح استاد کے ساتھ صحیفہ شاعری کو بھی سانسے رکھا، اور بجائے کسی استاد کے خود انکی صبح خدا داد ہی اس میدان میں انکی راہبری کرتی رہی، چنانچہ انھوں نے

۱۹۰۱ء میں سب سے پہلی غزل موزون کی، اور ۱۹۰۲ء تک پہلا دیوان مکمل کر لیا، اور ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۴ء میں شکیبہ اور طعن کے بعض ڈراموں کو ہندوستانی لباس پہنایا، لیکن ان سب کا خشر وہی ہوا جو اکثر مشہور شعرا رانا کو ارنہ ہو تو کم از کم لا ابالی مزاج شاعروں کے کلام کا ہوا کرتا ہے۔ یعنی یہ دیوان اور یہ ڈرامے ضائع گئے، اور مولنا فانی کو اسکا استقدر قلع ہوا کہ وہ ایک مدت دراز کے لیے خاموش ہو گئے، شاید اس رنج و غم کی حالت میں اوکو عربی کا یہ شعر یاد نہ تھا، جسکو اس نے اسی موقع پر کہا تھا،

گفتہ گر شد ز کم شکر کہ ناگفتہ بجا است از دو صد گنج یکے مشت گھر با خستہ ام

لیکن با اینہم پرانا چکارہ رہ کر طبع موزون میں چکیاں لیتا تھا اور تخیلات کا ہجان کبھی کبھی پھوٹ نکلنے پر آمادہ ہوتا رہتا تھا، جسکا نتیجہ ہوا کہ اوخون نے ۱۹۰۵ء سے از سر نو ترنم ریزی کی اور یہی نغمہ سرائی ہے جس نے اسوقت دنیاے شاعری میں اوکو بہت کچھ شہرت دی ہے،

اس جدید شق کے یہی نتائج فکر یہ یا عربی انشا پر دازون کی زبان میں جناب فانی کی کہی "بنت الافکار" یا "بنت الشفق" ہیں جنکو دفتر سالہ نقیب نے ایک جبری امرائے ساتھ شائع کر دیا ہے، اور ترقی فکر کے منازل و مدارج کے دکھانے کے لیے ساتھ ساتھ

قدیم غزلین | چند قدیم غزلوں کا انتخاب بھی اس احتیاط کے ساتھ درج کر دیا ہے کہ مجموعہ قدیم میں سے پانچ فیصدی سے زائد اشعار نہیں آنے پائے ہیں، لیکن اگر وہ یہ احتیاط نہ کرتا تو منازل سلوک کے تمام صوی و معالم اور یہی زیادہ روشن ہوجاتے اور ہم زہدان خشک کے ہاتھ میں پورا سمجھ صد دانہ نظر آتا، ورنہ غزلیات قدیم کا جو انتخاب پیش کیا گیا ہے، اون میں بعض غزلین جدید غزلوں سے کچھ بہت زیادہ مختلف نظر نہیں آتیں، مثلاً،

نہیں منظور تپ ہجر کا رسوا ہونا تیرے پیار کا اچھا نہیں اچھا ہونا
 ناصحا و صحت کا شانہ جنون خیز نہیں در نہ کیا فرض ہے آوارہ صحرا ہونا
 نگہ ناز کو آسان دم خنجر بننا لب جان بخش کو دشوار مسیحا ہونا
 ہائے باتون میں تری نفوش متاؤناز ہائے آنکھوں میں تری نشہ صہا ہونا
 ہمہ تن داغ غم عشق بتان ہونانی دل سے بھاتا ہے جھوٹش سویدا ہونا
 با اینہمہ قدیم و جدید کلام میں ایک نمایان ماہ الامتیاز قائم ہے، یعنی قدیم غزلوں کے
 بہت سے اشعار خاص لکھنؤ کے رنگ میں ہیں، مثلاً
 لائے پر چمک پڑی ہے گل یاسین کی شاخ یادست نازنین میں ہے ساغر شراب کا

زمانِ رخصت طفلی ہے لوشاب آیا سوا پھر رخ روشن کا آفتاب آیا
 وہ آئے گور غریبان میں جی اوٹھے مردے جلو میں فتنہ محشر بھی ہمرکاب آیا
 بہت سی پرانی ترکیبیں بھی بطور یادگار کے اوٹکے قدیم کلام میں محفوظ رہ گئی ہیں
 مثلاً

جلوہ رخ آفتابِ حشر سے کچھ کم نہیں شورِ محشر ہے تری اوٹھتی جونی کا جواب
 میں تم سے کیا کہوں نہ نائے خدا میں ہو نائیدنی مری جان ماجلے عشق
 نگہ ناز کو گھونگھٹ ہی کے اندر رکھے گھر میں رہتے نہیں جب پاؤں کل جاتے ہیں
 لیکن جب ہم اس ”مال“ کو چھوڑ کر ”مقام“ تک اور اس ”عالمِ توین“ سے نکل کر ”عالمِ تکین“
 تک پہنچتے ہیں تو ہم پر اوٹکے جدید کلام کی خصوصیات کا فیضان ہوتا ہے، جو اگر الفاظ و عبارت
 میں آسکتی ہیں تو حسب ذیل ہیں،

جدید ترکیبیں جو لوگ جدید رنگ میں کہتے ہیں ان کے کلام میں لازمی طور پر فارسی زبان کی بہت سی جدید ترکیبیں پائی جاتی ہیں، جو صرف ایسے جدید کمی جاسکتی ہیں کہ اہل لکھنؤ نے ٹھٹھہ اردو کی پیروی میں ان کو ترک کر دیا تھا، ورنہ درحقیقت ان کے موجود اہل دہلی ہیں، اور اہل دہلی میں بھی یہ ترکیبیں مومن اور غالب ہی تک محدود نہیں ہیں، بلکہ قدا، مثلاً میرا سودا، اور قائم وغیرہ کے کلام میں بھی بہ کثرت پائی جاتی ہیں، البتہ غالب و مومن نے ان میں اور بھی جدت طرازیان کی ہیں، اسی لیے جو لوگ ان ترکیبوں کو استعمال کرتے ہیں، وہ اپنے آپ کو غالب و مومن کا پیرو سمجھتے ہیں، موجودہ زمانے میں، حسرت، وحشت، اور عزیز لکھنوی نے ان کو نہایت کثرت سے استعمال کیا ہے، اور عزیز نے تو موجودہ رسائل و اخبارات تک کی بہت سی ترکیبوں کے استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا ہے، مثلاً جذبات، سوانح عمری، اور سیاح وغیرہ، فانی کے کلام میں بھی یہ ترکیبیں معتدل مقدار میں موجود ہیں، مثلاً

بے اہل کام نہ اپنا کسی عنوان کلا	دم تو نکلا مگر آزر دہ احسان نکلا
شوق بیتاب کا انجام تھیر پایا	دل سمجھتے تھے جسے دیدہ حیران نکلا
گریہ آتشیں کی داد دے شب غم نکون و	خود سر شام کیا بھی شمع نے دل بجھادیا
گذر گیا انتظار حد سے یہ وعدہ ناتمام کب تک	نہ مرنے دگی مجھے شکر تری تناسف نام کب تک
وہ جام کفر پرور بھر دے کہ مست کر دے	مستوں کے دل میں ساقی ایمان رہ نہ جائے
مائل پر واز ہے مقتل میں خون گیم دل	آتش سیال تھا اب شعلہ با لیدہ ہے
سر تصور جلوہ صورت کا کفر انگیز ہے	فاک دل اللہ اکبر کیا ہی کا فر خیز ہے
ہوش کا سراپہ وحشت کے سوا ممکن نہیں	عالم اک مجموعہ ذرات صحرا بیخبر ہے
اشک اک اک کر کے سب آوارہ و امن تھے	رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشان اضطراب

فانی کی ان ترکیبوں میں اگرچہ تصنع و تکلف نہیں معلوم ہوتا، یعنی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ
ادب و سخن نے مرث جدید رنگ میں کسے کے لیے زبردستی سے ان ترکیبوں کو استعمال کیا ہے تاہم
کبھی کبھی غلط ترکیبیں بھی استعمال کر گئے ہیں، مثلاً

جلوہ کیا دیکھے کوئی قدرت کسے فرصت کمان یاں نقاب جلوہ خود حسنِ تماشایہ نہر ہے
”تماشا رنجش“ فارسی کا محاورہ نہیں ہے، اس لیے ”تماشایہ“ کا اشتقاق صحیح نہیں ہے، البتہ
یہ ایک عمدہ امتعارہ ہو سکتا ہے، لیکن ذیل کے شعر میں۔

روح کا آنسوؤں بھری آنکھوں میں پاتر آب ہے اگر حیاتِ مستعار نقشِ بروے آب ہے
”پاتر آب“ کی ترکیب نہایت بدہلہ اور اسکی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی،
جدید استعارے | اسی سلسلے میں فانی کے جدید استعارات و تشبیہات بھی خاص طور پر قابل

محافظ ہیں، مثلاً

نہ آقرب کہ پروردہ فنا ہوں میں بنا ہے برق کے تکلون سے آشیان اپنا
بس، ایک جان سوز کے اثر تک ہیں، یہ غارِ برق، قضا، دام، آسمان میعاد
ہوں، مگر کیا؟ یہ کچھ نہیں معلوم میری ہستی ہے غیب کی آواز
دہیان تیرا بہشتِ شوق سہی دل عاشق ہے ایک دوزخِ راز
میری نگاہ شوق نے پایا ہے یہ لقب دربانِ آستانہ دولت سراے عشق
اللہ رے کثرتِ عملِ دیکھان کہ اندون فردوس ایک پھول ہے دستِ ببارین
بعض استعارے بظاہر استعارہ نہیں معلوم ہوتے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں

استعارات کی مخصوص جدت پائی جاتی ہے، مثلاً،

اب آکھ او شستی ہے وہ جنبش ہوئی ملکِ خشنی گان وہ چھیل چاہتے ہیں نوکِ فشر سے رگِ جان کو

”اُمّی سی شرکان“ ایک نہایت ہی جدید ترکیب، اور ایک نہایت ہی جدید استعارہ ہے، اور اسکا مشبہ بہ بلیغ و متدبیر ہو سکتی ہے، لیکن فانی نے مناسبت کلام سے ”دُنوک نشتر“ کو مشبہ بہ قرار دیا ہے،

تصوف و فلسفہ شعراے قدیم کی ایک یادگار صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین تھے جسکو اہل کلمہ کی مسائل بندی نے دوسرے سے مٹا ہی دیا، لیکن شعراے دلی میں بھی صرف محدود و چند لفظ غالب اور شیف نے زندہ رکھا، باقی مومن کا کلام اس کیفیت سے بالکل خالی نظر آتا ہے، اور ذوق کو تو دلی کا شاعر کہہ ہی نہیں سکتے، موجودہ دور کے متاز شعرا نے اگرچہ غالب کو اپنا امام بنایا ہے، تاہم انکے یہاں بھی صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین بہت کم پائے جاتے ہیں، البتہ فانی کے کلام میں تصوف اور فلسفہ کی چاشنی نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے، مثلاً

او کی ہستی سے جدا میرا وجود اللہ سے وہم	بہلا ہے عین دریا پھر بھی دامن چید ہے
مایہ اور اک مہتی ہوں تکلف بر طرف	زندگی میری دودغ مصلحت آمیز ہے
بشر میں عکس موجودات عالم ہمنے دکھا ہے	وہ دریا ہے یہ قطرہ لیکن اس قطرہ میں رہا ہے
یہ جستجو ہے کہ ہے عالم حجاز کمان	تلاشِ چشمِ حقیقت نگر نہیں ہے مجھ
بیابان کو یہاں لے آئے تھی کچھ خاک کے ذرے	یہی ذرے آؤں ایجاہنگے اک دن بیابان کو
آپ ہی اپنے آئین تو ہے	تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز
نشانِ مر ہے ہر ذرہ ظرفِ مر نہیں	خدا کمان نہ ملا اور کین خدا نہ ملا

منتخب اشعار | ان خصوصیات کے علاوہ فانی کے کلام میں تمام شاعرانہ محاسن یعنی سلاست، روانی، سادگی، صفائی، برجستگی، لطیف انخیالی، اور بچگی وغیرہ موجود ہیں، لیکن انکا علاحدہ علاحدہ نمایان کرنا لواالت سے، خالی نہیں، اسلئے ہم انکے چند منتخب اشعار اس موقع پر

درج کرتے ہیں جن سے مجموعی طور پر ان تمام غریبوں کا اندازہ ہو سکے گا،

دہلی زبان سے مرا حال چارہ ساز نہ کہہ
بس اب تو نہ میری مے زہر میں دوا نہ ملا
مری حیات ہے محروم مدعاے حیات
دہر گہذر ہوں جسے کوئی نقش پا نہ ملا
دے ترا حسن تغافل جسے جو چاہے فریب
ور نہ تو اور جفاؤں پہ پیشیاں ہونا
بسکری ہے ترے عشق سے سبکدوشی
بلائے جان ہے وہ دل جو بلائے جان نہوا
اجل کے زیر اثر ہو وہ نقش ہستی کیا
ہوا کہ برق کے سلئے میں آشیان نہوا
جب ترا ذکر آگیا ہم دنعہ چپ ہو گئے
وہ چھپا یا راز دل ہم نے کافشا کر دیا
کب کہہ گیا تھا آنے کو کیا وقت ہو گیا
اللہ نامہ بر بھی گیا وقت ہو گیا
دل کچھ نہ تھا تھا رہی نظر نے بنا دیا
دنیا سے درد عالم حسرت، جہان دلغ
دیکھتے ہیں تمہیں جاتے ہوے اور جیتے ہیں
زمین گورنری زبان پہ اک جگہ نہ ٹھہر
گو ایک ہی فتنہ ہے قامت بھی قیامت بھی
چلے بھی آؤ کہ دنیا سے جا رہا ہے کوئی
خدا نے زہر کی تاثیر بخشدی فانی
یاد آ جاتے ہیں جب وہ اگلی صحبت کے منے
صبح ہوتے ہی بھلا دے کوئی یارب کس طرح
ایک غم، سوراختیں، اک عشق سو کیفیتیں
رابط حسن و عشق سے واقف نہ تھے تو جین تھا
اون سے دم و راہ کیا جاتی رہی جاتے رہے

تم بھی قابو میں نہیں، موت بھی قابو میں نہیں
یہیں کہیں نگہ شرمسار مسم بھی ہیں
کم ہو تو قیامت سے بڑھ جائے تو قامت ہے
سنہ کر پھر نہ سونگے تم التجا میری
ترس گئی تھی اثر کو بہت دوا میری
نوٹا ہے دل مراد و زخ میں جنت کے فرے
رات بھر باہم وہ شکوہوں کے نکایت کے فرے
یاس کی لذت جدا کچھ اور حسرت کے منے
واقفیت میں کہاں ناواقفیت کے منے
خط کتابت کے منہ صاحب سلامت کے منے

ہلاکِ تلخی تاخیر شکوہ ہوں فانی شکایتِ گلہ بے اثر نہیں ہر لمحے
 آمادہ فریادِ رسی ہے وہ سنگر فریاد کہ اب طاقتِ فریاد نہیں ہے
 تعمیرِ رشیان کی ہوس کا ہے نامِ برق جب ہم نے کسے شاخِ چنی شاخِ جل گئی
 اب جفا ہے نہ وفا، یاد و ناپاقتی ہے تھی جہاں شمع و بانِ خاک ہے پروانہ کی
 نہیں ضرور کہ مرجائیں جانِ نثار ترے یہی ہے موت کہ جینا حرام ہو جائے
 کیا ہے غلق مجھے باوجودِ علمِ گناہ یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے
 اغلاط و مسامحات | اغلاط اور مسامحات کے معاملے میں، میں متشدد نہیں ہوں، اگر کوئی شخص
 متحرک لفظ کو ساکن اور ساکن کو متحرک کر کے استعمال کرتا ہے تو میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں
 کرتا، اگر کوئی شخص کسور کو مفتوح اور مفتوح کو کسور بنا دیتا ہے تو میں اس پر بھی گرفت نہیں کرتا
 بلکہ اگر کوئی شخص مذکور کو مونث اور مونث کو مذکور دیتا ہے تو میں اسکو بھی کوئی اہم چیز نہیں
 قرار دیتا، لیکن اگر کوئی شخص کسی ایسی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے جس سے محاسنِ شاعری پر حرف
 آتا ہے جس سے محاورہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور جس سے شعر کا توازن و تناسب
 قائم نہیں رہتا تو میں اس پر شدت کے ساتھ نکتہ چینی کرتا ہوں، اور افسوس ہے کہ فانی
 کے کلام میں مجھ کو متعدد جگہ اس قسم کی خامیاں نظر آتی ہیں، مثالیں ملاحظہ ہوں،
 ”روحِ لول کو غمِ الفت کو ظلم کہتے ہیں کن ہے اندازِ رقمِ حسن کے فلسفے کا
 ”غمِ الفت کا ظلم، نہ حقیقتِ صحیح ہے، نہ مجازاً اور استعارہ،
 ہے شانِ عبودیتِ مصروفِ عاہونا منظورِ شیت تھا ہر نالہ رسا ہونا
 ”ہر نالہ کا رسا ہونا، چاہیے،
 چارِ پنجیرِ عناصر پہ ہے زندانِ موقوف وحشتِ عشقِ ذرا سلسلہِ جنباں ہونا

غماصر کے لیے زنجیر کا استعارہ بحث طلب ہے، باہم کوئی واضح وجہ نہ بنیں،
یوں نہ کسی طرح کٹی جبے کی زندگی کی رات پھیڑ کے داستانِ غم دل نے مجھے سلا دیا
زندگی کے دن کاٹنا، محاورہ ہے، ”زندگی کی رات کاٹنا، محاورہ نہیں،
آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہوں یہ جانتا ہوں دل ادھر آیا اور دھر گیا
دوسرے مصرع میں دل کا لفظ حشو اور زائد ہے،

صیاد یوں پروں میں گرہ باندھتے ہیں کیا بے در دہند بند کسی کا جکڑا گیا
پر باندھنا صحیح ہے، لیکن پروں میں گرہ باندھنا صحیح نہیں، خود گرہ باندھنا محاورہ بھی نہیں
گرہ دینا محاورہ ہے، پروں میں گرہ دینے سے جسم کے بند بند بنیں جکڑ سکتے اور خود پروں کو
بند نہیں کہہ سکتے، کیسا لفظ بھی اس جگہ ناموزون ہے،

تہ میں جاسط سے تو قطع نظر کر کر دیکھو قطرے قطرے میں سمندر ہے نظر بیدار
قطع نظر کر کر صحیح نہیں، قطع نظر کر کے صحیح ہے، اور اگر صحیح بھی ہو تو نہایت بدنام ترکیب
وقتِ عرضِ حال دل اس فکر نے مارا مجھے کیجئے آغاز کیوں کہ داستانِ اضطراب
”داستان کا آغاز کرنا“ صحیح ہے ”داستان آغاز کرنا“ صحیح نہیں، یہ نہیں کہتے کہ فلان داستان
آغاز کی البتہ یوں کہتے ہیں کہ فلان داستان شروع کی،

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جبین چپ کی داد یہ حشر ہے یہاں تو کھلے گی زبانِ داغ
”زبانِ داغ“ نہ حقیقتہً صحیح ہے نہ استعارہً

بھاڑ کر فانی گریبانِ لحد ہم چلے دامانِ محشر کی طرف
گریبانِ لحد کا استعارہ بحث طلب ہے، اور دامانِ محشر کی طرف چلنا بھی مناسب نہیں
معلوم ہوتا، میدانِ محشر کی طرف چلنا چاہیے،

وہ آتے ہیں یہاں اے آخری دم وفا کر ہو سکے تجھ سے جہاں تک
 ”آخری دم یا نفس واپسین“؟
 گم شدگان رہ عزم کی مثال قیس ہے اک آبلہ پا اور ہم
 توازن کے لحاظ سے ”اور ایک ہم“ ہونا چاہیے،

ایک تم ہو کر تمہارے ہیں پرانے دل بھی ایک مین ہون کہ مراد دل مے قابو نہیں
 ”توازن کے لحاظ سے دوسرے مصرع میں ”مراد دل بھی“ ہونا چاہیے،

عشق صادق وہ کہ دل سے لب تک لے کیا جمال حسن کیتا وہ کسی نے جب کو دیکھا ہی نہیں
 عشق صادق کا دل سے لب تک آنا بالکل بے معنی ہے، البتہ راز عشق صادق ہوتا
 تو صبح ہوتا، پھر حسن کیتا کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اس کو کوئی دیکھ ہی نہ سکے، البتہ اس کا مثل ور
 اس کا نظیر نہیں دیکھا جاسکتا، با اینہم یہ دونوں مصرعے قابل تاویل ہیں گو واضح البیان نہیں ہیں،
 چراغ کشتہ آرا مگاہ بے نشانی ہوں مین رویاے پریشان فنا ہوں مینی فانی ہوں
 ”رویای پریشان“ کے لیے فارسی زبان کی سند متواتر درکار ہے،

شکوہ ہجر یہ سرکات کے فراتے ہیں پھر کرو گے کبھی اس منہ سے شکایت میری
 ”شکوہ کو زبان سے تعلق ہے، سر سے نہیں، نواب مرزا داغ کفدر صبح کہتے ہیں“
 سر سے پہلے وہ زبان کاٹ لیا کرتے ہیں کہ کرے جا کے خدا سے نہ شکایت میری
 یہ کہنا کہ سر کے کاٹنے سے زبان بالکل بیکار ہو جاتی ہے، منطقیان استدلال ہے، جو
 فن شاعری میں کار آمد نہیں ہو سکتا،

چھانتا ازل میں ایک تڑپتا ہوا جگر کیا بات ہے تری نگہ انتخاب کی
 ”تڑپتا ہوا جگر“ یا تڑپتا ہوا کلیجہ، کے لیے اردو زبان کی سند متواتر درکار ہے،

ایر غم وہ درخ بے حجاب کر کے مجھے کدھر گیا ہر تن اضطراب کر کے مجھے،
 مٹی بے حجاب کے لیے یہ کہنا کہ کدھر گیا، بالکل غلط ہے، اسی زمین میں صبح طور پر یہ ترکیب
 اس طرح مستعمل ہوئی ہے،

ایر پنہ، عہد شباب کر کے مجھے کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے
 مٹی بے حجاب کے لیے یوں کہنا چاہیے کہ کہاں چھپ گیا، کس چیز میں چھپ گیا،
 اے اہل گہرا، گہرائی کا تنہائی تربت سے دل یہ ابھی بھولا نہیں ہے جو شہ دشت کے منے
 وحشی تنہائی سے نہیں گھبراتا بلکہ تنہائی کو اور پسند کرتا ہے، تنگی تربت ہوتا تو صبح ہوتا
 کیونکہ دیوانے کے لیے وسعت محراب و کار ہے،

کاش میں واقف نہ ہوتا رسم و رواج عشق سے کاش تم بھوکہ عشقِ منتہی کر کیا چیز ہے
 اگر دوسرے مصرع میں ”بھوکہ“ کے بجائے ”بچھٹے“ ہوتا، تو پہلے مصرع میں ”ہوتا“ کا جو
 لفظ ہے، اس کے ساتھ توازن و تناسب قائم ہو جاتا،

اب یادگار فانی، بسل ہے مقدر گلگون ہے خاک کے پتہ قاتل جگہ جگہ
 دو دنوں مصرعے متناقض ہیں، پہلے مصرع سے ثابت ہوتا ہے کہ اب یادگار فانی کے
 نشانات خفیف کی باقی رہ گئے ہیں، لیکن دوسرے مصرع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدم قدم پر
 اس یادگار کا نشان مل سکتا ہے، کیونکہ ردیف سے بہر حال کثرت ہی کا اظہار ہوتا ہے،
 عزیزِ خاطر فطرت ہی جانِ عبرت ہے ہر ایک ذرہ جو اس عالمِ غبار میں ہے
 عالمِ غبار کے لیے فارسی زبان سے سند متواتر درکار ہے،

گریہ کے آداب کے محاسن ہیں کسکو ہائے کہ اب تابا اعتیاط نہیں ہے
 اس جگہ صرف حواس کا لفظ صبح نہیں، ہوش حواس محاورہ ہے،

غزلیات کے علاوہ چند تضمینیں، چند رباعیان، بعض اخلاقی نظمیں، اور بعض قصائد بھی شامل دیوان ہیں، لیکن ہمارے نزدیک فانی کا اصلی کارنامہ صرف غزل ہے، اسلئے ہم ان جزئیات کو نظر انداز کرتے ہیں،

دیوان کی قیمت ایک روپیہ ہے، اور نقیب پریس بدایون سے مل سکتا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ متوسط درجہ کا، اور منجاعت ۸۲ صفحے کی ہے،

سفرنامہ روم و مصر و شام

مولانا شبلی مرحوم نے ۱۲۹۳ھ عین ان ممالک کی سیاحت کی تھی، زمانہ حال کے مسلمانوں میں ممالک اسلامیہ کا یہ پہلا سفر تھا اور علماء کی صف میں دیکھا جائے تو یہ اب بھی پہلا سفر ہے، مولانا نے خالص علمی اور تعلیمی نقطہ نظر سے یہ سفر کیا تھا، اور اس نگاہ سے ان کو جو کچھ نظر آیا اور سونا نے اپنے سفرنامہ کے آئینہ جہان نامین او سکوتام و کمال دوسروں کو دیکھایا، اس واقعہ پر آج تیس سال گزر گئے ہیں، اس اثنا میں اور لوگوں نے بھی ان ممالک کے سفر کیے اور اپنے اپنے سفرنامے شائع کیے مگر مواد کے لحاظ سے اب تک اس سفرنامہ کی اولیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، اسکے بیسیوں اڈیشن بازاری مطبوعوں سے شائع ہو چکے ہیں، مگر جس منح صورت میں وہ کتابوں کو شائع کرتے ہیں اس سے اہل ذوق کی دلچسپی نہیں ہوتی، اسلئے دارالاشاعت دارالمصنفین نے اپنے مطبع معارف میں اسکا ایک اچھا اڈیشن چھاپ کر تیار کیا ہے، جن پسندیدہ مذاق اصحاب کو ضرورت ہو وہ طلب فرمائیں تاجر و کوٹھہ فیصدی کمیشن، قیمت عام

منہجبر

مطبوعاتِ جدید

حکایات شرلاک ہو مر، سر آر تھر کانن ڈائل اسوقت انگلستان میں ایک خاص قسم کی جاسوسانہ فنانہ نویسی کے بانی اور مخترع ہیں، وہ جاسوسی اور سراغ رسانی کو محض بخت و اتفاق کے نتیجہ کے سپرد کرنا نہیں چاہتے، بلکہ وہ احتیاط، استقرار، علم قیافہ، علم آثار قدم، اور عام فہم انسانی کے استعمال اور چھوٹے چھوٹے معمولی واقعات کی کڑیاں ملا کر اس سے اہم نتائج کے اخذ کی حیرت انگیز شاہین پیش کرتے ہیں، مصنف نے اپنی خیال آرائی اور جولان طبعی کے لیے شرلاک ہو مر نام ایک غیر معمولی ذہانت کے فرضی جاسوس کو اپنا مستقل ہیرو قرار دیا ہے، جس کے کارنامے ڈاکٹر وائسن نام اوکے ایک دوست کی زبانی، معرض تحریر میں لائے گئے ہیں،

پروفیسر فریڈرالدین مراد، اب تک ہماری نیاں میں بحیثیت ایک عالم کلیات وائنٹسٹ کے مشہور تھے، اون کے کتاب سے جب ان حکایات کا ترجمہ ہماری نظر سے گذرا تو فطرۃً تعجب ہوا کہ ایک شیدائے واقعیت حکیم کو ایک خیال آلا فساد نویس سے کیا مناسبت ہے؟ مگر کتاب کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ پروفیسر مراد نے اپنے دائرہ سے کچھ زیادہ دور قدم نہیں رکھا ہے، پروفیسر مراد نے اس کتاب میں شرلاک ہو مر کے ۲۰ مختلف کارنامے انتخاب کئے ہیں، ہر کارنامہ ایک چھوٹا سا مستقل افسانہ ہے، ہر افسانہ درحقیقت نہایت دلچسپ ہے اور مخصوص طریقہ جاسوسی کی بہترین مثال ہے، پروفیسر مراد کے ہم مشکور ہیں کہ اونھوں نے ہماری زبان کے افسانہ نویس کے سامنے ایک نیا راستہ کھول دیا ہے، ترجمہ اکثر با محاورہ اور سلیس ہے، پڑھنے والے کے ذہن پر

ترجمہ کا ارمحوس نہیں ہے، مگر کہیں کہیں یہ کمی رہ گئی ہے کہ مترجم نے انگریزی محاورن کا بعینہ اردو ترجمہ کر دیا ہے، مثلاً متعدد مقامات پر آپ یہ پڑھیں گے ”وہ آرام کرسی میں بیٹھ گیا“، اردو میں کرسی پر بیٹھا ہوتے ہیں، اسی قسم کی اور بھی ایک دو باتیں آپ کو ملین گی، تاہم عام طور سے ترجمہ صاف اور دلنشین ہے، صفحات ۳۰۲، لکھائی چھپائی متوسط، کاغذ معمولی، قیمت ۷۰ پتہ سرگزینز اینڈ کوعلی گڑھ،

خوننا بہ عشق یہ بھی اسی مشہور فنانہ نویس کی تصنیف اسکا رلیٹ اسٹین کا ترجمہ ہے اور یہ ترجمہ بھی پروفیسر محمد وحی کھلم کا ممنون احسان ہے، اس میں شرلاک ہوئے ایک کی قدر طویل کاؤم کو قید تحریر میں لایا گیا ہے، جب معمول نہایت دلچسپ اور بدیع الاسلوب ہے، ترجمہ کی خوبی قابل تعریف ہے، مگر زبان کے متعلق کہیں کہیں ہلکے شکایت ہے انگریزی خوان اصحاب کا عربی اظہار غلط ہوتا ہے، اسی کتاب میں (صفحہ ۱۲) ”منزہ کو منزا“ لکھا گیا ہے، ”سباہ“ کو ”شباہ“ (۵۰) ”سہرا اللیالی“ کو ”سحر اللیالی“ (۶۹) منق کی اصطلاح استدلال ”اتی“ کو ”مدعنی“ لکھا گیا ہے، اردو میں ”تار“ مذکر ہے مگر مترجم نے ”تار دی“ مونث استعمال کیا ہے، یہ چند غرو گذشتہ کتاب کی دلچسپی اور ترجمہ کی خوبی میں ہارج نہیں، جو لوگ بدیع الاسلوب فنانوں کی قدر کرتے ہیں ان کو یہ ضرور پڑھنا چاہیے، صفحات ۱۶۸، قیمت ۷۰، لکھائی چھپائی متوسط، کاغذ معمولی، پتہ دارالاشاعت پنجاب ۱۹۵۵ ریلوے روڈ لاہور،

محمد علی، محترم محمد علی صاحب کے جتنے مجموعہ ہائے حالات اردو میں شائع ہوئے ہیں یہ مجموعہ اردن سب میں سب سے زیادہ مبسوط اور جامع ہے، اس میں جناب شوکت علی صاحب علیگ نے محمد علی صاحب کے بچپن، تعلیم، سفرو لائیت، انوکری، اخبارات کا اجراء، تعلیمی و سیاسی خدمات، سفرو خلافات، ادبی و رپ میں ان کے کارنامے اور آخر کراچی میں خیل تک کے تمام واقعات

تفصیل سے لکھے ہیں، تقبیح چھوٹی، صفحات ۱۱۵، لکھائی چھپائی کا غد متوسط، قیمت ۱۲ روپے
مقبول دارالاشاعہ لاہور،

دہلی کی جانمکنی، شہرہ کے غدر دہلی کے واقعات اور افسانے جو ہمیشہ اہل دہلی کے لیے عبرت و
بصیرت کے اسباق ہیں، ضرورت تھی کہ ان اسباق کو کسی کتاب کی صورت میں جمع کر دیا جائے
جناب خواجہ حسن نظامی نے اس کتاب میں غدر کی انگریزی تاریخوں اور دہلی کی معتبر زبانی روایات
کو فراہم کیا ہے، کتاب کا ہر صفحہ اپنے ناظرین سے آنسوؤں کے چند قطرہ دن کا طالب ہے لکھائی
چھپائی بہتر، کاغذ متوسط، قیمت ۷ روپے، خواجہ بک ڈپو، دہلی،

اسلام کی برکتیں، یہ مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار کا ایک مضمون ہے جو سالہ کی
صورت میں شائع ہوا ہے مصنف نے امین اسلام کی علمی برکات گنائے ہیں، مگر بیان میں تاریخیت
سے زیادہ ادبیت نمایاں ہے، قیمت ۳ روپے، مشرقی کتب خانہ لاہور،

سبعہ سیارہ، حافظ محمد یعقوب صاحب آج گیارہویں کی سات مذہبی نظموں کا مجموعہ ہے، اور
آج کل کے احساسات و مذاق کے مطابق ہے، مگر شاید صحیح لفظ ”سبع سیارہ“ ہو، قیمت ۳ روپے
متنازعہ پبلشرز، لاہور،

آئینہ جمہوریت، اٹلی کے مشہور محب وطن جوزف میزنرینی، سیاسی ہونے کے ساتھ ایک متنازعہ
قلم بھی تھا، اس نے اپنے قلمی خیالات سے اٹلی کو متحرک کر دیا تھا، اور اس کے متفرق اجزاء کو یکجا کر کے
انہیں جمہوریت کی روح پیدا کی، آج جب ہندوستان اسی درجے کے گزر رہا ہے، جناب احمد منصور
صاحب سلیم کی یہ کوشش شکر کی مستحق ہے کہ انہوں نے میزنرینی کی ایک تحریر کا اردو میں ترجمہ
کر کے شائع کیا ہے، اس تحریر میں میزنرینی نے جمہوریت، حقوق، تعلیم، مقصد زندگی وغیرہ اہم ملاحی
مسائل پر باختصار اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں، قیمت ۷ روپے، مشرقی کتب خانہ لاہور،

عدد دوم

ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۱۳ء

مجلد دہم

مضامین

۸۲-۹۰	شذرات
۹۱-۱۱۱	پروفیسر عبدالباری ندوی فلسفیانہ وحدۃ الوجود
۱۱۲-۱۱۹	پروفیسر جمیل الرحمان، عثمانیہ یونیورسٹی فاتح صقلیہ
۱۲۰-۱۲۵	تاسی اور اورسکا تذکرہ شعرائے اردو مولوی محفوظ الحق بی اے
۱۲۶-۱۲۹	مولوی سید نجیب اشرف ندوی بابر یا بابر
۱۳۰-۱۳۵	برمنی کے عسنتی مدارس
۱۳۶-۱۳۹	حکیم اجل خان
۱۴۰-۱۳۹	انسانیت پر اسلام کے احسانات
۱۴۱-۱۴۶	اخبار علمیہ
۱۴۷-۱۴۸	ادبیات جناب جوش، راغب جیلانی
۱۴۹-۱۵۰	اسوہ صحابہ جناب مولوی عبدالمجید صاحب بی اے
۱۵۸	نغمہ سعادت
۱۵۹-۱۶۰	مطبوعات جدیدہ

مشکل

درم اور تازگی و فربہی میں کیا فرق ہے؟ یہ ہے کہ درم جسم کے کسی ایک عضو میں آدی اضافہ کا نام ہے، اور تازگی و فربہی جسم کے تمام اعضا میں ایک تناسب کے ساتھ ترقی کو کہتے ہیں، پہلی شے مرض اور بیماری ہے تو دوسری سرتاپا صحت اور کمالِ جہانی! اسی طرح اگر کسی قوم کے جسم کے تمام اعضا یعنی اسکے تمام ضروری شعبے ایک تناسب خاص کے ساتھ باہم ترقی کر رہے ہیں تو وہ قوم صحیح اور تندرست ہے، لیکن اگر ادا کا یہ حال ہے کہ ایک عضو تو بڑھ اور پھول رہا ہے مگر دوسرے اعضا ضعیف اور کمزور ہو رہے ہیں تو اسکو صحیح و تندرست کون کہے گا،



صحت کے اس معیار پر اگر مسلمانوں کے قومی جسم کا امتحان کیا جائے تو وہ پھولن اور درم ثابت ہو گا یا تازگی و فربہی! ہمارا یہ حال ہے کہ اگر ہم ایک عضو کے غور و پرداخت پر توجہ کرتے ہیں تو دوسرے اعضا کی پردہش سے کامل بے توجہی برتتے ہیں، جب ہماری ایجوکیشنل کانفرنس کی ہمارے سیاسی خیالات پر خزان چھائی تھی، اور اب جب ہماری سیاسی مجلسین ہمارے تہذیب اور چھوٹے پرشور ہیں تو ہماری علمی اور تعلیمی محفلیں سوئی ہیں، گزشتہ سالوں کے عین سیاسی بحران کے دنوں میں ہندی پرچارنی بھلے کے جتنے بھی ہوتے رہے، بھنڈا کر کی مشرتی بزم بھی نورا فروز رہی، اسکھ ایجوکیشنل کانفرنس بھی منعقد ہوئی، مگر ہماری کانفرنسوں اور انجمنوں نے کیا کیا؟ یا ہم نے انہیں کیا کرنے دیا؟



ذرا ٹھہر جائیے! اور ایک لمحہ غور کیجیے! یہ غلط روی سر منزل نہیں، بلکہ سر راہ واقع ہوئی! فتنہ فخر کے بعد جب ہم نے آنکھیں کھولیں تو ایک ایسے رہنما کو اپنے قافلہ کار ہر پلایا جو مذہب تعلیم اور ریاست تینوں راستوں کی قافلہ سالاری کے فرائض خود تنہا انجام دے رہا تھا، منزل ترقی کے یہ تینوں راستے مختلف الجہات تھے، اس لیے ایسے قافلہ سالار کے لیے تصادم مصالح ناگزیر تھا، چنانچہ اسی کی وجہ سے گذشتہ چالیس برس میں جو کچھ پیش آیا اور آج بھی پیش آ رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے، جب قوم نے سیاسی قدم بڑھایا تو تعلیمی مصالح کے نگران کاروں نے او کو بچھے گھسٹا اس تصادم سے دوسری قوموں کی تعلیم گاہیں پاک ہیں او کو نفیاً یا اثباتاً سیاسی ابھنوں سے کوئی تعلق نہیں، مگر ہماری تعلیم گاہ کو اگر اثباتاً نہیں تو نفیاً ان ابھنوں سے فطری لگاؤ ہے بلکہ انہیں پر او سکی بنیاد ہے، ایسی حالت میں قوم درحقیقت تنہا گنہگار نہیں ہے، وہ مجبور ہے کہ یا تعلیمی رہنمائی پر دی میں پیچھے رہے اور یا ترقی طلب مقتضیات زمانہ کا ساتھ دے، کیا اب بھی ہلے رہنے پلنے الگ الگ راستے بنا کر قوم کو تصادم اور تزام سے بچائیں گے؟

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے کسی زمانہ کا نام "قرنِ اولیٰ" تھا، اور وہ اونکی تاریخ کا عہدِ زرین ہے، صحابہ کا عہد، ابو عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، انس بن مالک، یہ اوس عہد کے ائمہ درس تھے، مگر صفوں جنگ اور ایوانِ مشورت ملکی میں او کو تلاش نہ کرو خالد بن ولید، عبیدہ بن جراح، زبیر بن عوام، عمرو بن العاص، سعد بن وقاص فوجوں کے جنرل اور ملکوں کے فاتح تھے، لیکن جامع مسجدوں میں ا کا حلقہ درس نہ تھا، ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رسالت پناہ کے شیرازانِ باتدبیر اور جماعتِ مسلمین کے شیرازہ بند تھے، گروہ فوجوں کے سرسکر اور دائرہ تدریس کے محور نہ تھے، کیا ہم اس سے تقسیم کار کا اصول یکہ سکتے ہیں؟ یقیناً بعض ایسی

مقدس ہستیٰ ان بھی تعین جو جامع اوصاف تعین، مگر سننِ فطرت میں اور نکادہ درجہ خوارقِ عادت کا ہے

—۴۰۰—

یورپ کے دوسرے ملکوں کی طرح جرمنی میں بھی ایک مشرقی انجمن قائم ہے، جسکا مقصد ایشیا اور مشرق کے علوم و فنون، تمدن و معاشرت، اور اجتماعیات و اقتصادیات کا مطالعہ ہے۔ اس سال یہ کانفرنس ۲-۳-۴-۵-۶ اکتوبر کو خاص برلن میں منعقد ہوگی، آئندہ جلسوں کے انعقاد کے لیے بڑے اہتمام سے تیاریاں ہو رہی ہیں، گزشتہ سال یہ انجمن لیننگ میں منعقد ہوئی تھی یہ شہر ناوے عربی مطبوعات کی اشاعت کا مرکز ہے، اب تک اس انجمن کے قیام پر ۵۰ سال گزچکے ہیں جرمنی کے مشہور علمائے مشرقیات اس کے نگران کار و مہتمم ہیں، مثلاً مشہور عربی دان پروفیسر سخاؤ، ایشیا وسطیٰ کے محقق دان لے کاک، سنسکرت کے عالم لوئڈرس، یونانی کے ماہر میسر، عالم انسانیات وان لوشان، برلن یونیورسٹی کے پروفیسر کٹرزنسٹ، وغیرہ اس کے موجودہ صدر ڈاکٹر بیکر ہیں، جو اس وقت جرمنی کے معتد تعلیمات ہیں،

—۴۰۱—

گزشتہ ہولناک ایام جنگ میں مرکزِ جنگ سے ہزاروں میل دور جو مالک تھے وہ بھی مالی صدیوں سے محفوظ نہیں رہے اور جرمنی کا اقتصادی حیثیت سے جو حال ہوا ہے وہ تو سب کے سامنے ہے، جرمن سکہ دار کی قیمت بازار میں کوڑیوں کے مول ہو گئی تاہم آپ کو یہ منکر حیرت ہوگی کہ جرمن مشرقی کانفرنس، کی دولت اور تمول کا یہ حال ہے کہ اگر آپ سے اسکو کوئی نیا چندہ نہ بھی ملے تو وہ کئی نسلوں تک فراغِ فاطر کے ساتھ اپنے فرائض علمی، انجام دے سکتی ہے، کیا ہماری قوم کے علمی و تعلیمی قدردان اصحاب اس خبر کو سن رہے ہیں؟

—۴۰۲—

تاہم کارکنانِ انجمن نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ وہ نہ صرف جرمنی بلکہ دنیا کے تمام علمی قدر دانوں کے سامنے اپنی مالی اعانت کی عرضداشت پیش کریں، اور طے کیا ہے کہ جو شخص کمیت چار سو مارک، یعنی تین انگریزی پونڈ چندہ دے گا وہ انجمن کا رکن دائمی قرار دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں ہمارے ایک ہموطن مینی کمار سرکار مقیم جرمنی نے ہندوستان کو بھی شرکت کی دعوت دی ہے، لیکن سوچ لینا چاہیے، کہ علم پرستی کی یہ نالیش، اسے قرض کے لیے زکشتی کا کوئی علمی جال تو نہیں ہے؟



مولانا حبیب الرحمن خان شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ حیدر آباد دکن کے کتب خانہ میں سودا کے دیوان کا ایک نادر نسخہ ہم پہنچا ہے، علاوہ خوشخطی، اور دیگر اوصافِ ندرت کے ایک خاص بات اس میں یہ ہے کہ یہ نسخہ عین اوس وقت پایہ تکمیل کو پہنچ رہا تھا، جب نادر شاہ اپنی قمار فوجیں لیے ہوئے دکن کے دروازہ پر کھڑا تھا، کاتب نے کتاب کے آخرین لکھا ہے کہ یہ سطرین جس وقت لکھی جا رہی ہیں نادر شاہ کی فوجیں شہر میں داخل ہو رہی ہیں، کیا یہ علمی یکسوئی کی عجیب و غریب مثال نہیں ہے کہ جب شہر اضطراب اور بے چینی کی گردنیں لے رہا تھا ایک سودا زدہ علم، دیوانِ سودا کی کتابت میں مصروف تھا، یہ ذوقِ فن ہر بواہوس کو کمانِ نصیب!

افسردہ رانصیب نباشد دلِ کباب

آن یا بد این نوالہ کہمانِ آتش است



ریاست حیدر آباد کے تمام علمی کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ یقیناً اردو جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے، ہر مکتوم ہذا ہے کہ علوم و فنون کی اردو دین تعلیم کی تجویزِ خاطر خواہ بار آور

ہو رہی ہے اور مادری زبان میں تعلیم کے طریقہ کی کامیابی کا بالعمان مشاہدہ ہو رہا ہے، اس وقت جامعہ کے صرف ایف اے کلاس میں ڈیڑھ سو طالب العلم ہیں، جامعہ کے ایک کامیاب طالب العلم کے ذاتی امتحان لینے کے بعد انگلستان کی شینیلڈ یونیورسٹی نے جامعہ عثمانیہ کو مبارکباد دی ہے، اور اس کی سندوں کو اپنے ہاں کے لیے باقاعدہ تسلیم کر لیا ہے، اس کامیابی پر ارکان جامعہ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں، اگر آج سے چالیس سال پہلے اس تجویز پر عمل ہوا ہوتا تو آج ہندوستان کی تعلیمی سطح کتنی بلند ہوتی ہے، افسوس کہ آج سرسید ہیں اور نہ حالی کہ وہ دیکھتے کہ شبلی کے خیال کی صدا زد و قدح اور اعتراض و جواب سے بری ہو کر روز روشن کی طرح نمایاں ہے، (مولانا شبلی مرحوم) نے اپنے مضمون ”گذشتہ تعلیم“ میں مادری زبان کی تعلیم پر زور دیا تھا، اسپر سرسید بہت چراغ پا ہوئے تھے، اور مولانا حالی نے حیات جاوید میں مولانا کی تردید لکھی



ابو تمام عرب کا وہ شاعر ہے جس کی سخن سنجی سے زیادہ اداس کی سخن فحشی ایک ہزار برس گزرنے کے بعد بھی دنیا سے اپنے حسن انتخاب کی داد طلب ہے، آج کل جو قومیت پرستی کی نئی نئی ہوائیں ملک عرب میں چل رہی ہیں، اداس سے دبان کا علمی طبقہ بھی مستثنیٰ نہیں، چنانچہ ابھی پچھلے مہینہ شام کے ادبا اور شعراء نے ابو تمام کی قبر پر جمع ہو کر اداس کی تربت پر پھول چڑھائے شہر آئے اداس کی یادگار میں قصائد پڑھے اور اداس کی لوح تربت پر چند شعر لکھ کر کندہ کئے، اسے ابو تمام کے نام گاروا ابو تمام کی بزرگی اور عظمت کی یادگار تھا اسے اجتماعات، تمعائے قصائد اور تمعارے نقش لوح سے نہیں ہے، اداس کی عظمت کی زندگی کا راز اداس کا کام ہے اگر دنیا سے ادب میں جب تک حماسہ کا جذبہ باقی ہے ابو تمام کی عظمت کا آفتاب غروب نہیں ہو سکتا!



لوگ کہتے ہیں کہ جدید تمدن، مذہب اور اسے ارکان مذہبی کا دشمن نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس طرح توہین ہندو، مسلمان، مشرک، ہومن، ملحد، عیسائی، یہودی، پارسی ہوتی ہیں، اسی طرح تمدن بھی، ہندو، مسلمان، مشرک، ہومن، ملحد، عیسائی، یہودی، پارسی ہوتا ہے، دنیا کا غالب تمدن وہی ہوتا ہے جو اس زمانہ کی غالب قوم کا ہوتا ہے، غالب قوم اپنے لیے تمدن کا جو قالب تیار کرتی ہے وہ وہی ہوتا ہے، جس میں خاص ادنیٰ زندگی کے تمام ضروری اجزاء مناسب طور سے اپنی اپنی جگہ پر لگ جاتے ہیں، جب اس کے تمدن کو دوسری توہین اختیار کرتی ہیں تو بلا تغیر و تبدل، زیادت و نقص، ترمیم و اصلاح وہ نیکو اور طویلیتی ہیں، یہ خلعت ادنیٰ ضروریات زندگی کے جسم پر درست نہیں آتا، مگر یا این ہمہ، وہ اس میں کی طرح تغیر نہیں کیا جاتا کہ جسے قوم غالب کی مالکت کی عزت باقی نہیں رہے گی، اس لیے لاچار وہ خود اپنی ضروریات و طریق زندگی میں تغیر و تبدل کرنے پر مجبور ہوتی ہیں، اس طرح ادنیٰ کو اپنے تمام مذہبی و ملکی و قومی رسوم و عادات اور طریقے بدل ڈالنا پڑتے ہیں،



ہمہ وقت پتلون کے استعمال کے ساتھ ہمارے شرعی شکل ہے، نمٹائی، کارا، کت، پاتابے، بوٹ کے ساتھ وضو میں سستی اور کاہلی راہ پاتی ہے، تمدن جدید کے مطابق کوٹھی شہر سے اتنے فاصلہ پر ہونا چاہیے کہ عام باشندوں کی سانس کی ہوا وہاں نہ پہنچ سکے، اس لیے مساجد میں شرکت بھی نہیں ہو سکتی، گھر کا کمرہ کمرہ، میز و کرسی و الماری وغیرہ فرنیچر سے اس طرح آراستہ ہو کہ کہیں پر آمدہ کے گوشوں کے علاوہ ناز ہی کو کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے کی جگہ نہ ملے، مکان کی تمام دیواریں تھما دیں۔ اس طرح پٹی ہون کی قبلہ کی طرف رخ کرنا مشکل ہو، غور کر وہاں حالات کے ساتھ ایک اسلامی زندگی کا قائم رکھنا کس قدر مشکل اور عملاً محال ہے،

ہم جان ترکوں کی اور بہت سی عمدہ خوبیوں کے معترف ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے یورپ کے عیسائی تمدن کو مسلمان بنالیا ہے۔ (اس سے وہ چند نوجوان یورپا پر تو ترک، مستثنیٰ ہیں جو یورپین ہونا ہی اپنا سب سے بڑا شرف جانتے ہیں) عام ترکوں نے یورپ کے تمدن معاشرت، لباس سب کو اختیار کر لیا ہے مگر پہلے اس کو اپنے قومی دھن کے مذہبی ضروریات کے مطابق کر لیا، پارک بنائے تو ایک گوشہ میں مسجد، وضو خانہ، ہمارت خانہ بھی بنا دیا، پتلون کو کس قدر ڈھیلا پہنا، بوٹ میں نیچے کے تلے میں کھٹکا لگا دیا کہ بروقت ذرا سے جھٹکے میں نکل جائے، ریل میں جاری لیکن تو ان میں نماز وضو کا بندوبست کیا، اسٹیشنوں کا رخ قبلہ رکھا، عورتوں کو گھر کا باہر نکالا تو برقع کا انداز

— ۳:۴ —

ابھی ہنر کی کمی بنیالین پر جاننا تو یہی مل کر یہ کہ انھوں نے جو ٹھیکے لیے ہیں، وہ اپنے ترک مزدوروں اور کارگریزوں کے لیے اقامت ہیں اور بارکین بنوا رہے ہیں، حکومت انگو رو نے ان کے پاس مکانات اور بارکوں کا نقشہ خود بھیجا ہے کہ اس طرح مکانات بنانے اور مرنے یوں الگ ہوں، ہر چند مکانات کے کچھ میں ایسے ہمارت خانے ہوں، ہر سو پچاس مکانات کے بعد ایک مسجد ہو، اوسین وضو خانہ ہو، غرض ایک عیسائی یا لاد مذہب تمدن کو وہ اختیار کرتے ہیں تو اس کو مسلمان بنا کر، ہمارے ہندی ختراؤں کو ٹھی باش، سوٹ پوش مسلمان کیا اس نکتہ پر کان دھ سکتے ہیں؟

— ﴿﴾ —

ادری زبان کی تعلیم کے مسئلہ میں ہمارے صوبہ کی کونسل تو صرف شور و شر کے رہ گئی لیکن بنگال کے بد تو نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے، یعنی کلکتہ یونیورسٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تعلیم کی زبان بنگالی کر دی جائے، جو صوبہ کی ادری زبان ہے، پر بعض بنگالی مسلمان تعلیم یافتہ چرچہ کیا ہیں کہ اگر وہ ہونی چاہیے، اگر ”فضل حق“ اسے یہ فیصلہ ہو جائے تو کیا کہنا، ورنہ اس کو شش سے تو

ہرگز ہاتھ نہ اٹھانا چاہیے، کہ صوبہ کی مخصوص زبان کے ساتھ ساتھ ملک کی عام زبان در اردو، یا ہندوستانی، کی تعلیم بھی لازمی قرار دی جائے۔ نہ نیا در ہے کہ اگر اسی طرح ہر صوبہ صرف اپنے صوبہ کی مخصوص زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دے لے اور ملک کی کسی عمومی زبان کا خیال نہ رکھا جائے تو حالات آج سے بدتر ہو جائیں گے، آج ایک انگریزی زبان تعلیم یافتہ اصحاب کی مشترک زبان کا کام دے رہی ہے، اب اگر یہ بدیسی زبان پھین لی جائے اور صرف صوبہ وار زبانیں رہ جائیں تو مشترک اور باہمی افہام و تفہیم، بول چال، مجلس، اخبارات اور تصنیفات کے لیے کوئی مشترک سطح باقی نہیں رہے گی، اور اس طرح ہندوستان کی قومیت متحدہ کا خواب پریشان تر ہو جائیگا،

— (۱۰۰) —

بورڈ آف ایجوکیشن لندن کے ایک جلسہ میں ایک ممبر کی درخواست پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ لندن یونیورسٹی کے یونیورسٹی کالج میں برٹش امپائر کے تمام مشرقی ممالک کی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے، ان میں سے ہندوستان کی سیکڑوں زبانوں میں سے صرف دو زبانوں کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ وہ اس نصاب کے نصاب اس میں داخل ہوں، ایک اردو اور دوسری بنگالی، اس واقعہ سے جہاں ہم اور نتائج نکال سکتے ہیں ایک نتیجہ یہ بھی نکال سکتے ہیں کہ بنگال کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں انگریزوں کو اردو جان لینے کے بعد اپنے کم مشکلات پیش نہیں آتے ہیں، اور دوسرے صوبوں میں کام چلانے کے لیے محض اردو کافی ہے، ہماری بعض ہندوستانی یونیورسٹیوں کے لیے ایک تاسف انگیز نتیجہ اس خبر سے یہ نکلتا ہے کہ لندن یونیورسٹی میں تو اردو کو یہ اہمیت حاصل ہو مگر اس یوسف کو خود اپنے وطن کھان میں کوئی پوچھتا بھی نہیں،

— (۱۰۱) —

آج کل گلکٹہ یونیورسٹی کی کثرت معارف اور قلت آمدنی کے ضمن میں بنگال کے فضلاء

ارباب کمال کے درمیان ایک گرما گرم مناظرہ برپا ہے، جدو نہاتھ سرکارشہور مورخ اور اساتذہ یونیورسٹی مین تعلیمی معرکہ آرائی ہے، کلکتہ ریویو اساتذہ یونیورسٹی کا منظر خیال ہے اور ماڈرن ریویو مین سرکار کے مضامین نکلتے ہیں، اسی سلسلہ میں معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا ہے کہ رسائل مین ایک دوسرے کے علمی خدمات کی وجہاں کھیر سی جا رہی ہیں، اور چن چن کر غلطیان منظر عام پر لائی جا رہی ہیں، کیا ہماری قدیم درگاہوں کا طرز مناظرہ، بڑے دعووں کے جدید کالجوں مین بھی داخل ہو گیا، فضلاء بنگال! اور اکاں لگا کر سننا کوئی یہ شعر تو نہیں پڑھ رہا ہے!

بیابیکدہ وچہرہ ارغوانی کن
مرد بدرسہ کا سجا گناہ گار اند

—•—•—

ابھی لندن مین وہاں کے صنعتی مدارس کے استادوں کی ایک کانفرنس تھی اسٹریٹ پاس یوکا کے صدر تھے مشہور صوف اپنی صدارتی تقریر کے ضمن مین ”عمدہ تعلیم“ کے اثرات پر بھی گوہر افشانی فرمائی ہے اور عنوان لگا کر ”اب زمانہ آگیا ہے کہ اس سوال کا کہ عمدہ تعلیم کے اثرات کیا ہیں! نہایت احتیاط سے جواب دیا گیا، ”عمدہ تعلیم“ سے میلز معصوم ہے کہ ایسی تعلیم اور ایسی لیاقت ہو جو بڑے کے دماغ کو ترقی دے اور اوس مین مطالعہ کا ذوق، اور استدلال، تجسس اور اوس شے کے فہم کی قابلیت پیدا کرے جس کا فہم مین ناممکن ہو اور تربیت ایسی ہو جو دنیا کی جہانی قوت کو ترقی دے اور جہانی دماغی دونوں قوتوں کو باہم ایک توازیادہ مضبوطی کے ساتھ متحد کرے، اور جو اسکے تخیل، ہمت، اور اوس نادری علیہ الہی کو ترقی دے سکے جو نہ صرف عجائبات سے دلچسپی اور زندگی کے محاسن سے لطف اندوزی کے قابل بناتا ہے،“

یہ تعلیم کا کل مغربی نقطہ نگاہ ہے، مشرق کے نزدیک علم یہ کہ تم مکن سے فاجب کہ کھین اپنی قوت حقیقی اور آزاد کرنا استدلال و تجسس کی راہ چھوڑ کر کشت ذوق کی طرف متوجہ ہو جائیں، ”عمدہ تعلیم“ پر چلنے کی جگہ اس کی حقیقت کی شناخت

اصل کریں

اجازت دی اور انہوں نے اس جزیرہ کو فتح کر لیا۔ مگر باوجود اس کامیابی کے ایسا مسلم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس وقت تک فن جہاز رانی میں زیادہ ترقی نہیں کی تھی،

فتح مصر کے بعد چونکہ مسلمان افریقہ کی طرف بڑھتے گئے۔ اسی طرح ان کے لیے بحری معاملات کی طرف توجہ ضروری ہوتی گئی حضرت عقبہ بن نافع نے افریقہ کے علاقے پر مستقل قبضہ کر لیا اور اسکے کچھ عرصہ بعد موسیٰ بن نصیر نے افریقہ اور مغرب کے تمام ساحلی مقامات کو مسلمانوں کے زیر تصرف کر دیا نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اندلس پر قبضہ کر کے بحیرہ روم کے تمام جنوبی سواحل پر مسلمانوں کا سیاسی اقتدار مستقر قائم کر دیا، مگر ان مقامات پر بالاستقلال قابض رہنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک مسلمانوں میں اتنی طاقت نہ ہو کہ یورپ کی بحری قوتوں کا مقابلہ بخوبی کر سکیں عربوں میں اچھے جہاز ران مفقود تھے۔ اس کے برخلاف افریقہ کے باشندے اس فن سے بخوبی واقف تھے، چنانچہ مسلمانوں نے ان ہی لوگوں کی مدد حاصل کی اور جہاز ران کا ایک بیڑا تیار کر لیا، آخر رفتہ رفتہ وہ خود اس کام میں مستقل مشاق ہو گئے کہ افریقہ کے باشندوں کی مدد سے بالکل مستغنی ہو کر انہوں نے یہ کام مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا، موسیٰ ابن نصیر کے زمانہ میں تونس افریقہ کا بحری مرکز قرار پایا اور یہیں پر انہوں نے اپنا دارالصفائہ قائم کیا، موسیٰ ابن نصیر کے زمانہ میں مسلمانوں نے بحری معاملات میں استدرجرات و استقلال کا اظہار کیا کہ کہنہ مشق ملاح حیران رہ گئے افریقہ میں بحری طاقت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی سلطنت میں بحری محکمہ بالکل ایک الگ حیثیت رکھتا تھا، اور اس کا افسر اعلیٰ ”قائد الاساطیل“ کہلاتا تھا۔

اب ۹۲ھ کے بعد صورت حالات یہ تھی کہ مسلمان شام سے لے کر سبتہ تک تمام سواحل سمندر پر قابض تھے، اندلس پر قابض ہو جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بحر اوقیانوس کی

تاکہ بندی ہو گئی تھی، دوسری طرف روڈس اور ساپرس پر قبضہ ہو جانے سے بحیرہ روم کا مغربی ساحل بالکل محفوظ تھا، اندلس اور افریقہ کے اسلامی بیڑے بحیرہ روم میں منزلتے پھرتے تھے۔ اور یہ سمندر بہتیت مجموعی عربوں کی ملکیت میں آ گیا تھا، مگر قسطنطنیہ کی رومی سلطنت اب تک اس قدر بیچ اور ناکارہ نہیں ہوئی تھی کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی بحری طاقت کو دیکھتی اور اپنی حفاظت اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی کوشش نہ کرتی، تمام بحیرہ روم میں جزیرہ صقلیہ ہی اب ایک ایسا مقام تھا جو مسلمانوں سے کسی حد تک محفوظ تھا، اور اس پر قبضہ رکھنا رومیوں کے لیے از بس ضروری تھا، لیکن دوسری طرف اگر مسلمان بحیرہ روم میں اپنی بحری طاقت محفوظ رکھنا اور جنوبی یورپ اور بالخصوص اٹلی میں اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے تھے تو ان کے لیے بھی اس جزیرہ پر قابض ہونا اس قدر ضروری تھا، چنانچہ یہی جزیرہ آخر ان دو بحری طاقتوں کی زور آزمائی کا میدان قرار پایا،

سیاسی اور تجارتی اغراض کے لیے صقلیہ ایک سرسبز و شاداب جزیرہ ہونے کے علاوہ بحیرہ روم کے بالکل وسط میں واقع ہے۔ اور اس لیے کوئی ایسی سلطنت جو بحیرہ روم میں اپنا اقتدار قائم رکھنا چاہے اس جزیرہ کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی، مزید برآں افریقہ کی سلطنت کے لیے اس پر قبضہ کرنے کے یہ معنی تھے کہ اٹلی اور گرد و نواح کے ممالک کا دروازہ ان کے لیے کھل جاتا تھا، مسلمان صقلیہ کی اس اہمیت سے پوری طرح واقف تھے۔ چنانچہ سلسلہ ہ ہی سے مسلمانوں نے اس پر حملہ کرنے شروع کر دیے تھے۔ مگر یہ تمام حملے محض چھاپے ہی چھاپے تھے، اور مسلمانوں نے اس پر مستقل قبضہ کرنے کی جدوجہد اس وقت تک نہیں کی تھی، سلسلہ ۱۱ھ اور بقول بعض سلسلہ ۱۲ھ میں عبدالرحمن ابن حبیب والئی افریقہ نے صقلیہ پر فوج کشی کی اور کچھ فتوحات بھی حاصل کیں، مگر اس کے بعد ہی

والیان افریقہ خود اپنے ملک کے فتنہ و فساد میں اس طرح منہمک ہو گئے کہ اس طرف بالکل توجہ نہ کر سکے۔ اور اس التوا سے فائدہ اٹھا کر رومیون نے اپنی طاقت کو جمع و مستحکم کر لیا، سنہ ۱۹ھ میں ابراہیم ابن الاغلب دہلی افریقہ نے دس سال کے لیے رومیون سے صلح کر لی، اور اسکے بعد ہی خاندان ادریس کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ صقلیہ کے برخلاف مسلمانوں کا اجتماع ناممکن ہے۔ سنہ ۲۰ھ میں ابو العباس بن ابراہیم نے پھر حاکم صقلیہ سے دس سال کے لیے ایک نیا معاہدہ کیا جس میں تاجرون کی حفاظت کا خاص خیال رکھا گیا تھا، اس معاہدہ کی مدت ختم ہو جانے کے بعد بنو غلبہ کو صقلیہ کی فتح کا مستقل خیال پیدا ہوا، اور خود جزیرہ کے لوگوں نے مسلمانوں کو حملہ کرنے کی دعوت دی،

واقعہ یہ تھا کہ سنہ ۲۱ھ میں بو فعیوس نے جس کو عرب فہمی لکھتے ہیں صقلیہ میں بغاوت کی اس سے قبل وہ غالباً بحری جنگ و جدال میں نام پیدا کر چکا تھا، اور اس وقت صقلیہ میں ایک متنازعہ پر امور تھا، یہیں اس نے ایک راہبہ کو اپنے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا اور جب اس کے بھائیوں نے دربار میں شکایت کی تو وہ ان سے حکم ہوا کہ فہمی کو گرفتار کر کے اس کی ناک کاٹ لی جائے، جب یہ حکم صقلیہ پہنچا تو اس وقت فہمی ایک بیڑے کے افریقہ کے ساحل پر چھاپہ مارنے کے لیے روانہ ہو چکا تھا، واپس آنے کے بعد اسے اطلاع ہوئی کہ اسکی گرفتاری کا حکم نافذ ہو چکا ہے، یہ سن کر اسنے بغاوت کی اور چند روز میں صقلیہ کا مالک بن گیا، مگر اب خود اسکا ایک دوست اسکا مخالف ہو گیا، اور آخر فہمی کو صقلیہ چھوڑ کر بنو غلبہ کے دربار میں پناہ لینی پڑی، وہ زیادۃ اللہ سے مدد کا طلبگار ہوا، اور وعدہ کیا کہ صقلیہ پر قابض ہو جانے کی صورت میں وہ بنو غلبہ کا باج گزار ہو جائیگا، قیروان کی مجلس شوریٰ میں فقہار و اکابر سلطنت کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا اور مختلف مشورے دیے گئے،

سکون ابن قادم نے سخت مخالفت کی اور کما حقہ فلسطینہ سے اس قدر قریب اور افریقہ سے اس قدر دور ہے کہ اگر مین پرندہ بھی ہوں تب بھی اس پر سے نہ اڑوں مگر قاضی اسد ابن فرات کے زور دینے پر جنگ کا فیصلہ کیا گیا۔ اور فوجی کو حکم ہوا کہ سوسہ مین جا کر مقیم ہوا اور وہ مین بیڑے اور فوج کا انتظام کرے۔ زیادۃ اللہ نے فوج اور بیڑہ تیار کیا اور قاضی اسد ابن فرات ہی کو اس پر حاکم مقرر کر دیا،

ابو عبد اللہ اسد بن فرات بن سنان مولیٰ بنو مسکیم فاتح حقلیہ ابو العرب کے بیان کے مطابق خراسان کے رہنے والے تھے، ابوسلمان کہتے ہیں کہ وہ ۳۱۲ھ مین حران کے مقام پر پیدا ہوئے اور جب ۳۱۵ھ مین خلیفہ منصور عباسی نے محمد ابن لاشث کو فرقہ صغریہ کی سرکوبی کے لیے افریقہ روانہ کیا تو فرات ابن سنان بھی اسکے لشکر مین شامل تھے، اور اس طرح دو برس کی عمر مین اسد قیردان پہنچے اور پانچ برس تک وہاں رہے، سات برس کی عمر مین آپ تونس گئے، اور نو برس تک وہاں رہے، اٹھارہ برس کی عمر مین قرآن شریف حفظ کیا، خود انھوں نے بیان کیا ہے کہ جوانی کے زمانہ مین ایک مرتبہ انھوں نے خواب دیکھا کہ میری بیٹھ پر گھاس اُگ آئی ہے اور مولیٰ اس کو چیر رہے ہیں، تعبیر بتانے والے نے اس خواب کی یہ تعبیر کی کہ اس لڑکے کو اس قدر علم و فضل حاصل ہوگا کہ دوسرے اس سے مستفید ہونگے، غالباً تونس کے نہ سال قیام کے بعد جب وہ قیردان واپس آئے تو انھوں نے اس مقام پر علی بن زیاد سے موطن سنی، اس کے بعد انھوں نے تحصیل علم کے شوق مین مشرق کا سفر کیا، اور امام مالک سے ملے عراق مین امام عظیم کے شاگردوں یعنی قاضی ابو یوسفؒ، اسد ابن عمر اور محمد بن حسن کی صحبت سے مستفید ہوئے، یہ مین عراق مین حدیث لکھی اور فقہ حاصل کی، ۳۱۵ھ مین امام مالک کی وفات کے بعد آپ مصر چلے گئے، اور وہاں

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے وہ مشہور و معروف کتاب حاصل کی جو بعد میں ان کے نام پر اسدیہ مشہور ہو گئی،

اب اسد ابن فرات تحصیل علم سے بالکل فارغ ہو چکے تھے، اور اس قابل تھے کہ جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے دوسروں کو اس سے مستفید کریں۔ چنانچہ آپ قیروان واپس آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، بہت سے علماء نے ان سے موٹا اور دوسری کتابیں حاصل کیں، اور ان کی شہرت تمام گرد و فواح کے علاقے میں پھیل گئی، آخر کار سن ۸۰۰ میں زیادۃ اللہ ابن الاغلب نے انکو افریقہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا، اور صقلیہ پر فوج کشی تک آپ برابر اس عہدہ پر فائز رہے، کہتے ہیں کہ جب زیادۃ اللہ نے انکو امیر عساکر بنانے کی تجویز کی تو آپ نے کہا کہ خدا امیر کا بھلا کرے آپ مجھ کو قضا کے کام یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے معزول کر کے امیر بنانا چاہتے ہیں، زیادۃ اللہ نے جواب دیا کہ نہیں میں تم کو قضا سے معزول نہیں کرتا بلکہ قاضی کے علاوہ امیر بھی بناتا ہوں، اس طرح تم قاضی بھی رہو گے اور امیر بھی، مورخون کا بیان ہے کہ ان سے پہلے افریقہ میں قضا اور امارت کبھی ایک شخص کے ہاتھ میں جمع نہیں ہوئی تھی،

بہر حال نصف رجب الاول ۸۰۰ کو ہفتہ کے دن قاضی اسد ابن فرات کے زیر قیادۃ افریقہ کے بیڑے نے سوسہ کی بندرگاہ سے نکل نکھایا۔ اس بیڑے میں فہمی کے جہازات کے علاوہ تقریباً سو جہازات تھے، ہنگل کے دن یہ بیڑا آخر صقلیہ کے بندرگاہ مازرہ پر جا نکلا۔ اور اسد ابن فرات نے اپنی فوج کو جس میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادے تھے خشکی پر اتارا۔ اور وہیں ساحل پر قیام کیا۔ تین دن تک سوائے ایک چھوٹی سی فوج کے اور کوئی ان کے مقابلہ کے لیے نہ آیا، آخر یہ دیکھ کر اسد نے اپنی فوج کو یمنار کا حکم دیا اور بلا طم

کی تلاش میں نکلے، یہ بلاطہ وہی شخص تھا جو پہلے فہمی کا دوست تھا اور آخر اس سے منحرف ہو کر
مقلید پر قابض ہو بیٹھا تھا، مسلمانوں کی فوج نے اُسے ایک مرغزار میں جا لیا، مسلمان جنگ کے
لیے مستعد ہوئے، مگر فہمی اور اس کے ہمدرد الگ ہو گئے اور مسلمانوں کی مدد نہ کی مگر پھر بھی بلاطہ کو
شکست ہوئی، اس کے بے انتہا آدمی مارے گئے، اور مسلمان اس کی تمام فوج اور اسباب پر
قابض ہو گئے، بلاطہ بھاگ کر قیسریانہ میں پناہ گزین ہوا، مگر ایک ہی شکست سے وہ مسلمانوں سے
ایسا مرعوب ہو گیا تھا کہ اس قلعہ میں بھی اس نے اپنے آپ کو محفوظ تصور نہ کیا۔ اور سرزمین
قلوریہ میں چلا گیا، اور وہیں قتل ہوا،

اس کا فیصلہ کرنے کے بعد قاضی اسد ابن فرات ایک کینسہ کی طرف روانہ ہوئے جو
ساحل سمندر پر واقع اور افریقیہ کے نام سے مشہور تھا۔ اسکو فتح کر کے وہ کینسہ مسلمان گئے یہاں
انکو سر قوسہ کے بطارتہ کی ایک جماعت ملی۔ یہ لوگ مکرو فریب کے لیے وہاں کے طالب ہو گئے
جب سر قوسہ کے لوگ بالکل تنگ آ گئے تو فہمی کی ہمت قومی نے جوش کیا، اور اس نے انکے
پاس پیغام بھیجا کہ ثابت قدم رہیں اور مستعدی اور تندہی سے جنگ کریں، قاضی اسد ابن
فرات نے چند دن تو انتظار کیا، مگر آخر ان پر ظاہر ہو گیا کہ ان لوگوں نے مکر کیا ہے اور انکی
نرمی سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے قلعہ کی مرمت کر لی ہے اور عوامی قلعہ کا تمام مال و زرہ اور
غلہ قلعہ میں داخل کر لیا ہے، یہ سمجھ کر وہ آگے بڑھے اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں اطراف
وجوانب میں نو مین روانہ کیں۔ جنہوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور بہت سے
قیدی لے کر واپس آئیں۔ اُدھر افریقیہ اور اندلس سے بھی ان کے پاس ملک پہنچ گئی، اور
اس کی مدد سے انھوں نے شہر سر قوسہ کا نہایت سختی سے محاصرہ کر دیا، آخر محصورین امان کے
طالب ہوئے۔ قاضی اسد صلح کرنا چاہتے تھے مگر مسلمانوں نے نہ مانا اور جنگ جاری رکھی،

اسی محاصرہ کے دوران میں مسلمانوں کی فوج میں دبا پھیل گئی۔ اور اسی بیماری میں مبتلا ہو کر شعبان (اور بقول ابن ابی الدینار رجب الآخر) ۳۱ھ میں قاضی اسد بن فرات کا انتقال ہو گیا،

گو سپہ سالار فوج قاضی اسد نے آثار جنگ میں وفات پائی، مگر اسلامی فوج کی ہمت و استقلال میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوئی، اور جس کام کی ابتداء ان کی طرف سے ہو چکی تھی وہ برابر جاری رہا، چنانچہ فوج نے محمد بن ابی الحواری کو اپنا حاکم بنالیا اور سر قوسہ کا محاصرہ بدستور جاری رکھا، فتوحات کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ اور آخر ۳۱ھ میں بنو اعلب اس قابل ہو گئے کہ عقلیہ کا ایک الگ والی مقرر کر دیں، یہ فتح کچھ ایسی مبارک اور مستقل تھی کہ ۳۲ھ تک مسلمان برابر اس جزیرہ پر مسلط رہے، اور جب نکلے تو ردی سلطنت کے نکلے نہ نکلے بلکہ ایک نئی قوم لینے نامرمنوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے ان کو بے دخل کیا،

۱۔ قاضی اسد بن فرات کی سوانح عمری کا حصہ ریاض النفوس فی طبقات علماء قیروان و فریقہ سے اخذ ہے، جس کا مخلص اماری نے اپنی کتاب ”ببلیوٹیکا اربو سکیو کا“ میں درج کیا ہے، (۱۸۵۸ء)

حیات امام مالک

از مولانا سید سلیمان صاحب دی

چمپکریا ہو گئی، امام مالک کے سوانح کے علاوہ علم حدیث کی ابتدائی تاریخ موطا پر تبصرہ اور فقہ مدینہ کا بیان اس میں مندرج ہے لکھائی چھاپائی کا غذا علی، صفحات ۱۰۴۔ قیمت ۱۰۰ پیسہ

”منہجر“

فرخ مشرق دی تاسی

کا

تذکرہ شعرائے اردو

از

مولوی محمد محفوظ الحق بی۔ اے

مشہور فرانسیسی اُردو دان گارسن دی تاسی سے کم لوگ ناواقف ہوئے اُردو ادب و تاریخ کا یہ مشہور ماہر عرصہ تک ہندوستان کی گلگشت کرتا رہا اور جب فرانس واپس گیا تو اُس کا دامن یہاں کے پھولوں سے بھرا تھا۔ گارسن نے نہ صرف یہاں کی زبانوں میں مہارت حاصل کی بلکہ ہندی و اُردو میں جتنی قلمی کتابیں مل سکیں، انکو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ ملک نے اُسکی کوششوں کی قدر کی اور اپنی قومی یونیورسٹی میں ہندوستانی علوم و ادب کی چیر اُسکو عطا کی۔ وہاں گارسن ہر سال اُردو علم و ادب کی ترقی پر لکچر بھی دیا کرتا تھا، جو چھپ کر شائع ہو گیا ہے اور سجدہ چُپ اور پراز معلومات ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ تاسی کو ہندی و اُردو علم ادب کی تاریخ میں تبحر کا درجہ حاصل تھا، اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہاں کی زبانوں سے عموماً اُردو سے خصوصاً اُسکو عشق تھا اور غالباً یہ عشق اُسکی زمین کا خیر ہے۔ وہ اُردو کا بہت بڑا مود تھا، اور ہر جگہ اُسکی خوبیوں کو سراہتا تھا۔ ہندوستانیوں سے عموماً وہ اسی زبان میں خط و کتابت کرتا چنانچہ معلوم ہوا کہ بلیا تک نیشنل (پریس) میں اُسکے بہت سے خط و اب بھی محفوظ ہیں،

تاسی کی تالیفات و تصنیفات کی فہرست طویل ہے۔ صرف ایشیا ٹک سوسائٹی (کلکتہ) میں اُسکی لکھی ہوئی حسب ذیل کتابیں فرخ زبان میں موجود ہیں، جن کے دیکھنے اور پڑھنے

سے اسکے شوقِ علم اور تبحر کا پتہ چلتا ہے،

- ۱۔ انتخابات ”انگل بکاوٹی“ مع ترجمہ و مطبوعہ پیرس ۱۸۳۵ء
- ۲۔ سبق آموز قصے، نقیضین اور گیت مترجمہ از عربی، فارسی، اردو و ترکی (پیرس ۱۸۴۶ء)
- ۳۔ ایک ہندوستانی ڈراما کا انتخاب (پیرس ۱۸۵۶ء)
- ۴۔ ہندوستانی (اردو) زبان کا ابتدائی رسالہ (پیرس ۱۸۳۳ء)
- ۵۔ ہندوستان کے مقبول گیت (پیرس ۱۸۵۵ء)
- ۶۔ منوچ آیاتِ قرآن (پیرس ۱۸۳۸ء)
- ۷۔ انتخابات از ہندی و اردو (پیرس ۱۸۳۸ء)
- ۸۔ مسٹر ورس کی فارسی، سنسکرت اور زندگی کپریٹو اسٹڈی نامی کتاب مختصر انڈین (پیرس ۱۸۵۸ء)
- ۹۔ ۱۸۴۷ء اور ۱۸۴۸ء کے درمیان اردو ادب کی ترقی پر تبصرہ مع مضمیمہ اردو کورس (پیرس ۱۸۴۷ء)
- ۱۰۔ ۱۸۴۷ء اور ۱۸۴۸ء کے درمیان اردو ادب کی ترقی پر تبصرہ (پیرس ۱۸۴۷ء تا ۱۸۴۸ء)
- ۱۱۔ مسلمانوں کی مذہبی اور فلسفیانہ شاعری ماخوذ از منطق الطیر، عطار۔ (پیرس ۱۸۵۷ء)
- ۱۲۔ مسلمانوں کا علم بلاغت۔ ماخوذ از حدیقۃ البلاغت، (پیرس ۱۸۴۴ء)
- ۱۳۔ انتخاب از بوستان شیخ سعدی معہ خلاصہ۔ (پیرس ۱۸۵۹ء)
- ۱۴۔ فناء سکنتلا ماخوذ از مہاجرات (پیرس ۱۸۵۲ء)
- ۱۵۔ اردو مولفین و مصنفین کے حالات اور انکی تالیفات تصنیفات کا ذکر مرتبہ از تذکرہ جات پیرس ۱۸۶۸ء
- ۱۶۔ اسرار و القاب اہل اسلام (پیرس ۱۸۵۴ء)
- ۱۷۔ ذکر تذکرہ جات مشتمل بر حالات شعراء و مصنفین ہندی و اردو (پیرس ۱۸۳۵ء)
- ۱۸۔ نظر بر انوار سبلی، ہونفہ ملا حسین دا عطا کاشفی۔ (پیرس ۱۸۳۲ء)

- ۱۹- ذکرِ کتبہ جات عربی و فارسی و اردو، (پیرس ۱۸۳۱ء)
- ۲۰- ہندوؤں کے اُن کھانوں کا حال جنکا پتہ اردو کتاہون سے ملتا ہے (پیرس ۱۸۳۳ء)
- ۲۱- مسلمانانِ شرق کا علم عروض (خصوصاً عربی، فارسی، ترکی و اردو عروض) (پیرس ۱۸۳۶ء)
- ۲۲- مسلمانانِ شرق کا علم عروض و بلاغت (پیرس ۱۸۴۰ء)
- ۲۳- ہندی کا ابتدائی رسالہ (پیرس ۱۸۴۰ء)
- ۲۴- سعدی (دکنی)، ہندوستان کا ایک مشہور شاعر (پیرس ۱۸۴۳ء)
- ۲۵- فلسفہ مذہب- اسلام قرآن اور عقائد و اعمال پر بحث (پیرس ۱۸۴۶ء)
- ۲۶- عباس خان لکھنؤ رشردانی احمدی کی ”تاریخ شیرشاہی“ کے ایک باب کا ترجمہ مشتمل بر حالات مسلمانان در عهد شیرشاہ (پیرس ۱۸۶۵ء)
- ۲۷- (سر) سید احمد خان کی ”آثار الصنادید“ کا ترجمہ (پیرس ۱۸۵۶ء)
- ۲۸- فلسفہ حیدری- اور مسکین کی نطو کا ترجمہ (پیرس ۱۸۴۵ء)
- ۲۹- ترجمہ و انتخاب ”اخوان الصفا“ (از اردو ترجمہ کتاب ہذا) (پیرس ۱۸۶۲ء)
- ۳۰- مذہب اسلام کے عقائد ماخوذ از قرآن (پیرس ۱۸۴۲ء)
- ۳۱- انتخاب کلام میر تقی میر مع ترجمہ (پیرس ۱۸۴۲ء)
- ۳۲- ترجمہ ”تشریح قوانین اہل اسلام“ مولفہ محمد بن پیر علی البرکادی در تری (پیرس ۱۸۴۲ء)
- ۳۳- عزیز الدین المقدسی کے پند آموز قصوں کا ترجمہ مع نوٹ وغیرہ (پیرس ۱۸۴۱ء)
- ۳۴- ترجمہ ”قصہ کامروپ“ مولفہ تحسین الدین (پیرس ۱۸۴۳ء)
- ۳۵- ”عہدِ اہنی“ کی مدت- و شنوداس کی ایک ہندی کتاب کا ترجمہ (پیرس ۱۸۵۲ء)
- ۳۶- انتخاب کلام ولی (دکنی) مع ترجمہ (پیرس ۱۸۳۶ء)

حسب ذیل دو کتابیں جو اس فہرست میں درج نہیں اسپرل لائبریری (کلکتہ) میں ہیں
 ۳۷۔ ہندی و اردو کورس برائے اسپرل اسکول، مع انتخابات از زبانہائے مشرقیہ،
 ۳۸۔ خصوصیات اہل اسلام در ہند۔ ماخوذ از کتب اردو،

مندرجہ بالا کتابیں تو ہندوستان کے صرف دو کتب خانوں میں ہیں، لیکن اگر برٹش میوزیم
 (لندن) یا بوڈلین لائبریری (آکسفورڈ) کی فہرست اٹھا کر دیکھی جائے تو میرا خیال ہے کہ اس
 فہرست میں اور بھی اضافہ ہو سکتا ہے، ناظرین اس امر کو پیش نظر رکھیں کہ اس طویل فہرست
 میں وہ بے شمار مصنفین درج نہیں ہیں جنکو وقتاً فوقتاً کارسن نے یورپ کے مختلف علمی رسائل
 میں شائع کیے لیکن اگر انکی فہرست بھی شامل کر دی جاتی تو میرا خیال ہے کہ یہ فہرست اور چند صفحے
 بڑھ جاتی۔ بہر کیف! اس بیان سے قطع نظر کہ میں اب اسکی بہترین تالیف "تاریخ زبان ہندی
 و اردو" کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، جس سے بہتر جامع، مفصل اور مکمل کتاب، ہندی و اردو شعراء
 و مصنفین کے حالات میں کسی زبان میں نہیں لکھی گئی۔ یہ تاریخ جو دراصل تذکرہ ہے پہلے دو ضخیم
 جلدوں میں پیرس سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد مولف نے اسپر نظر ثانی کی اور بہت
 سے شعراء و مصنفین کے حالات جو اسوقت دستیاب نہ ہوئے تھے اس میں بڑھائے اور شائع کر دیں اسکا
 دوسرا ایڈیشن تین ضخیم جلدوں میں شائع کیا اس کے شروع میں ایک دلچسپ اور طویل مقدمہ
 ہے جس میں اردو و ہندی کی تاریخ، لٹریچر اور اصناف سخن وغیرہ پر ایک قابل قدر بحث ہے اس کے
 بعد اصل تذکرہ، شروع ہوتا ہے، اور (بقول مولف) کوئی تین ہزار اردو و ہندی شعراء و مصنفین کے
 حالات پر ختم ہوتا ہے۔ اس طویل فہرست میں صرف ۲۵۰ ہندی کے اور بقیہ ۵۰۰۔۲۔ اردو کے
 شعراء و مصنفین ہیں، اور اس آخر الذکر فہرست میں بھی ۲۲۰۰ مسلمان ہیں،

افسوس ہے کہ اس قابل قدر (تاریخ) تذکرہ کا جوابی جامیت، ضخامت اور صحت

کے اعتبار سے لاجواب ہے، اب تک کوئی انگریزی یا اردو ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ صرف انجمن ترقی اردو (حیدر آباد) کی فہرست تراجم میں چند سال سے اس کتاب کا بھی نام آتا ہے کہ اس کا ترجمہ ہو رہا ہے لیکن خبر نہیں کہ اس وقت تک کتنے صفحات کا ترجمہ تیار ہے، اور کب تک اسکے شائع ہونے کی امید ہے۔ بہر کیف ادعا ہے کہ یہ صحیفہ علمی جلد سے جلد شائع ہو۔

راقم کا عرصہ سے خیال تھا کہ اس تذکرہ کا ترجمہ کرے لیکن ع زبان یا رمن ترکی دین ترکی نمی دغم کی مثل صادق آتی تھی اس لیے مجبوری تھی۔ حسن اتفاق سے علاء الدین محتری نواب سید نصیر حسین خان صاحب خیال نے راقم کو اس تذکرہ کی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ دکھایا جو قلمی اور مسودہ کی صورت میں تھا، اور ایک حد تک مکمل تھا۔ یہ ترجمہ نواب صاحب کو اس تقریب سے دستیاب ہوا کہ جن دنوں وہ فرخنج زبان سیکھ رہے تھے تو گارسن کا تذکرہ بھی پیش نظر رکھتے تھے۔ اتفاق سے اُسکے مرحوم فرخنج استاد کو کسی لیڈی نے لکھا کہ پانڈیچری میں ایک ریٹائرڈ ڈپٹی ان ریٹائرڈ ریٹائرڈ افس کے اس اس تذکرہ کا قلمی انگریزی ترجمہ موجود ہے۔ نواب صاحب موصوف کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو انھوں نے فوراً اُسکو خط لکھا اور ترجمہ دیکھنے کے لیے مانگ بھیجا۔ اُس فرخنج کی شرافت دیکھے کہ نہ صرف ترجمہ بھیج دیا بلکہ لکھا کہ ”اب میری بنیادی جاتی رہی“ اس لیے نہ تو اس سے زیادہ ترجمہ ہونے کا فریضہ ہے اور نہ اسکے شائع ہونے کی امید۔ اس لیے میں اپنا سارا مسودہ آپکے پاس بھیج رہا ہوں۔ آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔ یہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ نواب صاحب نے اسے ترجمہ کی خدمت راقم کے سپرد فرمائی اور میں نے یہ کام شروع کر دیا، اور ایک اچھے حصہ کا ترجمہ بھی ختم کر دیا۔ لیکن بعض موانع ایسے پیش آئے کہ ترجمہ تو کیا مسئلہ کے بعد سے اُدن اور اراق کے دیکھنے کی نوبت بھی نہ آئی۔ اب اپنی غفلت پر ندامت اور افسوس دونوں ہیں۔ بہر کیف! میں کفارہ دینے کے لیے حاضر ہوں اور اگر ڈار لمعنفین، ”انجمن ترقی اردو“ یا کوئی دوسری

مجلسِ آمادہ ہو تو بالفعل میں اس کا قابلِ قدر مقدمہ (جو بجائے خود مستقل کتاب ہے) شائع کرنے کے لیے تیار ہوں، اور اگر کوئی انجمن یا پریس واقعی مستعد ہو تو پورے تذکرہ کو بھی شائع کر سکتا ہوں۔^۱ جلد دوم کے لیے ہیں ایک فرخ استاد کی ضرورت ہوگی، جلد سوم میں زیادہ تر انتخابات ہیں اس لیے ان کے ترجمہ کی چنداں ضرورت نظر نہیں آتی،

تذکرہ تاسی کی جامعیت کا اندازہ آئندہ سطور سے ہوگا، جن میں مولف نے ان تذکروں اور گلدستوں کا حال یا نام لکھا ہے جو اس کی تالیف کا ماتخذ ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ تلاش و جستجو کی یہ ایک قابلِ تقلید مثال ہے، اور اس سے ہم لوگوں کو بہت کچھ سبق مل سکتا ہے،

ان سطور کے شائع کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ اُردو تذکروں کی ایک طویل فہرست تیار ہو جائے، اور شائقینِ تالیف و تصنیف کو اُردو تذکروں کی تلاش میں مدد ملے اور جو تذکرے اس فہرست میں موجود نہیں ہیں، یا جو موجود ہیں لیکن اب نایاب ہیں ان کی تلاش و تفتیش کی جائے یہ فہرست گو مکمل نہیں لیکن قابلِ قدر ضرور ہے۔ مولف نے بعض تذکروں (مثلاً سرو آرزو وغیرہ) کے متعلق غلطی کی ہے، لیکن میں نے عمداً اس کی اصلاح نہیں کی ہے، اور اسی طرح شائع کر دیا ہے اُمید ہے کہ ناظرین اس کو بطور خود دیکھ لیں گے،

آئندہ نمبر میں تاسی کے مقدمہ کی تلخیص ہدیہ ناظرین ہوگی،



۱۔ معارف۔ چونکہ انجمن ترقی اُردو اسکے ترجمہ کا اعلان کر چکی ہے، اس لیے وہ زیادہ مستحق ہے لیکن اگر کسی سب سے وہ تیار نہ ہو تو دارالمصنفین اسکے لیے حاضر ہے،

بابر یا بابر

از مولوی سید نبی شرف ندوی

بعض اوقات ہم معمولی چیزوں کے متعلق ایسی شدید غلطی کرتے ہیں کہ وہ صدیوں تک قائم رہتی ہے اور پھر اسکی تصحیح کے لیے ہکود لائل اور شواہد کی ضرورت پڑتی ہے چونکہ ہمارے اکثر فعل اور ترک سلاطین کے نام و لقب ترکی ہوتے تھے اور عام سرکاری زبان فارسی تھی، اسلئے اکثر ترکی نام فارسی لب و لہجہ میں آکر بدل جاتے تھے، اور ہم انکو صحیح اور اصل سمجھتے ہیں، اسی قسم کی غلطی ہم آج تک ہندوستان کے مشہور نامور شہنشاہ، بانی سلطنت مغلیہ غلیہ الدین بابر کے متعلق کرتے آئے ہیں ہم ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اس شہنشاہ اعظم کے نام کا آخری لفظ بابر (فتح باے ثانیہ) ہے، لیکن تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ بابر نہیں بلکہ بابر ہے (بضم باے ثانیہ) اس دعویٰ کے ثبوت میں یہ لائل پیش کیے جاسکتے ہیں،

چونکہ بابر اور بابر اردو اور فارسی میں ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے، اسلئے تاریخ کی سہام کتابوں سے اس لفظ کی صحت مشکل ہے، ہمارے فارسی لغت نویسوں نے بھی اس لفظ کی صحت سے اتفاق نہیں کیا ہے، اس بنا پر اس شکل کے حل کرنے کے لیے ہمارے پاس دو ذریعہ ہیں اول تو یہ کہ ہم کسی ایسی نظم کو تلاش کریں جس میں لفظ بابر قافیہ واقع ہوا ہو۔ یا پھر دوسری زبان کے مصنفین کی طرف رجوع ہوں جنکا خط عربی ہو، حسن اتفاق سے ایک ایسی نظم مل گئی ہے، جس میں لفظ بابر قافیہ واقع ہوا ہے

سلاطین کہ کشور میکشاہند ز خوان گوے دولت میر بایند

نبا شد از خلاف ظلم کیشان بیک منوال دائم حال ایشان

بیک نہنت گئے ملکہ شانند گئے در کار خود میران بمانند

نثر نوشتند گا ہے در سمرقند زمانے نے نثر یا بند نے کند
 چنین باشد در اول حال ایشان بود رافت و خیزا قبال ایشان
 دے یا بند آخر سمرقرازی چون سلطان جهان خاقان غازی
 ظہیر الدین محمد پادشا ہے گہ مانندش نہ بودہ دین پنا ہے
 خدیو کا مران پر تو دُر ملاؤ ملک ملت شاہ با بُر
 بعض حضرات اسپریہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ فارسی شاعری میں اس قسم کے قافیہ بازی نہیں
 اور اسکے ثبوت میں خود با بر کا یہ شعر پیش کر سکتے ہیں کہ۔

تا بزلت سہش دل بستم از پریشانی عالم مُستم
 ہاں یہ صحیح ہے، لیکن اگر صرف یہی ایک ثبوت ہوتا تو البتہ یہ مسئلہ متنازع فیہ تھا، لیکن اسکے
 متعلق اس قدر متعدد ثبوت ہیں کہ یہ نظم بھی ہمارے ثبوت میں ایک اضافہ ہی ہے،
 اب ہکو انگریزی، فرینچ، جرمنی زبان کے مستشرقین کی طرف متوجہ ہو کر دیکھنا چاہیے کہ
 اوخون نے اپنی اپنی زبانوں میں اس لفظ کا کیا تلفظ کیا ہے، بریزن (Brezina)
 المنسکی (Minskii) اور ٹیوفل (Toufal) جیسے مورخ و مستشرق اسے
 باؤ (Bauer) لکھتے ہیں،

بخارا و کاشغر کے ترکی بولنے والے لوگوں سے بھی دریافت کیا گیا وہ صاف باؤ کہتے ہیں
 سنہ ۱۹۱۰ء میں ڈاکٹر ای، ڈوی، اس، سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ نے بھی اس
 لفظ کے صحیح تلفظ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی، اور اس غرض سے مختلف ممالک کے مستشرقین کو
 خطوط لکھے۔ ان کے جوابات کے اقتباسات ذیل میں درج ہیں،

سٹر اس (Dunlop) اسٹنٹ لائبریرین انڈیا آفس لکھتے ہیں،
 داسن کے کتب خانہ کی عربی و فارسی کتب کی جو فہرست فلوگل (Lugal) نے
 بنائی ہے، اس کی جلد دوم صفحہ ۱۱۵ پر ایک پادشاہ نامہ کا تذکرہ ہے، جس کے آخری سادہ صفحہ
 پر بابر کے چند اشعار لکھے ہوئے ہیں، فلوگل اور اشعار کے معنی کا نام (Radwan
 padoscha) دیتا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نسخہ میں بابر لکھا ہوا ہے؛
 سٹر اس کو اسپر شک ہوا اور انھوں نے پروفیسر گبر (Prussian) سے
 تصدیق چاہی، نسخہ کو بذات خود دیکھ کر انھوں نے اس کی صحت کی گواہی دی،
 آگے چلکر سٹر اس لکھتے ہیں، کہ خود میرے قبضہ میں رکن بن شرف الدین الحسینی
 العالمی کی ایک کتاب پچھا باب سلطانی ہے، یہ کتاب مصر لاب کے متعلق ہے، یہ رسالہ مفت
 والدینا والدین ابوالقاسم بابر بہادر خان کے نام سے معنون ہے،
 بادشاہ کا نام صاف طور سے مضموم (بابر) ہے، معنی نے یہ کتاب ہرات میں منشیہ
 میں لکھی ہے، اور میرا خیال ہے کہ یہ نسخہ اس سے بہت بعد کا نہیں؛
 سٹر ایچ ہورن جی (Horn) نے جواب دیتے ہوئے المنسکی کے
 نسخہ کا حوالہ دیا ہے جس میں بابر کی ایک کتاب موسوم برہسین کا حوالہ دیا ہے، یہ نسخہ ۱۵۵۸ء
 میں قانین میں شائع ہوا تھا، اس میں صفحہ ۲۲۹ کا چھٹا شمارہ ہے، جس میں خود بابر نے بابر کو
 ”دور“ کا ہم قافیہ منظوم لکھا ہے،

اوشولار کیم بارسین ویدی بابر بریاکاسین کیم مفصل ایسا ندور

سٹر موصوف نے ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو (Asiatic quarterly review) میں

جنوری ۱۸۶۶ء میں ایک مضمون ”حبیب السیرا و بابر“ کے عنوان سے لکھا ہے، اس میں

ڈاکٹر ریو (DR. R) کا خیال ہے کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ بابر (۱۵۱۹ء) ہے، مشہور مستشرق مسٹر سٹیفلی لین پول جنھوں نے ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ کے علاوہ بابر اور درنگ زیب کے حال میں مستقل کتابیں لکھی ہیں اور اپنی کتاب کا نام بابر (۱۵۱۹ء) رکھا ہے، لکھتے ہیں،

ڈاکٹر ریو کے قول کے مطابق خود شہنشاہ موصوف کے شعر کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اس کے نام کا صحیح تلفظ بابر (BABUR) ہے۔“

اس مضمون میں ہندوستان کے مرن ایک بادشاہ کے نام کی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے، لیکن ہمارے سلاطین (عمرانوں) میں اور بہت سے اشخاص ہیں جن کے نام بھی ترکی ہیں، مثلاً ایک، آتش، تفلق، لیکن وغیرہ سب کے سب ترکی ہیں اور ہندوستانیوں کو نہیں معلوم کہ موجودہ تلفظ بھی صحیح ہے یا نہیں، اگر ان ناموں کی تصحیح ہو جائے تو وہ بہت سے نواقص جو ان سلاطین کے ناموں کے وجہ تسمیہ کے متعلق ہمارے مورخین لکھتے ہیں اونکی بھی تنقید ہو جائے گی، اس فرض کو وہ حضرات جنکو ترکی زبان اور تاریخ ہند سے واقفیت ہو کمال خوبی انجام دے سکتے ہیں امید ہے کہ ایسے اصحاب ادھر توجہ کریں گے،

اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہمارے دوستوں کو معلوم ہو گا کہ فارسی تاریخوں میں اکثر اصطلاحات اور عہدوں کے نام، عدالتی و فوجی اصطلاحات اور سامان تمدن کے بھی الفاظ ترکی ہیں، اور انہیں اکثر وراثتہ ہماری اردو زبان میں بھی مستعمل ہیں، انکی نقوی تحقیق اور انکی اصلیت کا سراغ لگانا اردو لغت کی بھی ایک خدمت ہے،

مستحقان

جرمنی کے صنعتی مدارس اور یونیورسٹیاں

تونس کے علمی رسالہ الفجر نے جب مسئلہ کے پرچہ میں، جرمنی کی تعلیمی کوششوں کا ایک مختصر نقشہ کھینچا ہے، ایک مشکلات سے بھرپور لیکن زندہ قوم کی کہانی ہمارے لیے کیا سودمند ہوگی؟

جرمنی طلبہ کی تعداد حیرت انگیز طریقہ سے بڑھ رہی ہے، اور ان طلباء کی تعداد جن کا تعلق کسی خاص مدرسہ صنعت یا یونیورسٹی سے ہے ۱۹۲۲ء کے گرامین ۵۴۷۰۰ تک پہنچ گئی ہے حالانکہ اس سے پچھلے ماہ قبل ۱۹۲۱ء کے سرایم ۱۰۹۳۳۰ سے زائد نہ تھی،

ان میں صنعتی ہائی اسکول میں تعلیم پانے والے طلباء کی تعداد ۲۳۲۴۲ ہے اور ان طلباء کی جو کسی یونیورسٹی سے تعلق رکھتے ہیں ۵۳۰۷۸ یہ لڑکوں کے متعلق تھا، لڑکیوں کی تعداد بھی اسی طرح نمایاں طور سے بڑھ رہی ہے، ۱۹۲۲ء کے جاڑوں میں ان کی تعداد ۴۷۵۹۲ تھی لیکن گریجویٹ میں ۸۶۳۶ تک ترقی کر گئی ہے،

ہماری حیرت و استعجاب کی اس وقت کوئی حد باقی نہیں رہتی جب ہلکویہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے تعلیم ختم کر کے یا کسی اور وجہ سے ان مدارس کو ترک کر دیا ہے ان کی تعداد کمین زیادہ ہے اس کے ساتھ ان لوگوں کے ناموں کا بھی اضافہ کیجیے جو لڑائی کے زمانہ میں اپنے مدارس چھوڑ کر گئے اور آج تک لوٹ کر نہیں آئے، ایسے لوگوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے اور ان کا اوسط بھی ۲۵ فیصد ہی ہے، پس ہم دیکھتے ہیں کہ اس کمی کے باوجود بھی ان کی تعداد بڑھتی ہی جاتی ہے اور کوئی چیز اس

زیادہ عجیب نہیں ہے، اور یہ صاف طور سے بتاتی ہے کہ یہ قوم کس قدر شائق و طالب علم ہے لیکن جوشے کہ ہر کوئی سب سے زیادہ تعجب میں ڈالتی ہے، وہ یہ کہ یہ طلبہ شوق علم میں جہانی معویتیں برداشت کرتے، روپیہ خرچ کرتے اور شادخت تکلیف سے زندگی بسر کرتے ہیں اور اس طرح اپنے کو علم و وطن کی خدمت کے لائق بناتے ہیں،

البتہ جو اشخاص کہ صرف لکچر سنتے تھے ان کی تعداد میں مسئلہ ۱۹ء کے جائزے سے مسئلہ ۲۰ء گری میں کمی ہو گئی ہے یونیورسٹیوں اور کالجوں دونوں کا ایک ہی حال ہے؟

لیکن جرمینی کی معمولی حالت ہے جنگ سے پہلے بھی داخلہ کی تعداد گریمنوں سے جاڑوں میں زیادہ ہوتی تھی،

مجموعی حیثیت سے بھی ان کی تعداد قبل از جنگ کی تعداد سے دوچند ہو گئی ہے، اور اس سال

بھی اوسین اضافہ ہوا ہے، پہلے صرف کالجوں میں ان کی تعداد ۲۵۶۶۶ تھی اور اب ۴۲۶۰ ہے،

اب ہم جرمینی کی مجموعی ترقی کو جو اس مسئلہ سے مسئلہ تک کی ہے: ذیل مختصر کے ذریعہ لکھا ہے:

مہینے		طلبہ کی تعداد		شہر کے خطبات علمیہ کی تعداد	
گرا	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	
۱۹۱۳ء	۵۶۶۹۳	۳۳۶۸	۶۵۶۸	۱۰۸۰	
۱۹۱۴ء	۵۵۶۱۴	۳۶۴۹	۷۸۴۸	۱۵۱۰	
۱۹۱۵ء	۵۶۶۹۱	۴۰۵۷	۷۰۷۶	۱۰۱۰	
۱۹۱۵-۱۴ء	۴۸۵۷۲	۳۹۰۱	۲۵۵۶	۸۷۶	
۱۹۱۵ء	۴۹۲۲۱	۴۵۶۸	۲۱۳۸	۴۸۷	
۱۹۱۵-۱۴ء	۴۹۸۱۸	۴۶۵۰	۲۹۸۰	۱۵۰۵	

شرکاء خطبات علمیہ کی تعداد		طلبہ کی تعداد		میں
لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	
۱۱۴۵	۲۸۸۴	۵۴۳۵	۵۱۸۰۸	گرماء ۱۹۱۶ء
۱۶۶۰	۳۱۷۸	۵۷۰۱	۵۵۲۱۹	سرماء ۱۹۱۶-۱۷ء
۱۰۴۲	۲۷۴۹	۶۲۰۴	۵۸۷۷۴	گرماء ۱۹۱۷ء
۱۸۱۲	۳۴۹۵	۶۵۶۳	۶۲۰۹۸	سرماء ۱۹۱۷-۱۸ء
۱۳۷۷	۳۸۱۲	۷۱۸۸	۶۴۳۹۱	گرماء ۱۹۱۸ء
۱۹۷۷	۵۹۳۰	۷۳۳۹	۶۹۵۱۰	سرماء ۱۹۱۹ء
۳۵۰۱	۹۷۶۵	۸۲۱۶	۷۱۱۲	گرماء ۱۹۱۹ء
۵۳۲۸	۱۲۸۵۷	۸۲۴۴	۸۱۱۰۲	سرماء ۱۹۱۹-۲۰ء
۲۹۲۸	۱۱۳۵۷	۸۱۸۶	۷۸۳۹۵	گرماء ۱۹۲۰ء
۵۱۱۹	۱۶۲۹۰	۸۱۷۳	۷۸۱۹۴	سرماء ۱۹۲۰-۲۱ء
۲۹۲۹	۱۳۹۳۳	۸۲۹۵	۷۹۱۳۵	گرماء ۱۹۲۱ء

اب یہ جاننا چاہیے کہ یہ طلبہ کن کن فنون کو حاصل کرتے ہیں، ذیل کے نقشہ سے ہکویہ بوضاحت

معلوم ہو جائیگا اور اسکے ساتھ ہی ساتھ ۱۲۷۷ء اور ۱۲۷۸ء کی تعداد سے موازنہ ہو جائیگا،

نقشہ اول، یونیورسٹی کے طلبہ

علوم (موضوع)	طلبہ	۱۲۷۷ء	۱۲۷۸ء
تعلیم انجیل {	لڑکے	۴۲۱۶	۳۲۸۱
	لڑکیاں	۱۸	۷۲

۲۱	۱۲	طلبہ	علوم (موضوع)
۲۱۴۹	۲۰۵۵	لڑکے	{ کیتھولک مذہب کی تعلیم
		لڑکیاں	
۱۹۳۹۸	۹۶۱۷	لڑکے	{ قانون
۶۱۸	۵۷	لڑکیاں	
۹۹۴۵	۳۳۶۰	لڑکے	{ اقتصاد سیاسی
۸۶۵	۱۲۸	لڑکیاں	
۱۴۷۱۲	۱۵۴۶۱	لڑکے	{ طب
۲۰۲۵	۹۷۹	لڑکیاں	
۴۷۷۵	۹۳۲	لڑکے	{ تشریح الانسان
۳۰۴	۳۸	لڑکیاں	
۹۵۵۰	۱۰۸۳۲	لڑکے	{ ادبیات (لٹریچر)
۲۷۲۵	۱۸۷۷	لڑکیاں	
۶۲۰۳	۶۱۴۸	لڑکے	{ ریاضیات و تاریخ طبعی
۹۳۲	۷۳۳	لڑکیاں	
۲۸۵۲	۸۸۵	لڑکے	{ کیمسٹری
۱۹۵	۲۹	لڑکیاں	
۸۴۸	۱۰۷۶	لڑکے	{ دوا سازی
۱۴۵	۱۰	لڑکیاں	

علوم (موضوع)	طلبہ	۱۳۴ھ	۲۱ھ
زراعت	رڑ کے	۱۳۵۳	۳۱۱۸
	رڑکیان	۷	۴۹
مختلف علوم	رڑ کے	۱۰۶۶	۲۵۲۳
	رڑکیان	۱۸۱	۳۶۵
میزان	رڑ کے	۵۶۶۹۱	۷۹۲۳۵
	رڑکیان	۴۰۵۷	۲۹۵
میزان کل		۶۰۷۴۸	۷۹۵۳۰

ان اعداد کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان ۸ سالوں میں ۲۷۷۴ طلبہ کایونیورسٹیوں میں

مضافہ ہوا ہے، اب ہم صنعتی کالجوں کے طلبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ذیل کے نقشہ سے اونکی ترقی ظاہر

فنون	طلبہ	۱۳۴ھ	۲۱ھ
ہندسہ (انجینئرنگ)	رڑ کے	۲۱۸۲	۱۸۴۸
	رڑکیان	۱۹	۴۱
آلات سازی	رڑ کے	۲۷۶۵	۳۱۴۷
	رڑکیان	۱	۲
میکانک	رڑ کے	۳۵۱۱	۸۵۵۹
	رڑکیان	۲	۱۳
برقیات	رڑ کے	۸۷۴	۲۹۷۰
	رڑکیان	۱	۳

۳۶۱۹	۱۸۶۰	لڑکے	{	کیمیائیات علمی
۱۱۳	۱۱	لڑکیاں		
۱۴۵۴	۷۹۷	لڑکے	{	مختلف علوم
۳۹	۷	لڑکیاں		
۹۷۶	۳۹۱	لڑکے	{	فنون عامہ
۱۳۰	۳۷	لڑکیاں		
۲۲۸۷۳	۱۲۳۸۰	لڑکے	{	میزان
۳۴۱	۷۸	لڑکیاں		
۲۳۲۱۴	۱۲۴۵۸	میزان کل		

اس ترقی سے پتہ چلتا ہے کہ صنعتی مدارس کے طلبہ سال کے عرصہ میں تقریباً دو نئے ہو گئے ہیں،
 المختصر تمام بڑی یونیورسٹیوں اور صنعتی کالجوں کے طلبہ کی تعداد ۱۹۱۲ء میں ۳۲۰۶ تھی اور
 ۱۹۲۱ء میں ۱۱۰۷۵۴ ہو گئی یعنی ۳۷۵۴۸ طلبہ کا اضافہ ہوا اور یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو ہم نے
 صرف بڑی یونیورسٹیوں اور مشہور کالجوں کے لیے ہیں)

یہ اس قوم کی تعلیمی ترقی کی داستان ہے جو شش سالہ جنگ سے چور چور ہو گئی تھی جس کا ہر گھڑا تمام سزا
 ہے، جس کے کہ کی قیمت دنیا کے بازار میں خرمرہ سے زیادہ نہیں ملتا بلکہ نئی ہمت بند کے سامنے یہ سب نشیب
 و فراز برابر ہیں،

نجیب اشرف ندوی

تکجیص تنکھڑ

حکیم حبسل خان

جون ۱۹۲۲ء کے ماڈرن ریویو مین، سٹرائنڈ ریویو نے حکیم اجل خان پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، جس میں پہلے ان کے خاندانی حالات، پھر خود ان کی زندگی کے واقعات اور اسکے بعد ان کے قومی و ملی خدمات گنگے ہیں، اکثر واقعات سٹریٹوٹھ نے اپنے عینی و سمعی بیان کیے ہیں، اور دکھایا ہے کہ وہ ہندوستان میں ”ہندو مسلم اتحاد کا زندہ عجمہ“ ہیں،

حکیم صاحب کا خاندان کا شجر سے جو اب چینی ترکستان میں واقع ہے، ہندوستان آیا تھا، اس خاندان کے مورث اعلیٰ باہر کی فوج کے ایک انسر کی حیثیت سے ہندوستان وارد ہوئے تھے، اسکے بعد اس خاندان میں خواجہ ہاشم اور خواجہ قائم دو بھائی پیدا ہوئے، یہ دونوں حیدر آباد سندھ میں رہتے تھے، اور وہاں بڑے کامل بزرگ مانے جاتے تھے، ملا علی قاری جو ہندوستان کے مشہور محدث اور عالم اور مصنف تھے اور جنہوں نے مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کر لی تھی، وہ بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، طب اور علاج و معالجہ کا شغل اس خاندان میں حکیم فاضل خان کے وقت سے شروع ہوا جو ملا علی قاری کے پوتے تھے، اسکے بعد اس خاندان میں طب کا غیر منقطع سلسلہ شروع ہو گیا جو اب تک بحمد اللہ قائم ہے، اس خاندان نے نہ صرف ہندوستان میں فن طب کو قائم و باقی رکھا بلکہ انھیں کی ذراست سے تمام ایشیا میں اسے قیام و بقا حاصل کی، اور کاشاۃ مرئیوں کے لیے دارالشفاء، عفا تو طالب العلوم کے لیے دارالعلم،

اس خاندان کی طبی شہرت حکیم شریف خان کے زمانہ میں ادج کمال کو پہنچ گئی، ادنیٰ طبی تصنیفات نے قبول عام حاصل کیا، اکا زمانہ محمد شاہ کا تھا، شاہی طبیب کی حیثیت سے اس خاندان کو تیموری دربار سے تین دفعہ جاگیریں عطا ہوئیں، جن میں اخیر جاگیر شہ کے غدر میں ضبط ہو گئی،

حکیم شریف خان نے اچھی خاصی عمر پائی، ادنیٰ بعد حکیم محمود خان نے شہرت حاصل کی، اور ادھون نے بھی ۷۴ برس کی عمر پائی، دہلی اور دہلی سے تمام ہندوستان میں عموماً ادشتالی ہندوستان میں خصوصاً انکی طرف رجوع عام تھا، اس خاندان کی طبی درس گاہ نے مزید شہرت اور قبولیت حاصل کی اور نہ صرف ہندوستان میں بلکہ مشرق وسطیٰ (ترکستان و روس) بلکہ مشرق قریب (ترکی) تک سے طلبہ اس درس گاہ میں طب کی تحصیل کے لیے آنے لگے بلکہ ایک طرف قاہرہ اور سلطانینہ سے اور دوسری طرف بخارا تک سے طلبہ بیان آتے تھے،

محمود خان کے جانشین حکیم عبدالحمید خان نے بھی اپنے خاندانی خصوصیات کو برقرار رکھا، مدرسہ طبیہ کو ترقی دی اور ایک باقاعدہ طبی درس گاہ کے قالب میں ادسکو ڈھالا، حکومت برطانیہ کی طرف سے ادنو کو عا ذق الملک کا خطاب ملا، حکیم عبدالحمید خان نے ۳۴ سال کی عمر میں وفات پائی، اور ادون کی جانشینی کا فرض ادنکے چھوٹے بھائی حکیم داصل خان مرحوم کے سر آیا، مرحوم نے مدرسہ طبیہ کی بڑی خدمت کی اور ادنیٰ طبی خدمات نے پنجاب اور صوبہ متحدہ میں بڑی ناموری حاصل کی، ادون کی وفات پر تمام دنی نے ماتم کیا،

اسکے بعد حکیم اجل خان صاحب نے اس فرض کو اپنے کندھوں پر اٹھایا علاج و معالجہ کی کامیابیاں، مدرسہ طبیہ کی ترقی، اور طبیہ کالج کے رتبہ تک ادسکا پہنچا، اور قدیم اسلامی طب کو جدید فن طب کی نئی تحقیقات سے مستفید کرنا، طبی کانفرنس کی بنیاد ڈالکر اطبائین روشنیابی پیدا کرنا حکیم صاحب کے روشن کارنامے ہیں، حکیم صاحب کی پیدائش ۱۷۰۷ء شوال ۱۲۰۸ء کو ہوئی، یعنی اسوقت حکیم صاحب

کی عمر تقسیرِ بئاتاؤن سال کی ہے، حفظ قرآن اور فارسی کے بعد عربی کی کامل تعلیم حاصل کی ادب، منطق، فلسفہ، ریاضیات، دینیات کے ساتھ طب کی تعلیم پائی، ادبیات سے حکیم صاحب کو خاص دلچسپی ہے وہ بے محکف عربی لکھتے اور پڑھتے ہیں، انگریزی گواہوں نے باقاعدہ پڑھی نہیں، مگر عام طور سے وہ انگریزی بھولتے ہیں اور کس قدر بول بھی لیتے ہیں، انکو اکثر موقعوں پر اردو ہی میں باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی ہے،

حکیم صاحب نے طب کی تعلیم صغریٰ میں گراپنے والد سے پائی تھی مگر خاص تعلیم اپنے بڑے بھائی حکیم عبدالمجید خان سے حاصل کی مسٹر انڈریوز کہتے ہیں کہ اور سچ یہ ہے کہ انکی طبی شہرت انکے بزرگوں سے کسی حیثیت سے کم نہیں ہے، اور مدرسہ طبیبہ کو جو ناموری اور ترقی انکے عہد میں ہوئی وہ کبھی نہیں ہوئی تھی مسٹر انڈریوز لکھتے ہیں کہ حکیم صاحب سے میری پہلی ملاقات دہلی میں ہوئی، انکے مدرسہ طبیبہ میں نہ صرف ہندوستانی طلبہ میں نے دیکھے، بلکہ اس قدر دور دراز ملکوں کے طلبہ انکے حلقہ تعلیم میں پائے، جیسے ترکستان اور مقدونیہ، مجھے خاص طور سے یاد ہے کہ وہاں میں نے ایک طالب علم کو دیکھا جسکا رنگ و روغن اور خط و خال یورپین معلوم ہوتا تھا، جب میں نے اسکا وطن دریافت کیا تو البانیا بتایا گیا،

حکیم صاحب سے میری پہلی ملاقات عجیب یادگار تھی، میں ایک مشنری پادری کے ساتھ انکے طب میں حاضر ہوا، دیکھا کہ زائرین کی بھیڑ لگی ہوئی تھی، امیر غریب، ہندو مسلمان سب تھے بلکہ غریب ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھی۔ اسوقت تک حکیم صاحب برآمد نہیں ہوئے تھے جب وہ آئے تو انھوں نے بلا تفریق دولت و جاہ اور قومیت و رنگ ایک طرف سے سب کو دیکھنا شروع کیا،

۱۹۰۵ء میں جب میں انگلینڈ سے لوٹا تو حکیم صاحب کو سنا کہ وہ عراق تشریف لے گئے ہیں چنانچہ تین مہینے عراق کے اہم مقامات کی سیر کی حکیم صاحب کو قدیم قلمی کتابوں کا بہت زیادہ شوق ہے۔ چنانچہ

عراق میں بھی ادونھون نے قدیم کتب خانوں کو دیکھا بھالا، اللہ اعین ادونھون نے یورپ کا سفر کیا، انگلینڈ، فرانس، جرمنی کے علاوہ قسطنطنیہ بھی گئے اور یہاں ادونھون نے نسبتاً زیادہ قیام کیا اُن میں سے ہر جگہ جدید طبی ورگاہوں اور عام مشرقی کبتخانوں کو بنظر غور دیکھا اور اسی کا نتیجہ طبیہ کالج کی موتِ نیاں ہوئے اسکے بعد مشراہنڈریوز نے حکیم صاحب کے دیگر قومی اور ملکی خدمات گنائے ہیں، جو زیادہ تر ہمارے دائرہ سے باہر کی باتیں ہیں، حکیم صاحب کی متعدد طبی تصنیفات بھی ہیں جن میں سے بعض نہایت اہم اور مکمل سے قدیم و جدید میں مختلف آراء ہیں،

انسانیت پر اسلام کے احسانات

مشر آکرین (MR. R. LISSAN) نے دی ریویو آف ریلیجنس میں ایک مضمون "انسانیت پر اسلام کے احسانات" کے عنوان سے لکھا ہے اس میں فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ اسلام تحریکِ انسانیت کا سب سے بڑا رہنما ہے، اس نے مرنے والوں کا غافلہ بند کیا بلکہ کسی قوم کو بھی مسکرات اور غلامی کے بدنامہ صوبوں سے اپنے دامنِ واغدار کرنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ اسکے برخلاف اس نے مردہ قوموں کو زندہ کر کے انہیں اپنی تازگی و جانِ فالدی، غلامی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض عیسائی مصنفین نے پیغمبرِ اسلامؐ پر ہوا ام گویا ہے کہ ادونھون نے رسمِ غلامی کو ایک مذہبی حیثیت دیدی ہے، (حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ) ادونھون نے اسکو بہت کم کر دیا ہے ایک لک کافرض ہے کہ وہ اپنے غلام سے بڑا بتاؤ نہ کرے، جو شخص اپنے غلام کو مارے اسکو چلبیہ کہ اسے آزاد کر دے، جو غلام اسلام قبول کرتا ہے، آزاد ہو جاتا ہے مالک کا کام ہے کہ اس کے لیے کھانا اور کپڑا جیسا کہ مغربی افریقہ کے باشندوں نے اسلام قبول کر کے اور ایک برادری میں داخل ہو کر کافروں کے حملہ سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی اسلام میں غلاموں کی

حالت عیسائیت سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اسے اچھی طرح رکھا جاتا ہے، اسے تعلیم دی جاتی ہے اور رکن خاندان کی طرح اس سے سلوک کیا جاتا ہے، اس طرح اس کو ذیل حالت سے اٹھا کر بنی طرح پر لایا جاتا ہے۔ کثرت ازدواج کے متعلق اظہار خیالات کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اگر اس کے معنی ایک عورت سے زیادہ تعلق رکھنے کے ہیں تو یہ نہایت مدلل طریقہ سے دکھایا جاسکتا ہے کہ اہل مغرب مسلمانوں سے کہیں زیادہ کثیر لار و راج ہیں، حالانکہ اہل مشرق بیشتر ایک ہی عورت پر قناعت کرتے ہیں۔

”عالم اسلامی میں دوسری بیوی نہایت اچھی طرح رکھی جاتی ہے اور نہ وہ اور نہ اس کے بچے کوئی معاشرتی نقصان اٹھاتے ہیں۔ لیکن مغرب میں ان بچاریوں کو سخت ایذاؤں دی جاتی ہیں، اس کے بچے قانوناً اولاد تسلیم نہیں کیے جاتے، اس لیے اسلام کا یہ عمل ایک لازمی ضرورت پر مبنی ہے اور اہل مغرب اس کے ذریعہ سے اخلاقی و معاشرتی عیوب کا ایک سلسلہ قائم کرتے ہیں،

مشرق کا دعویٰ ہے کہ تمام اعلیٰ خیالات اور لطیف جذبات جن پر اس وقت یورپ کو ناز ہے مشرق ہی سے آئے ہیں،

آفتاب مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اور مشرق ہی میں تمام مصلحان عالم پیدا ہوئے ہیں یورپ اسکی ایک بھی مثال پیش نہیں کر سکتا،

تمام اعلیٰ تحریکیں اور انسانی خیالات مشرق ہی سے آئے۔ یہ اسلام ہی کے اصول ہیں جنہیں صلیبی مجاہد اپنے ساتھ یورپ لائے تھے اور جو آج کل یہاں مانجے ہیں، فرانس نے جب پاپائے روم کی لٹاؤنگٹن کو منتقل کر دی تو تمام کام سُست پڑ گئے، لیکن جب جاہلین صلیب اسلامی تعلیم سے بہرہ اندوز ہو کر آئے تو پھر فرانس اور فرانس کے دوسرے شہر علم و مکت کی روشنی سے جگمگا اٹھے، ہسپانیہ کے سواروں اور مسلمان عربوں کی حقیقی بہادری نے یورپ کی معاشرت میں اور چار چاند لگا دیے۔“

اخترِ خیام علیہ السلام

خریام کے انگریزی ایڈیشن متعدد موجود ہیں، حال میں ایک جدید ایڈیشن ایک ہندی مسلمان کے قلم سے نکل کر شائع ہوا ہے۔ اس میں خیام کے سوانح حیات و فلسفہ پر تبصرہ کیا گیا ہے اور تعداد کثیر میں اسکی اصل رباعیان مع انگریزی ترجمہ کے درج کی گئی ہیں، شائع کرنے والی کمپنی کا نام اور پتہ کیلکٹ پال (Keweenaw Press) کمپنی پبلشرز، لندن ہے، کتاب کی ضخامت کچھ اوپر تین سو صفحوں کی ہے، اور قیمت ساڑھے دس شلنگ ہے، اسکے مولف جناب مولوی مسعود علی صاحب دارائی، مددگارِ شیرِ تعلیمات، بھوپال ہیں، جنکے انگریزی مضامین اکثر رسالہ اسلامک ویو میں شائع ہوتے رہتے ہیں،

— x —

ماہِ مئی میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں موضوعِ بحث یہ رکھا گیا کہ ”یونیورسٹیوں کے معاملات میں یہ یونیورسٹی، حکومت کی مداخلت کے بالکل مخالف ہے“ ایک مقرر نے دورانِ تقریر میں بڑنگم یونیورسٹی کی مثال پیش کی، کہ زمانہ جنگ میں سرکار نے اسکی اعانت جاری رکھنے کو صرف اس شرط پر منظور کیا، کہ وہ ایک خاص پروفیسر کو اپنے ہاں سے علیحدہ کر دے، اور اس قسم کی مداخلت کو ناقابلِ تحمل بتایا، مباحثہ کے بعد ۹ راکین تجویز کی موافقت میں اور ۵ مخالفت میں آئین۔ (کلکتہ ریویو)

— ❖ —

آئرلینڈ میں جو قوت سے آزاد حکومت قائم ہوئی ہے، انگریزی نوچیں برابر وہاں سے ہٹ رہی ہیں، اور انکے پہننے سے بارکین خالی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہ خالی بارکین سرشتہ تعلیم کے قبضہ میں

آتی جاتی ہیں، اور ان میں مدارس قائم کیے جا رہے ہیں، تغیر حکومت کے بعد سے ملک کے نظام تعلیم میں ایک اہم تغیر واقع ہوا ہے، کہ زبان تدریس بجائے انگریزی کے گیمک کر دی گئی ہے جو ایرلینڈ والوں کی مادری زبان ہے، اس غرض کے لیے تمام ملک کے مدارس میں بہ استثناء مدارس ڈبلن و کارک، جون، جولائی و اگست، تین ماہ کے لیے تعطیل دیدی گئی ہے، تاکہ تمام اساتذہ جنگی عزمین ۴۵ سال کے اندر ہیں، اس سماجی میں اس زبان کی تعلیم حاصل کر لیں، اور اسکی تعلیم کا بھی حکومت نے خاص اہتمام کیا ہے۔ ابتدائی و ثانوی تعلیم کے مدارس کے نصاب میں اس زبان کی تحصیل کو نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ ۱۰ جولائی میں ڈبلن میں اس زبان کی ترقی، ترویج کی تدابیر پر غور و عمل کرنے کے لیے ایک کانفرنس بھی بڑے پیمانہ پر ہونیوالی تھی، (کلکتہ ریویو)

— — — — —

جو لوگ ہندوستانی یونیورسٹیوں کے معاملات سے دلچسپی رکھتے ہیں، انکے لیے یہ جاننا یقیناً دلچسپ ہوگا، کہ برطانیہ کی جدید یونیورسٹیوں میں کن کن مضامین کی تعلیم ہوتی رہتی ہے ذیل میں برطانیہ کی تین اہم و جدید یونیورسٹیوں کے متعلق یہ معلومات درج کیے جاتے ہیں، برٹش یونیورسٹی میں، جو آج سے ۱۳۰ سال قبل سنتھ میں عالم وجود میں آئی ہے، مضامین ذیل کی تعلیم ہوتی ہے:

(۱) زراعت، (۲) علم تشریح، (۳) عربی و آرا می زبانیں۔ (۴) فنون لطیفہ (۵) کیسا و اجسام حیوانی (۶) فن نباتات، (۷) کیسایات، طبیعی، زرعی، بلتی وغیرہ (۸) السنہ قدیمہ دیوانی و ولایتی، (۹) فن وندان سازی، (۱۰) معاشیات (۱۱) تعلیمات (۱۲) انجینیری، (۱۳) انگریزی (۱۴) فزیخ (۱۵) جرن (۱۶) اطالوی (۱۷) عبرانی۔ (۱۸) تاریخ (۱۹) قانون (۲۰) لوکل گورنمنٹ (۲۱) اصول حکومت مقامی، (۲۲) جغرافیہ۔ (۲۳) ریاضیات (۲۴) ریاضیات (۲۵) طبیات (۲۶) عضویات (۲۷) اصول حفظان صحت (۲۸) حیوانیات۔ (۲۹) معدنیات (۳۰) علم بحریات ارضیہ (۳۱) فلسفہ (۳۲)

(دکلمتہ ریویو)

مذہبیات۔ (۳۳) صنعت و حرفت (۳۴) حربیات۔

— بھ —

برسنگم یونیورسٹی جسے عالم وجود میں آئے ہوئے (منسلہ ۶) آج پورے ۲۲ سال ہوئے ہیں،
مضامین ذیل کی تعلیم کی ذمہ دار ہے،

- (۱) انگریزی (۲) فرنیچ (۳) جرمن (۴) روسی (۵) اطالوی (۶) اسپینی (۷) السنہ قدیمہ (الطینی دنیاوی)
(۸) حساب کتاب (۹) تجارت، (۱۰) فلسفہ (۱۱) تعلیمات (۱۲) معدنیات و متعلقات معدنیات (۱۳) زراعت
(۱۴) فن نباتات (۱۵) تشریح انسانی (۱۶) حیوانیات (۱۷) عضویات (۱۸) طبیات (۱۹) موسیقی
(۲۰) دندان سازی (۲۱) تاریخ (۲۲) معاشیات (۲۳) فلزیات (۲۴) شراب سازی (۲۵) انجیری
(۲۶) قانون (۲۷) کیمیائیات (۲۸) طبعیات، (۲۹) ریاضیات (۳۰) ارضیات و معدنیات، (ایضاً)

لیڈس یونیورسٹی، جسے قائم ہوئے اٹھارہ سال ہوئے ہیں، مضامین ذیل کی کفیل ہے،

- (۱) انگریزی زبان و ادب (۲) فرنیچ (۳) جرمن زبان و ادب (۴) روسی زبان و ادب (۵) روسی
تاریخ و موسیقی (۶) اسپینی زبان و ادب۔ (۷) ایرانی (۸) السنہ قدیمہ (یونانی و لاطینی) (۹) جغرافیہ،
(۱۰) تاریخ (۱۱) قانون (۱۲) تعلیمات (۱۳) فلسفہ (۱۴) معاشیات (۱۵) زراعت (۱۶) تشریح (۱۷) طبیات
(۱۸) حیوانیات (۱۹) نباتیات (۲۰) دندان سازی (۲۱) کیمیائیات (۲۲) کیمیا و اجسام حیوانی (۲۳)
انجیری (۲۴) ریاضیات (۲۵) طبیات (۲۶) فلزیات (۲۷) حفظ صحت حیوانات، (۲۸) عضویات
(۲۹) منسلح، (۳۰) جنگلات (۳۱) علم نشو و نما، (ایضاً)

— * —

یہ ان برطانوی یونیورسٹیوں کا ذکر تھا، جو ابھی بیسویں صدی میں وجود میں آئی ہیں،

ماہجر کی مشہور یونیورسٹی، جو نسبتاً قدیم لینے سنہ ۱۸۸۷ء کی قائم شدہ ہے، اس کے نصاب درس میں مضامین ذیل کی تعلیم شامل ہے،

- (۱) انگریزی زبان و ادب، (۲) فرنیچ زبان و ادب۔ (۳) جرمن و لسانیات جرمن (۴) روسی (۵) اطالوی (۶) اسپینی (۷) عبرانی (۸) عربی (۹) ریاضی السنتہ و ادبیات (۱۰) حساب کتاب (۱۱) معاملات بینک و ساہوکاری (۱۲) تعلیمات (۱۳) معاشیات (۱۴) فلسفہ (۱۵) نفسیات (۱۶) فلسفہ سیاست (۱۷) زراعت (۱۸) اثریات (۱۹) تعمیرات (۲۰) تشریح (۲۱) عضویات (۲۲) طبیات (۲۳) حفظان صحت (۲۴) فن بيطاری، (۲۵) مذہبیات (۲۶) چینی زبان (۲۷) مصریات (۲۸) نباتیات (۲۹) حیوانیات (۳۰) طبیات (۳۱) کیمیائیات (۳۲) تاریخ (۳۳) قانون (۳۴) السنہ قدیمہ (لاطینی و یونانی) (۳۵) ریاضیات (۳۶) لسانیات (۳۷) ارضیات (۳۸) جغرافیہ (۳۹) صنائع (۴۰) موسیقی (۴۱) علم نشو و نما (۴۲) و دندان سازی (۴۳) بلور سازی (۴۴) انجینیری (۴۵) علم حجریات ارضیہ (۴۶) ریلوے (۴۷) صنائع برقی (۴۸) معدنیات (۴۹) تجارت۔ (۵۰) فلزیات، (کھلتیہ ریویو)



مصر کے ایک قدیم غار میں ایک مخطّٰی نقش برآمد ہوئی ہے، جس کی بابت علماء فن کا خیال ہے کہ وہ اس فرعون دشمن شاہ مصر کی نقش ہے، جس کا ذکر تورات کی کتاب خروج میں آیا ہے، اور جس پر چپک وغیرہ کی صورتوں میں سات بار عذاب الہی نازل ہوا تھا، اس لاش کے سارے جسم پر چپک کے داغ ہیں، جن سے تورات کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ داغوں کے علاوہ اس کے جسم پر وہ مُردہ کیڑے بھی ملے ہیں، جو چپک کے باعث ہوتے ہیں، اس کا زمانہ چار ہزار سال قبل کا ہو رہا ہے (پاپولر سائنس)

دنیا کا بہترین لاسکی اسٹیشن بورڈ کے قریب فرانس میں واقع ہے۔ یہ اتنی قوی لاسکی

موجین ارسال کر سکتا ہے جن کا طول ۲۳۰۰۰ میٹر یا ۱۴ میل تک ہوتا ہے۔ اس اسٹیشن کی تعمیر امریکہ کے محکمہ بحری نے کی تھی، مگر پھر اسے فرانس کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا، یہ اسٹیشن ایک طرف چار ہزار میل کے فاصلہ پر ڈانگلٹن تک پیام بھیجتا رہتا ہے، اور دوسری طرف فرینچ انڈوچائنا تک جوچھ ہزار میل کے فاصلہ پر واقع ہے اب تک اس اسٹیشن کی افغنیٹ مسلم تھی، لیکن حال میں جزیرہ لانگ واقع امریکہ کے ایک تجارتی اسٹیشن نے بھی اپنے تین اسکے مقابلہ میں پیش کیا ہے، جو ۱۹۰۰۰ میٹر یا ۱۲ میل کی طویل موجین ارسال کر سکتا ہے،

(پاپو رائس)



اہل سائنس نے لاسکی کے ایک جدید مصروف کی یہ تجویز پیش کی ہے، کہ اسکے ذریعے سے ہوا و آؤ کو فضائیں سطح زمین سے انکی بلندی کی اطلاع دی جاسکے،

(ایضاً)



مچرون کی بابت جدید معلومات یہ حاصل ہوئی ہیں کہ انسان کے لیے خاص طور پر موزی اسکی مادہ ہوتی ہے نہ کہ نرسر عجیب عموماً کا اہل و آرام طلب ہوتا ہے، اور اپنی اشتہا کی تشفی پانی، شراب وغیرہ سے کر لیتا ہے، برخلاف اسکے مادہ انسان کے کاٹنے اور ستانے میں مصروف رہتی ہے،

(ایضاً)



ڈاکٹر پیرس کی رائے ہے کہ نمک کی زیادہ مقدار استعمال کرنے سے قلب و گردہ کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں، چنانچہ پچھلے بیس سال کے عرصہ میں ان امراض کی جو زیادتی ہوئی ہے، اس کا باعث یہی نمک کا زیادہ استعمال ہے، ڈاکٹر صاحب کی رائے میں، اسطفا نمک کی جس مقدار کی ہر شخص کو ضرورت ہوتی ہے، اس سے وہ دس گنے سے لیکر بیس گنے تک زائد کھاتا رہتا ہے، نمک کی زیادتی سے خون سے پانی الگ ہو جاتا ہے، بعضی پیدا ہو جاتی ہے، مفصل و عروق شریہ میں انجا پیدا ہو جاتا ہے،

عضلات قلب میں شفت آنے لگتا ہے، اور پیرانہ سالی قبل از وقت آ جاتی ہے، ڈاکٹر صاحب کے نزدیک پانی کی مقدار کثیر نہ کم کی مصلح ہے،
(پاپولر سائنس)

ایک فریج ڈاکٹر کا بیان ہے، کہ ہر قسم کا کاغذ، ننھے خوردبینی کیڑوں کا گھر ہوتا ہے جو سخت سی سخت حرارت پہنچنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں،
(ایضاً)

جنوبی افریقہ کے عجائب خانہ میں ایک کچھو ا بھی مرا ہے، جو ۳۳۰ء میں پکڑ کر لایا گیا تھا، یہ بہت جیم و تنومند تھا، اور جوقت پکڑا گیا ہے، اس وقت پوری طرح بانج ہو چکا تھا۔ یہ کچھو نرنہ تھا بلکہ کچھو کی مادہ تھی، خیال کیا جاتا ہے کہ کچھوے کی عمر طبعی انسان کی عمر طبعی کے مساوی ہوتی ہے (ایضاً)

سیلون میں ایک قسم کا مکڑا یا گیا ہے، جسکے جانے کا قطرہ فٹ کاس ہے، اور جس کے مار کے خطوط طوائین دس فٹ سے بھی زائد ہوتے ہیں، اور اسے مضبوط ہوتے ہیں، مگر پرندوں اور مچھلیوں کے لیے دام کا کام دے سکتے ہیں
(ایضاً)

ڈاکٹر میکس شلیپ نے اپنا یہ مستقل خیال ظاہر کیا ہے، کہ جرائم کی بنیاد مادی و جسمانی ہوتی ہے، یعنی انسان جب جرائم کا ارتکاب کرتا رہتا ہے، تو اس بنا پر کہ اس کے اندر جسمانی کے نظام عمل میں کوئی نقص واقع ہو گیا ہے۔ اسلئے اکثر صورتوں میں، اگر اسد جرائم مقصود ہے، تو اسکی تدبیر بہاے غریب و تعدیک یہ بہتر ہوگی کہ مجرم کا علاج کیا جائے۔ بعض مجرم بیشک ایسے بھی نکلیں گے، جسکے قواس خلاقی میں فساد واقع ہو چکا ہے، سزا کو مرن انکے لیے مخصوص رکھنا چاہیے،
(ایضاً)

احیاء

نیانِ درسِ ازل

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا

از جناب شیر حسن خان صاحب جوش

صبح کے پرتو میں ہے جلوہ ترا مات کو تارون میں ہے تیری ضیا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

دیدنی ہے مقبروں کی خواجگاہ ایک ہی بستر پہین شاہ دگدا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

غنچہ نشاد اب صحنِ باغ میں سُکراتے ہی پریشان ہو گئے

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

بیٹھے دیکھے جناب آسا جہاز ڈوبتے دیئے سینے بارہا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

زندگی نے سیکڑوں سامان کیے موت نے آکر پشیمان کر دیا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

ذره ذرہ سے عیاں ہے انقلاب لمحے لمحے پر بدلتی ہے ہوا ،

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

چاند کے کڑے جنین کتے تھے لوگ خاک کے پیوند میں وہ مہ لقا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

جاگنا سیکا تھا جس نے روح نے سوربے ہیں قبر میں وہ دریا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

انکو رکھا ہے اندھیری قبر میں جن سے دالستہ تھا جسے کا مزا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

خود بخود اٹھتی ہے دلمین ہوک سی صبح کو چلتی ہے جب ٹھنڈی ہوا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اس طلسم حیرت و نیزنگ کی جانتا ہوں ابتداء انتہا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

بیتے دیکھیں آرزو دین بار بار ٹوٹے دیکھے ارادے بار بار

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

جل اٹھی شمع تمناے نرید گل ہوا فانوسِ بزمِ کربلا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اب بھی چونک اے جوشِ گریزِ نیند شب کے سناٹے میں آتی ہے صدا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

سرِ حقیقت

مولانا آغ بھیلانی (دہلوی)

ادراک میں کبر از نمود اپنا ہے بیگانہ خیال سے شہود اپنا ہے

ہر لحظہ ہے زہم اعتبارِ سی کا ہجوم مجموعہ ادہام، وجود اپنا ہے

بَابُ التَّحْفِیْلِ وَ الْاَوْاهِیْمَا

اُسوہ صحابہ

مولفہ

مولوی عبدالسلام ندوی

از جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے

اُسوہ صحابہ، اُسوہ رسول کا لازمی ضمیمہ ہے، سیرت رسول کے نکتہ کی سعادت شبلی کے جانشین کے نصیب میں آپ کی تھی، سیرتِ انصاریہ کی تحریر کا شرف اسی خرمین کمال کے ایک دوسرے خوش بین کے حصہ میں آیا۔ مبارک تھا وہ استاد جسے ایسے تلامذہ ملے۔ مبارک ہیں یہ تلامذہ جنہیں ایسا استاد نصیب ہوا تھا، مولوی عبدالسلام صاحب کے قلم سے دائرہ سمارت کا کوئی شخص نا مانوس نہیں ہو سکتا اُسوہ صحابہ انہیں کے تازہ ترین افادات سے ہے،

صحابہ کی تعداد، تنگ سے تنگ تخمینہ کے مطابق بھی ہزاروں کی ہے۔ سب کے مفصل حالات کہیں قلمبند ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔ صرف چند اکابر و مشاہیر کی تفصیلی زندگی کا دنیا کو علم ہے۔ لیکن اس سلسلہ اللہ سے عام اخلاقی درس حاصل کرنے کا جو مقصد ہے، وہ کسی ایک صحابی یا چند صحابیوں کے اوراق حیات کے مطالعہ سے پورا نہیں ہو سکتا، اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ سارے سلسلہ پر کجائی و اجمالی نظر ڈالی جائے، اور اس مرتع ہدایت و موغلت میں اس جمعیت عالیہ کے ایک ایک خط و خال کو اخلاقی شیشہ کی مدد سے معائنہ کیا جائے،

۱۷ صفحات ۳۴۴، تقبیل ۲۶+۲۰، قیمت ۱۰ روپے کا پتہ منیر دار المعنفین اعلم گدھ،

مولانا عبد السلام کی یہ تالیف اسی ضرورت کا حل ہے،

دریا اپنے منبع سے نکل کر جون جون آگے بڑھتا جاتا ہے، اسکی وسعت و پهنائی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، شاداب باغ و پرنسپا جہنم اسکے کنارہ تیار ہوتے رہتے ہیں، ہنر و زاروں اور لہلاتے ہوئے کھیتوں کے درمیان وہ اپنا راستہ بناتا رہتا ہے، آباد و پُر رونق شہر بننے اندر ہو کر دہ گز رہتا ہے، اسکی دلکشی بڑھتے رہتے ہیں، طرح طرح کے گھاٹ اور پل اسکی دلفریبی میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے، لیکن جہد و صاف، شفاف، بے آمیز و روان بانی دریا کے نکلنے کے مقام پر ہوتا ہے، وہ بات آگے بڑھ کر کہاں قائم رہ سکتی ہے، اور اہل نظر کو جو لطف و سرور اس پتھر لی، کوہستانی اور ناہموار زمین کے نظارہ میں آتا ہے اسکا عشرِ غیر بھی تمدنی مکلفات اور معنوی نفاستوں کے مناظر میں نہیں آ سکتا۔ یہی حال اسلام کا ہے، تیرہ سو برس کے عرصہ میں جو گھلکاریاں نقش آرائیاں ہوئیں، انکی نظرفریبی میں کلامِ نبین، تاہم جنفوس محض روئے جاتان کے حسنِ غیر تکلف کے دلدادہ ہیں، انکی تسفی تو صرف اسی گیم پوش حجازی اور اس کے رزقا و طریقت ہی (جن کے سرور پر حیرت و اَلَّذِیْنَ مَعَهُ سَابَیَہ کی زیارتِ جمال سے ہو سکتی ہے زیرِ نظر تالیف اس معنی میں ایک نگارِ غارِ حسن ہے جس میں مصوّر نے محبوب کے عشاق کی ایک ایک ادا کو بیر بن کاغذی پنا کر مجسم کر دیا ہے،

یہ اصحاب کس کے تھے؟ ایک اُسی کے، جو علوم ظاہری کا بجدِ شناس تک نہ تھا۔ اسلیے قدرۃ ان میں سے کوئی شخص بھی جدیدِ غنوم کے محاذ سے تعلیم یافتہ نہ تھا۔ نہ اسکے پاس کتبخانہ تھے، نہ انہیں نوادر کتب کی فراہمی کا شوق رہتا تھا، اور نہ خود اسکے الواحِ دل پر علوم و فنون، ”حکم و معارف“ کے نقوش کی سیاہی تھی۔ اسکے کانِ تشنگ و اشراق کے مصطلحات سے نا مانوس تھے، اور اسکے دماغ قیاسی ہتھیار کے مباحث سے نا آشنا۔ اسکے ”جانِ دول“ کا رخ ”دلدار“ کی جانب متعین ہو چکا تھا، اور ”مد کتاب و مد روق“ حوالہ نام ہو چکے تھے، اسکے قلوب کو نورِ ایمان سے منور کرنے کے لیے نہ کسی استدلال کی ضرورت تھی، نہ کسی عظم

کلام کی تدوین کی۔ انکے لیے سب سے بڑا معجزہ رُوسے دُاوا زیمیر کا تھا۔ چنانچہ
 بعض صحابہ نے صرف آپ کی شکل و صورت ہی دیکھ کر آپ کی نبوت کا اعتراف کر لیا۔ حضرت ابو رافع آپ کی
 خدمت میں قریش کی طرف سے قاصد بنکر آئے تھے لیکن چہرہ مبارک کے دیکھنے کے ساتھ ہی شیدائے
 اسلام ہو گئے، اور عمر بھر آپ کی شرفِ خدمت کو اپنا فخر سمجھتے رہے، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے آپ کا
 چہرہ دیکھتے ہی پکار اُٹھے، لیس هذا بوجه الكاذب (مجھ کو آدمی کا چہرہ ایسا نہیں ہو سکتا) (معاذ اللہ)
 بعض خوش نصیبوں کے لیے شرفِ زیارت کی بھی ضرورت نہ تھی، انکے لیے بجائے دیدار کے گفتار ہی
 میں کافی قوت تھی، انکے جذبہ ایمان کو قوت سے نفل میں لانے کے لیے،

”صرف اس قدر سن لینا کافی تھا کہ ایک پغمبر نیک کاموں کی ہدایت کرتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو صرف
 آپ کی نبوت کا غفلت نہ کر حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کر لیا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت
 طفیلؓ، حضرت ابو ذرؓ اسی قسم کے بزرگ ہیں“ (ص ۲۳)

ایک جماعت کثیر لڑی تھی، جسکے قلوب کا زنگ کلامِ باری کے دو فقروں سے دور ہو گیا۔ عمر فاروقؓ نے
 عثمان بن مظعونؓ، جیسر بن مسلمؓ، طفیل بن عمرؓ، خالد العدوانؓ، حلقہ اسلام میں اسی طرح داخل ہوئے تھے۔
 افراد سے قطع نظر کر کے بعض مرتبہ جماعت کی جماعت کلام مجید ہی کے معجزانہ اثر سے ایمان لائی ہے،
 ”انصار اول اول قرآن مجید ہی کے اثر سے ایمان لائے، حبش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا
 چرچا ہوا تو یس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انکے سامنے قرآن مجید کی آیتیں
 پڑھیں، انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور اسی وقت اسلام قبول کر لیا، حضرت ابو عبیدہؓ
 حضرت ابوسلمہؓ، حضرت ارقم بن ارقمؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے عرض اسلام کیا، اور
 قرآن کی تلاوت فرمائی، جب کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب مسلمان ہو گئے“ (ص ۱۹)

یہ بزرگوار جس شمع کے پردانہ، جس گُل کے بلبل جس یوسف کے پرستاروں میں تھے، وہ سزا پانہ خوبی

در عنائی و محبوبی و در یابی تھا، اسلئے لازمی طور پر انکے دلوں میں اسکا عشق صادق جاگزین تھا، اسکی زیارت جہاں انکے ہر درد کا درمان تھی، اسکی ہر نگاہ اتفاقات انکے لیے باعث فلاح و ادرین تھی، اسکا ایک تہنم ان کی نظریں عالم دمانی العالم کی قیمت کے معاوضہ میں ارزان تھا، اور اسکے ہر اشارہ چشم پر یہ اپنا نقد جان قربان کر دینے کو ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے، اس پیکر محبوبی کے نقش قدم جس سر زمین پر نظر آتے، اسکی خاک و زنگار عشق کے لیے سرسبز چشم کا کام دیتی تھی،

”آپ نے جہاں جہاں ناز پڑھی تھی، جہاں جہاں سفر میں قیام فرمایا تھا، مسجد میں جہاں مشغف ہوئے تھے، صحابہ کرام نے ان تمام مقامات کو یاد رکھا تھا، اور لوگوں کو اسکی زیارت کرواتے تھے حضرت نافع کا بیان ہے کہ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر نے مسجد میں وہ جگہ دکھائی، جہاں آپ مشغف ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس درخت کے نیچے بیٹھی تھی، اور جبکہ نام تجرۃ الرضوان تھا، وہ ایک مدت تک قائم رہا، صحابہ کرام اسکو مقدر تبرک سمجھتے تھے کہ اسکے نیچے ناز پڑھتے تھے۔“^{۱۳۹-۱۴۰}

یہاں تک آگئے ہیں، تو دوبار رسالت کی بھی ایک سرسری زیارت کر لینا چاہیے،

”صحابہ کرام... (جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دربار نبوت کے ادب و عظمت کے لحاظ سے خاص طور پر کپڑے زیب تن کر لیتے، ایک صحابیہ فرماتی ہیں، کہ میں نے تمام کپڑے بہن لیے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، البتہ طہارت کے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا اور آپ سے مصافحہ کرنا گوارا نہ کرتے... آپ کے سامنے بیٹھتے تو فرما ادب سے تصویر بن جاتے۔ احادیث میں اسی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ انما علی سروسہم الطیر یعنی صحابہ آپ کے سامنے طرح بیٹھتے تھے گویا انکے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے۔ حضرت عمر اگرچہ نہایت مقرب بارگاہ تھے، تاہم آپ کے سامنے گفتگو کرتے تھے تو آواز بلند نہ کرتے تھے، کہ سنائی نہیں دیتی تھی... فرما ادب سے کسی بات میں آپ پر تقدم یا مسابقت گوارا نہ کرتے۔ آپ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تو

راہ میں ناز کا وقت ہو گیا، اور صحابہ نے آپ کے آنے سے پیشتر ہی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی امامت میں ناز شروع کر دی، آپ اپنے تو ایک رکعت ناز ہو چکی تھی اسیلئے آپ دوسری رکعت میں شریک ہوئے۔ ناز ہو چکی تو تمام صحابہ نے اسکو بے ادبی بلکہ گناہ خیال کیا، اور سب کے سب درہ طور استغفار کے (بجائے اللہ سبحان اللہ کہنے لگے) (ص ۱۴۹-۱۵۰)

ایک بار حضرت ابوبکرؓ کا شائد نبوت میں آئے، تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ آواز بلند بول رہی ہیں فوراً ملاحظہ کیا اور کہا کہ اب کبھی آپ کے سامنے آواز بلند نہ ہونے پائے۔ (ص ۱۵۳)

یہ ایک مختصر نمونہ تھا۔ اگر ان سرخرو شون کی جان تاریوں، اور ان کشتگان محبت کی تینا پیر کی متعین، مفصل مثالیں دیکھتا ہوں، تو کتاب کے صفحہ ۱۴۳ سے لیکر صفحہ ۲۰ تک تجلیل الرسول کا پورا باب مطالعہ کرنا چاہیے جسکی متعدد فصول میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں: ادب رسول، خدمت رسول، محبت رسول، شوق زیارت رسول، شوق محبت رسول، ادب عرم رسول، وقیص علیہا، ادب و احترام، خلوص و عقیدت، عشق و محبت، فریفتگی و فتائیت کے بھی مناظر تھے، جنہیں صلح حدیبیہ کے وقت سفیر قریش، اعدوہ دیکھ کر دنگ رہ گیا، اور جب اپنے بان واپس گیا، تو سب کے سامنے بیان کیا کہ۔

”میں نے قہر، کسرئی اور بجاشی کے دربار دیکھے ہیں، لیکن محمد کے اصحاب جس طرح محمد کی تیغ کم کہتے ہیں میں نے کسی بادشاہ کے رعایا میں وہ بات نہیں پائی۔ اگر وہ تھوکتے ہیں، تو ان لوگوں کے ہاتھ میں اٹھاتھوک کرتا ہے، اور وہ اپنے جسم و چہرہ پر اسکو مل لیتے ہیں۔ اگر وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص مسابقت کرنا چاہتا ہے، اگر وہ دھمکتے ہیں تو وہ لوگ بچے کچے پانی کے لیے باہر لا پڑتے ہیں، اگر وہ بولتے ہیں تو انکی آواز میں پست ہو جاتی ہیں۔ ادب سے ان کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے“

بیچارہ عروہ بادہ مالک نہ رعب و اقتدار اور خسر و اندلس و سلطوت و مہربوت کچھ سمجھ سکتا تھا۔ لیکن ذوق و شوق، سوز و جوش، جذب و فدا کے یہ مناظر اس نے اپنی عمر میں کبھی کیوں دیکھے تھے، یہ جس عالم کے واقعات تھے، وہ ان تک اس پر نصیب کا طائر و ہم عملی نہیں پہنچ سکتا تھا،

یہ نفوس قدسیہ جن میں سے ہر ایک اعلیٰ سعادت و فضیلت کا تاجدار تھا، جس شہنشاہ دو عالم کی غلامی اپنے لیے ایسا ناز سمجھتے تھے، اسکی ساری تعلیم کا نامہ اشاعت توحید و تبلیغ عبدیت تھی۔ وہ اس لیے دنیا میں مبعوث ہوا تھا، کہ خود بینی و نفس پرستی کے منہم غلہ کو عملی شرک کی سب سے نمایاں مثال ہے، توڑے، اور آٹا خیرِ مصلحت کی اطمینان سے دنیا کو پاک کرے۔ اور اسی لیے ہر ایسا فعل جو انسان کے جذبہ انانیت و خودی کو مشتعل کرنے والا ہے، اس کی شریعت میں حرام قرار پایا۔ خود اس شہنشاہ کائنات نے دنیوی ثروت، و جاہت و حکومت کے باوجود، جس فقر و فاقہ، زہد و کمکت کی زندگی کا اپنے لیے انتخاب کر رکھا تھا، اسکا اندازہ مورخ سیر الصحابہ کے الفاظ ذیل سے کرو،

”آپ عموماً فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ صحابہ کرام کے سامنے آپکی خانگی زندگی کا یہ منظر آجما تا تو فرط محبت سے آبدیدہ ہو جاتے۔ ایک بار حضرت عمرؓ کا شانہ نبوت میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جسم مبارک پر تہ بند کے سوا کچھ نہیں تام بدن پر برہیان پڑ گئی ہیں۔ توشہ خانہ میں مٹھی بھر جو کے سوا اور کچھ نہیں۔ آنکھوں سے میا خہ آنسو نکل آئے۔ ارشاد ہوا کہ عمر کیوں روتے ہو۔ بولے کیوں نہ روؤں آپ کی یہ حالت ہے، اور قیصر و کسریٰ دنیا کے مزہ اڑا رہے ہیں۔ فرمایا کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہمارے لیے آخرت اور انکے لیے دنیا ہو۔“ (صفحہ ۱۶۹)

جس آقا نے یہ نظام زندگی اپنے لیے اختیار فرما رکھا تھا، اسکے عقیدت آئین، خلوص مجسم و دفا سرشت حلقہ گو شون سے یہ کیونکر ملن تھا، کہ وہ اپنی طرز معاشرت اس سے مختلف رکھیں۔ انھوں نے

اپنی معیشت و معاشرت کو بھی ٹھیک اسی معیار کے مطابق ڈھال لیا تھا، اور جان تک ممکن تھا، اس باب میں ایک دوسرے پر سبقت بچانے کی کوشش کرتے رہتے تھے،

آج جبکہ شرافت و عزت کا معیار تمام تر دولت و ثروت کو قرار دے لیا گیا ہے اور اخلاق تمدن نے افلاس و ناداری کو ہر قسم کی توہین و تحقیر کا مستوجب سمجھ لیا ہے، واقعات ذیل کے علم میں آجانے کے بعد خدا معلوم اصحاب نبیؐ کی عزت و مرتبت کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی،

صحابہ کرام نہایت فخر و فاقہ اور غربت و افلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک صحابی نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”کچھ مہر کے لیے بھی ہے؟“ بولے ”صرف یہ تہ بندہ“ آپ نے فرمایا ”یہ تہ بند اگر تم نے دیدیا تو یہ روپوشی کیونکر ہوگی، کچھ اور تلاش کرو۔“ واپس آئے تو کہا ”کچھ نہیں ملا“ فرمایا ”کچھ نہیں ملا تو روپے کی ایک انگلی بھی ہیں کہیں سے لاؤ، بولے وہ بھی نہیں ملتی۔ یہ سب کچھ تو نہ تھا، لیکن روحانیت کا خزانہ ساتھ تھا۔ آپ نے قرآن کی چند سورتوں پر نکاح پڑھا دیا (صفحہ ۳۲)۔۔۔۔

حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا نکاح ہوا، تو ایک زرہ کے سوا مہر کے لیے کچھ نہ تھا، ایسے اُسی کو مہر میں دیدیا (صفحہ ۳۲)

حضرت علیؓ سرور کونین کے داماد تھے۔ لیکن فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار گھر میں آئے تو دیکھا حضرت حسینؓ اور حضرت حسنؓ علیہما السلام رو رہے ہیں، حضرت فاطمہؓ سے پوچھا یہ کیوں رو رہے ہیں، بولیں بھوک سے بیتاب ہیں۔ گھر سے نکلے تو بازار میں ایک بڑا ہوا دینا۔ پایا اُسکا آٹا درگشت خرید۔ (صفحہ ۳۲)،

اصحابِ مہمہ کے تمام فضائل و مناقب میں سب سے زیادہ نمایاں کیفیت اُن کا فقر و فاقہ ہے، اُن کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے، تو ضعف سے گر پڑتے تھے۔

ہو دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ پاگل ہیں افرو فاقد کا آخری درجہ یہ ہے کہ انسان حرام کھانے

پر مجبور ہو جائے اور بعض صحابہ اس درجہ پر بھی پہنچ گئے تھے، (ص ۳۲۲)

غذا، لباس، مکان، غرض ہر شعبہ معاشرت اسی زہد و تقشف، فقر و مسکنت، کی تصویر تھا،

بعض صحابہ گھر تک بنانا پسند نہ کرتے تھے، حضرت سلمان فارسیؓ جس مرتبہ کے صحابی تھے، اب کو معلوم ہے۔ وجاہت دنیوی و ثروت کا یہ عالم تھا کہ مایین کے گورنر تھے، اور پانچ ہزار دینار و طیفہ پاتے

تھے۔ ان بزرگ نے اپنے لیے گھر تک نہیں بنایا تھا، درختوں اور دیواروں کے سایہ میں پڑھتے تھے

لوگوں نے گھر بنانے پر اصرار کیا پہلے تو راضی نہ تھے، بالآخر آمادہ ہوئے بھی، تو اس قدر تنگ و پست گھر

بنایا کہ کھڑے ہوتے تو سر چھت سے لگ جاتا، اور لیٹے تو انگلیاں دیوار سے! امیر دکرسی، خورش قالمین

تکبیر و بستر کا تو نام و نشان تک نہ تھا، ضروری غلڑوں میں بھی صرف ایک پیالہ اور ایک لوٹا، اور

اسے بھی زہد و قناعت کے منافی سمجھتے تھے اپنا پنچہ نزع کے وقت ان چیزوں کو دیکھ کر رو پڑے

اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم بھون کو وصیت فرمائی تھی، کہ دنیا سے صرف اسی قدر لینا، جتنا

ایک مسافر زاد راہ کے لیے لیتا ہے،

یہ چند واقعات جو اوپر درج کیے گئے، ساری کتاب اسی قسم کے معلومات سے لبریز ہے، یہ

معلومات منتشر طور پر عربی کی بیسیوں کتابوں میں لینگے، لیکن کسی ایک کتاب میں مرتب و مکمل

شکل میں شاید ہی مل سکیں، اور اردو میں تو قطعاً اس جامعیت کی کوئی چیز اب تک موجود نہ تھی۔

ازدو کے خزانہ میں اس کو ہر نایاب کے داخلہ پر جناب مولف، اور انجمن دار المصنفین، دونوں اُردو

خوانِ پبلک کی جانب سے شکریہ کی مستحق ہیں،

صحابہ کے اوصاف صحابیت سے قطع نظر کر کے ان کے عام اخلاق، مثلاً سکین نوازی، صبر و

ثبات، جرأت و شجاعت، ایثار، قیامی، عیب پوشی، علم، صداقت، دیانت، استغفار، مہمان نوازی

غفور درگزر وغیرہ سے متعلق صحیح، مستند و مفصل معلومات ان ادراک میں یکجا نظر آئیگی،

صادق العقیدہ کلہ گویان اسلام ایسی کتاب کا مطالعہ ہر زمانہ میں اپنے لیے موجب سعادت سمجھتے، لیکن آج جبکہ اسلام کو عقلیت، روشن خیالی و ترقی پسندی کا مُرادِ قرار دے لیا گیا ہے، جبکہ ”زوال“ اسلام کا باعث دنیوی حکومت و امارت، جاہ و شہرت، دولت ثروت کا فقدان و نقیص کی گئی ہے اور جبکہ دعوت اسلام کو تا ستر غنا مریدان، اسراف، تعلیم، قوت، اختراع، خوش پوشی خوش خوری خوش باشی، نفاس، نزاکت، امارت، تہ آسانی وغیرہ کا کفیل سمجھا جانے لگا ہے، اس قسم کی تالیفات کی اشاعت از بس ضروری ہو گئی ہے،

افسوسناک امر صرف اتنا ہے، کہ فاضل مولف نے جو سعی و اہتمام، کد و کاوش، تحقیق و احتیاط مواد کی فراہمی اور اخذ معلومات میں مد نظر رکھی ہے، اس کا التزام طرزا نشان دین نہ رکھ سکے۔ وہ اگرچہ ایک کہ نہ مشق معنیوں نگار و مصنف ہیں، تاہم بہتر ہوگا، اگر طبع ثانی کے وقت امور ذیل کا لحاظ رکھ لیا جائے (۱) زبان و لہجہ کی متانت، موضوع تصنیف کے متناسب رہنا چاہیے۔ سرور کائنات کے تذکرہ مبارک میں اس قسم کے فقرہ کہ آپ نے افعال فرمایا، (دوبا چہ ص) آپ کی وفات کے بعد اہل جو عموماً ہر شخص کے لیے موقع تعظیم پر استعمال ہوتے ہیں، اسوہ صحابہ جیسی خالص مذہبی تالیف میں بہت جگہ معلوم ہوتے ہیں،

(۲) بعض محاورات اور بعض الفاظ کے عمل استعمال پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ص پر ہے مہجر صحابہ مصر میں نازل ہوئے تھے، نازل ہونا ایسے موقع پر اُردو میں ذم کا پہلور کہتا ہے، ص پر صحابہ کرام کے متعلق ہے، کہ وہ ”مدون مدینہ میں نسل در آتش رہے“، نسل در آتش رہنا بھی پہلو سے دم سے خالی نہیں ص ۱۵۲ و ص ۱۵۳ پر ”سور ادبی“ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے بجائے ”بے ادبی“ یا ”سور ادب“ غالباً بہتر ہوگا،

(۳) مسودہ پر نظر ثانی غالباً بہت جلدت کے ساتھ ہوئی ہے، ایسے کلمات ربط مثلاً اگرچہ، چنانچہ، اس واسطے، اس لیے، تاہم، لیکن، وغیرہ کے استعمال پر ایک بار پھر نظر کر لینے کی ضرورت ہے،

ساڑھے تین سو صفحات کی ضخامت، اور اپنے محسن ظاہری و معنوی کے ساتھ یہ مین کتاب گویا مفت مل رہی ہے،

نغمہ سعادت

فن موسیقی پر یہ جناب صاحبزادہ سعادت علی خان بہادر ہوم سکریٹری ریاست رامپور کی تصنیف ہے۔ کبھی یہ فن شریف، اس قدر شریف تھا کہ پہلے فلسفہ کے معلم ثانی فارابی کی درگاہ میں فارسی شاعری کا ”آدم رود کی اس“ فردوس گوش“ کا باغبان تھا، ہندوستان کا سب سے بڑا شاعر خسرو سی کی کرامت سے نظام المشائخ کی روح پاک میں وجود حال پیدا کرتا تھا، مگر اب اسکی پستی کا یہ عالم ہے کہ یہ نور اب صرف شہر کی تیرہ دہائیوں میں نظر آتا ہے، سبب یہ ہے کہ اب اسکو صرف خاص گنگا رطب تک محدود کر دیا گیا۔ صاحبزادہ صاحب کی یہ کوشش کہ اب اسکو پھر شرفاؤں بن طبقوں تک پہنچایا جائے اور اسکی علمی اصول کی تشریح کی جائے۔ تعریف کی مستحق ہے، وہ اس فن کے ایک بالکال استاد ہیں، اسکو خاص طور سے مل کے ساتھ ادھون نے لکھا ہے، ادھو کا سلسلہ تعلیم میان تان سین گوانیاری تک پہنچتا ہے، ہکو خود چونکہ اس فن سے مرعین، ایسے نفس تصنیف کے متعلق ہماری لب کشائی کی جرات ایک بے سربلاگ لاپسٹا ہوگا تاہم سرری اسکو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس فن پر نہایت استیجاب کے ساتھ بحث کی گئی ہے تمام تانوں، سرون اور سرنو کو بیان کیا ہے، ایک ایک کی تخی کی ہڈ اور قدیم ہول کو جدید طریق پر لکھ کر بتایا ہے، زیادہ تر مہندی موسیقی کو سامنے رکھا گیا ہے، اور اسی کے اصطلاحات استعمال کئے گئے ہیں بیان و طرز اہلچلچلہا ہوا اور صاف ہے، تقطیع بڑی اصغفات، غالباً مصنف کچھ سے ملکی قیمت پر بیچ نہیں

مطبوعات عالیہ

لگاتار تان فارس، شمس العلماء محمد حسین آزاد مرحوم کی غیر شائع شدہ تصنیفات کی اشاعت کا سلسلہ اونسے پورے آغا طاہر صاحب نے شروع کیا ہے، اسی سلسلہ میں آزاد مرحوم کی یہ کتاب بھی شائع کی ہے یہ فارسی شعراء کا مختصر تذکرہ ہے، اردو کی سے لیکر ہندوستان کے شعرائے متاخرین حزمین - آرزو اور واقعہ پر تمام کیا ہے، ہر شاعر کے حالات کے ساتھ ایک کچھ منتخبات بھی درج کیے ہیں، اس نگارستان میں کل ۳۶ شعرا کے تذکرے آزاد نے سجائے ہیں، مگر آئین وہ آبجیات کا مزہ نہیں، عبارت نگین نہیں صاف اور سیدھی زبان ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آزاد کی ابتدائی تصنیف ہے، تاہم آزاد کی تصنیف ہے، اور اردو کے تبرکات میں داخل ہے، لکھائی چھپائی کا غذ متوسط، صفحات ۲۳۶ قیمت مجلد و مطلقاً صہ معمولی سے، پتہ: آزاد بک ڈپو، اکبری منڈی لاہور

خیالستان، سید سجاد حیدر صاحب معروف بریلدرم کی لطیف ادبی فتوحات جدید طبقہ کے دوسرے قلمران ادیب سے کم نہیں ہیں، وہ ہماری زبان کے پہلے انشا پرداز ہیں جنہوں نے ترکی ادبیات سے ہکو انشا کیا، اور اردو میں اس سخت جان قوم کے ادب "لطیف" کو فروغ دیا، اور اس کے طرز انشا کو اردو میں رواج بخشا، احساسات کی لطافت، ترکیب کی ندرت، جدید استعارات کی رنگین نوائی، اور پھر عبارت کی سادگی اور انرا نگیزی اس طرز کا خاصہ ہے، دارالاشاعہ پنجاب نے خیالستان کے نام سے بیلدرم کے تمام مضامین کو جن میں زیادہ تر خیالی افسانے ہیں، یکجا جمع کر دیا ہے، چھوٹی قطع کے ۲۷۷ صفحات پر یہ خیالستان آباد ہوا ہے، قیمت مجلد و مطلقاً صہ معمولی، پتہ: دارالاشاعہ لاہور اردو شعاعی، جناب منشی امیر احمد صاحب علوی بی۔ اے جو کسی زمانہ میں ہماری زبان کے ایک انشا پرداز

تھے ادیبانِ عدالت و مال، مکے ایوان میں کر سی نشین ہیں، اودھون نے مدت ہوئی کار و دو شاعری کے محاسن پر غالباً اردوئے معلیٰ کی پہلی ابتدائی جلدوں میں ایک مسلسل مضمون لکھا تھا اور ثابت کیا تھا کہ اردو شاعری کی طرف جن معائب کی نسبت کی جاتی ہے اودھ سے انگریزی بھی محمو ہے، اور پھر مغربی ادب شاعری کی جو تعریف کرتے ہیں اوس میار پر اردو شاعری بھی پوری اترتی ہے اور اسی ضمن میں انگریزی اور اردو شاعری کا باہم موازنہ کیا تھا یہ پورا سلسلہ نہایت پر معلومات اور دلچسپ تھا اور لوگوں نے اوس وقت اوسکی بڑی داد دی تھی، اب انوار المصاحف لکھنے نے اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی کا غذ عمدہ، صفحات ۸۰ قیمت ۲ روپے، انوار المصاحف نمبر ۳۷ دکھو یہ اسٹریٹ لکھنؤ اولاد کی شادی، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کا اس باب میں کوئی حریت نہیں ہو سکتا کہ اذکو اپنے مضامین اور تصنیفات کے لیے خوب خوب عنوانات سوچتے ہیں، اور پیش پا افتادہ باتوں سے وہ ہادی طرح کام کی باتیں پیدا کر لیتے ہیں، جسطح مٹی کے ڈھیر سے سونا اور درڑوں سے موتی نکال لینے ہیں، یہ بیوی کی تعلیم کا میسر حاصل ہے، اس میں اولاد کی شادی میں کن کن باتوں کا لحاظ اور کن کن پہلوؤں پر نظر ڈالنی چاہیے اس پر بحث کی ہے، یہ حصہ ہکو اس سلسلہ کے دوسرے حصوں سے زیادہ پر معلومات زیادہ عالمانہ اور زیادہ مفید نظر آیا، شرعی، ارکی، دنیاوی، عقلی ہر پہلو سے اولاد کی شادی کے مسئلہ پر خیال آرائی کی گئی ہے اور والدین کو بہترین مشورے دیے گئے ہیں، آخر میں ایک طویل فضاء ہے جس پر کتاب ختم ہو جاتی ہے، لکھائی چھپائی کا غذ عمدہ، قیمت جلد غیر مجلد ۲ روپے، خواجہ بکٹ پوٹلی بانگ جس، مولوی مسعود علی صاحب بریلوی نے اس نام سے چند قومی نظموں کا ایک مختصر مجموعہ شائع کیا ہے، ۱۹ صفحہ کا رسالہ ہے، قیمت ۲ روپے، شری کتب خانہ لاہور

خواجہ ورسم منتر لہا، مولوی ابورشد عبد المجید خان صاحب سالک شاہی، زمیندار لاہور کے عجوبوں ڈیڑھ کی شری نظموں کا مجموعہ، سالک کی قومی شاعری بے مزہ نہیں ہے اور قدردانی کی مستحق ہے، قیمت ۲ روپے، دارالاشاہ لاہور

جلد دوم ماہ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۲ء

عدد دوم

مضامین

۱۶۵ - ۱۶۲

شذرات

مولانا عبدالرحمن نگرانی ندوی

انسان اور اسکی کمزوریان

مولوی مقصدولی الرحمان صاحب ایم اے

کندی اور اسکا فلسفہ

مولوی محفوظ الحق صاحب بی اے

تاسی کا تذکرہ شعراے اردو

مولوی ابوالنصر سیاح صاحب بی اے

شانتی نیکیتان

۲۱۸ - ۲۰۷

عہد سلاطین ہند میں ڈاک کا انتظام

۲۲۳ - ۲۱۹

برطانی اثر اور تمدن ہند

۲۲۰ - ۲۲۲

انخبار علمیہ

مرزا احسان احمد بی اے

محمد علی کی یاد میں

جناب محمد الدین صاحب تاثیر بی اے

تنقید دیوان فانی

۲۲۸ - ۲۲۰

مطبوعات جدیدہ

اسوہ صحابہ جلد دوم

از مولانا عبدالکلام ندوی

کتاب مذکور کا دوسرا حصہ حبیبی صحابہ کرام کا نظام سیاسی اور ملکی انتظامات اور علمی خدمات کی تفصیل ہے

تفسیر، حدیث، فقہ، اسراء دین، تصوف وغیرہ علوم بقدر صحابہ کے عہد میں پیدا ہو چکے تھے

منہج

اور کی تفصیل ہے، ضخامت ۲۵۰ صفحات، قیمت للیبر

مشکلات

موسیو لوی سینا، فرانس کے ایک نامور مشرق ہین، ان کو علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ تصورات سے دلچسپی ہے، اور صوفیہ میں سب سے زیادہ حسین بن منصور حلاج سے، انھوں نے حلاج کی ایک تصنیف کتاب الطوائسین شائع کی ہے، اور عربی و فارسی میں حلاج کے جس قدر حالات مل سکے ہیں، ان کو یکجا کر کے چھپوایا ہے، فرانس کے زمانہ قیام میں موصوت سے کئی دفعہ ملاقاتیں ہوئیں، اب انھوں نے فرانسیسی زبان میں حلاج پر دو ضخیم جلدیں لکھی ہیں، جن میں حلاج کے متعلق جس قدر لٹریچر ہے ان سب کو اپنی زبان میں منتقل کیا ہے، اور وحدۃ الوجود وغیرہ تمام مسائل کی اور حلاج کے اقوال کی ایک ایک باب میں تشریح کی ہے، موصوت نے یہ دونوں جلدیں بدیہہ بھیجی ہیں، لیکن افسوس کہ ان اسرار کو فرانسیسی صوفی کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا، تاہم جہان تک عنوانات پڑھ سکا اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مولف نے بحث کا استقصا اخیر حد تک کیا ہے، علماء یورپ جو شغف و ذوق ہمارے علوم و فنون کے ساتھ رکھتے ہیں، کاش کہ ہم خود ان کے ساتھ رکھ سکتے،

اس مہینہ کی ڈاک سے برلن سے ایک نیا فارسی رسالہ ایران شہر ہارے پاس پہنچا ہے، اس کے ایڈیٹر آقا حسین کاظم زادہ قسیم برلن ہیں سارو کے بعد یہ دوسرا رسالہ برلن سے شائع ہوا ہے، بالفعل یہ چھوٹی قطع کے ۱۶ صفحات پر نکلا ہے، مضامین تا مہر ادبی ہیں، رسالہ نے اپنا مقصد، مشرق مغرب کو باہم شناسا کرنا طرہ کیا ہے، مائپ کی خوبصورتی اور طبع کی صفائی اس قدر دلنشین ہے کہ رشک ہوتا ہے کہ ہندوستان کیوں اس جنس سے محروم ہے، ہندوستان میں اس کی قیمت ایک پونڈ سالانہ

اور پتہ یہ ہے: ایرانشہر، برلن ڈبلو، ۳۰، مارٹن لیوٹر اسٹریٹ، ۵. Berlin W. 30, Martin Luther Street. بالفعل ماہوار ہے، آئندہ مہینہ میں دوبار ہو جائیگا، آقا کا نظم زادہ نے ایک خط بھی بھیجا ہے، جس میں لکھا ہے کہ قدر شناسان ہند اسکی حوصلہ افزائی کریں، فارسی اب تک ہمارے مدارس اور کالجوں میں زندہ ہے، اکثر طلبہ اور بعض اساتذہ فارسی رسائل کا پتہ پوچھا کرتے ہیں، ایران سے ڈاک کا سلسلہ منقطع نہیں، اسلئے بہتر ہے کہ وہ اس راستہ کی خریداری کریں،

جدید فارسی و عربی رسائل سے جہان اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، ایک خاص فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ جدید اصطلاحات اور یورپین معادرات کے لئے بہت سے نئے الفاظ ہاتھ آتے ہیں، "اسٹریٹ بیس" کے لئے اردو میں کسی نے "ادب عالیہ" کا لفظ استعمال کیا، مہمدی مرحوم اس کا ترجمہ ہمیشہ "خبر" لکھا کرتے تھے، اور ادون کی پیروی میں اور لوگ بھی یہ لفظ بولنے لگے ہیں، ایرانشہر نے اس کے لئے "شاہکار" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو ہمارے خیال میں دوسرے الفاظ سے زیادہ لطیف و نازک اور اردو کے مزاج کے مناسب ہے،

دولت آصفیہ و کن نادری تصنیفات کے نشر و اشاعت کی جو خدمت دائرۃ المعارف کے ذریعہ سے انجام دے رہی ہے، اس کا اعتراف نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام بلاد اسلامیہ میں کیا جا رہا ہے، علوم حدیث اور خصوصاً اسرار الرجال کی جس قدر کتابیں اس صیغہ سے شائع ہوتی ہیں، وہ کہیں دوسری جگہ نہیں ہوتی ہیں، اس وقت تک دائرہ نے مختلف علوم و فنون کی ۴۵ ضخیم کتابیں شائع کی ہیں جنہیں علم کلام، تصوف، تفسیر، حدیث، ادب، لغت، صرف و نحو، تاریخ، اسرار الرجال کی کتابیں داخل ہیں، ابھی حال میں وہاں سے امام حاکم کی مستدرک علی الصحیحین جو علم حدیث کی ایک نادر الوجود تصنیف ہے،

چھپر شائع ہوئی ہے، ابھی بالفضل پہلی جلد چھپر تمام ہوئی ہے اور دوسری جلد زیر طبع ہے، امام یاقسی کی مرآت پنجما
تاریخ و فیات میں بہترین تصنیف ہے، اسی سال وہ دائرہ سے چار جلدوں میں چھپر شائع ہوئی ہے،
اس سے پہلے سال علامہ ذہبی کی مختصر تاریخ دول اسلام چھپر نکلی تھی۔

+

جناب مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی ناظم آثار قدیمہ، سرکار عالی (حیدر آباد دکن)
اپنے ایک نواز شامہ میں مطلع فرماتے ہیں کہ ادن کے ذاتی کتب خانہ میں کچھ علمی نوادر موجود ہیں، بمجلد ادن کے
ایک "مصلح المتجد" فقہ شیعہ میں ایک کتاب ہے، اس کے مصنف علامہ شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی
ہیں، یہ مشہور قدیم مصنف ہیں، اور بہت سی تصنیفات یادگار ہیں، مثلاً تفسیر طوسی، مجمع البیان معلوم القرآن
تہذیب الاحکام، استبصار مبسوط، نہایہ، وغیرہ انکی سب سے شہور تصنیف، فہرست کتب الشیعہ ہے،
جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے چھپر شائع ہوئی ہے،

*

مصلح المتجد کا علمی نسخہ درحقیقت متعدد حیثیات سے نادر و روزگار ہے، یہ نسخہ صفر ۱۱۷۷ھ کا
لکھا ہوا ہے، اور بجائے سیاہی کے شبرہ خرماسے اس کی کتابت ہوئی ہے، خط خالص عرب ہے، آخری حلیفہ
بعد الاستعصم باقر کے مشہور وزیر محمد بن علی کی فرمائش سے یہ نسخہ تیار ہوا تھا، اور خود ابن علی کے ہاتھ
کے دستخط اوپر ہیں، علاوہ برین متعدد اکابر علمائے شیعہ کی نظروں سے یہ نسخہ گزر چکا ہے، چنانچہ شہید اول
محمد بن کی، شہید ثانی زین الدین اور ملا محمد باقر مجلسی کے حواشی ادب پرشہرت ہیں، اس نسخہ میں خط کی بھی
بعض خصوصیات ہیں، مثلاً اضافت کے لئے یہ (۶) علامت اور علامات جو اس طرح (۶۳) استعمال کئے گئے
ہیں بعض مقامات پر لفظ الع فیہما، اس طرح لکھا ہوا ہے، جس میں کوئی خط کی شان ہے، کان پر مرکز
نہیں بنایا گیا ہے، مثلاً ارکان، کل، برکات کو اس طرح لکھا گیا ہے، ارکان۔ کل۔ برکات،

جنگ عظیم سے قبل یورپ کی آبادی بین مرد و عورت کے درمیان ۱۱۰۰۰ اور ۱۰۳۰۰ کا تناسب تھا، اب یہ تناسب آبادی ۱۱۰۰۰ اور ۱۱۱۰۰ کا ہو گیا ہے، آخری اعداد کے بموجب یورپ میں مردوں کی کل آبادی ۲۲۵۰۰۰۰۰ ہے اور عورتوں کا مجموعی شمار ۲۵۰،۰۰۰،۰۰۰ ہو گیا، اناتاش کی تعداد بہ مقابلہ ذکر کے بعد ۲ کروڑ کے زائد ہے! جو عقلا وقت، حکما عصر اسلام کے جواز تعدد ازواج کو خلاف عقل و خلاف فطرت ارشاد فرماتے رہتے ہیں، وہ براہ کرم ان ڈھائی کروڑ فاضل عورتوں کے لئے موافق عقل و مطابق فطرت پارسایانہ زندگی کا کوئی طریقہ ایجاد فرمائیں گے؟

اسی ”موافق عقل“ و ”مطابق فطرت“ طرز معاشرت کے نتائج کے سلسلہ میں یہ خبر بھی دیکھی ہے سنی جا گی کہ الینوس (امریکہ) کی عدالت عالیہ، صیغہ طلاق کے جج، مسٹر سیڈو کے سامنے دو سال کے عرصہ میں ازدواجی زندگی سے متعلق ۶۵۰۰ مقدمات پیش ہوئے، اور ان مقدمات کی نوعیت، نیز اون کی کثرت کا بار اون کے دماغ پر اسقدر پڑا کہ بالآخر انہیں سستانے کے لئے ایک طویل رخصت لے لینا پڑی ہے،

غفلت و بھسی کی انتہا یہ ہے کہ ہمارے ہموطن و ہم قوم اس قسم کے واقعات ہر روز سنتے اور دیکھتے رہتے ہیں، پھر بھی حیرت نہیں، اور جس بلالے تہذیب کی یہ کرشمہ سازیاں ہیں، بدستور اوس کی کمزوری و مغفوت بنے ہوئے ہیں! لڑکوں کے اخلاق اگر خراب ہوتے ہوں، لیکن انگریزی کالج کی سند ضرور ہاتھ آجائے، لڑکیوں کی عصمت و شرافت اگر خطرہ میں پڑتی ہو تو پڑے، لیکن ان کا انگریزی تلفظ بہر حال ”میم صاحبوں“ کا سا ہونا چاہیے، دولت، صحت و سکون قلب اگر گھرافون سے رخصت ہو رہا ہو، تو ہوا مگر اس ننگ کو کیونکر گوارا کیا جاسکتا ہے کہ خاندان کا کوئی رکن، حکومت وقت کے کسی

مقالات

انسان اور اسکی کمزوریاں

از

مولوی عبدالرحمن نگرامی، ہندوی صدر مدرس مدرسہ جامعہ مولانا

عجائبِ ناز بہتی کی یہ عجیب ترین مخلوق انسان طرح طرح کی متفاد اور مخالف قوتوں کا مجموعہ ہے، عالم کائنات میں اسکا سرچینا ہی بلند ہے اتنا ہی عالم تخلیق میں وہ پست ہے۔ وہ اپنے آپ کو حقدار قوی، مضبوط، اور اونچا جانتا ہے اسقدر وہ اپنی خلقی کمزوریوں کے لحاظ سے ضعیف، ناتوان اور نیچا ہے، بے شبہ اسکی عقل، ذہنی اور دماغی قوتوں کا تفوق سب کے بالاتر ہے لیکن اس کے اس تفوق کی عمارت کچھ عیادوں پر قائم ہے کہ ذرا سی شمس تمام عمارت کو تہ و بالا کر دے سکتی ہے ایک انسان جو آج سوسائٹی میں اپنی اخلاقی فضیلتوں کے باعث نامور اور قابلِ تریف ہے کل وہ ایک معمولی سی غلطی پر سب کی آنکھوں میں کھٹکتا لگتا ہے، اسکی طرف انگلیاں اٹھنی شروع ہو جاتی ہیں وہ شرم و ندامت سے اپنی جھیلیں میں سر نہیں اٹھا سکتا،

نہ ہی طور پر اسکی ان کمزوریوں کی اصلاح و دुरुقیوں سے کی جاسکتی ہے یا تو شمار برائیوں کے لئے بے شمار مانتیں اور بدانتیں دی جائیں اور یا چند ایسی بنیادی برائیوں پر انسان کو مطلع کر دیا جائے جنکی اصلاح سے سینکڑوں مقاصد کا سد باب ہو جائے۔ ذیل میں چند ایسی خیریں کا ذکر کیا جانا ہے جنکو قرآن کریم خاص طور پر انسانی طبیعت کی کمزوریوں میں شمار کر آیا ہے اور جنکے متعلق بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ ہماری معاشرتی کوتاہیوں اور نہ صرف ہماری آپس کی کوتاہیاں بلکہ ہمارے بہت سی وہ قصور جو متعلق بہ عیدین

انہیں کمزوریوں سے پیدا ہوتے ہیں اور اگر ہم اپنے مشغول اور سرتاپا تندرست و آزاد اوقات عمر عزیز میں سے چند لمحہ اپنی ان خلقی حالتوں پر غور کر لیا کریں تو بڑی امید ہے کہ ہمارے نفوس کی بہت سی برائیوں کا علاج ہو جائے اور اگر ہمارے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑے، ایک دوسرے سے بدگمانی اور ذات باری تعالیٰ کے متعلق بہت سی بے ادبیوں کا خاتمہ ہو جائے۔

یہی انسان کی کمزوری ہے جو گناہوں کا سرشتیہ، برائیوں کی بنیاد، اور بدکاریوں کی جڑ ہے،

دوسری خلیت میں اگر انسان کے لئے پیغامِ رحمت، وسیلہٴ عفو، اور آخرتِ نیک، **يٰۤاَيُّهَا الَّذِي اَنْجَفُوْا عَنْكُمْ وَاَخْلَقَ الْاِنْسَانَ ضَعِيفًا** خدا چاہتا ہے کہ تمہارے بار کو ہلکا کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے،

انسان اپنی اصلی حالت میں انسان کو اگر تعلیم و تربیت سے علیحدہ کر دیا جائے تو وہ صرف ایک مستقیم

القامت حیوان باقی رہ جائیگا۔ اکبر نے گنگ محل بنا کر فطرت انسانی کا جو تجربہ کرنا چاہا اگر وہ تاریخی تصدیقات سے ثابت ہے تو اس کے ثبوت کیلئے کافی ہے، اسیدِ طرح محض علم و عقل پر اگر انکی حیات اور معیشت کا مدار ہے

تو اس کے الحاد اور سرکشی کا وہ عالم ہوگا جسکا نمونہ قریب قریب سارے یورپ میں نظر آ رہا ہے، ہان وحی والہام کی آبیاری، فطرت کا فیض، بارگاہِ قدس کی مہربانیاں، اسکا ساتھ دین تو وہ تمام فضائل کا، خوشیوں اور اخلاق کا مجسمہ بن جائے، اسکی اہل خلقت ہر قسم کے رنگ روپ، اور نقش و نگار سے ماری ہے، اسکو

اسی حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا کی سب سے زیادہ خوار و ذلیل مخلوق ہو جائے جو حال وقت اور زمانہ کا ہے کہ خود اس کے اندر کوئی خوبی نہیں حالات اور کیفیتوں کے اعتبار سے زمانہ کو البتہ اچھا اور برا کہا جاسکتا ہے

یعنی یہی حال انسانوں کا ہے، کہ جب تک وہ وحی والہام کا دامن تھامے رہیگا بھلائی اس کے حصہ میں رہیگی **وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِفِيْ خُسْرٍ** زمانہ شاید ہے کہ انسان (اپنی خلقت کے اعتبار سے) نقصان

محض میں ہے، یہ سورہ مبارک جس طرح تاریخی اور سیاسی عبرت ہے ٹھیک اسی طرح ایک اصولی اور اخلاقی تعلیم ہے۔

عجلت پندی | عجلت انسان کے خمیر میں ہے، جوش، اشتعال، مسرت، اور غیظ و غضب کے بحران میں وہ کیا نہیں کر گزرتا سکون ہوتے ہی ان مختلف جذبات کے نتیجہ میں اسے ندامت اور شرمندگی ہی ہاتھ آتی ہے ہماری موجودہ تحریک آزادی کتنی صعوبتوں بھینفوں اور قربانیوں کی طلبگار ہے حصول مقصد کے لئے رفتار کار کے مطابق مدت بھی درکار ہے یہ سب کچھ ہر مکر کارکن نوجوان غفلت شعاریں کیا کر سکتا ہے جلدی چاہتے ہیں، اپنا تو یہ حال ہے اور حریف غلبہ طاقت کی بدستی میں پکارتا ہے کہ خداوندی طاقتیں برحق ہیں تو وہ جلد سے جلد کیوں نہیں ظاہر ہوتیں اُف بعد کیا بنا لیتے ہیں کیا وہ ہمارے عذابِ باری میں جلیں گے بسا اوقات عالم یاس میں لوگ کسی مصیبت ناگہانی، اتفاقی موت، یا آسمانی حادثہ کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں یہ اسکی پست ہمتی، بے صبری اور زود پسندی کا نتیجہ ہے دیکھئے **الْإِنْسَانُ بِالسَّهَادَةِ عَاوِلٌ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولٌ** انسان بھلائی کی طرح اپنی برائی کے لئے بھی دعا کرنے لگتا ہے کیونکہ انسان عجلت پسند ہے اضطرابِ اعراض | ہر طبقہ کے انسان اپنے اپنے مرتبہ منصب کے مطابق مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں اگر بائیسے فکر و خیال، امرا کیلئے خوف مال، حکومتوں کو اندیشہ زوال، رعجن کے رتبہ میں سوا ان کو سوا مشکل ہے سب ہی اپنی اپنی مصیبتوں میں خدا کو پکارتے ہیں خدا ہو گئی کہ اکاؤنٹ اور پ میں بھی کوئی نہیں اسکی جھلک نظر آتی ہے جرمنی کا خطرہ پیش آیا تو انگلستان کے گرجے، ہندوؤں کے مندر، اور مسلمانوں کی مسجدیں ہر ملت و مذہب کی عبادت گاہیں سرکاری طور پر دعا کے لئے منتخب کی گئیں مصیبت میں یہ عاجزی و انکسار اور دفع مصیبت کے بعد ہی یقین خداوندی حقوق انکار یا اللعجب، اِذَا انْتَمَا عَلَى الْإِنْسَانِ اَعْمَى وَنَايَا بَيْنَهُ فَاِذَا امْسَكَ لَمْ يَدْعُ عَاوِلٌ لِيُفِي - جب ہم انسان پر اپنی نعمتیں نازل کرتے ہیں وہ اعراض کرتا ہے اور اپنا پہلو پچاتا ہے اور جب تملائے مصیبت ہوتا ہے تو لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے،

دو عجیب حالتیں | عالم یاس کی دعا، اور حالت ثروت کا اعراض بھی کیسا عجیب ہے، ایک وقت

تو انسان ناامید اور دوسرے وقت اُمید سے سرشار ہوتا ہے ایسا میں بہت کم اور یورپ میں بہت زیادہ خود کشی کے جو واقعات روزمرہ پیش آتے رہتے ہیں وہ اگر پہلی حالت کا نتیجہ ہوتے ہیں دوسری حالت کم و بیش دونوں بڑے عظیموں میں اور خصوصیت کے ساتھ ہمارے ملک میں بیشتر پائی جاتی ہے بہتر و فلاح کی زندگی بسر کرنے کے بعد دیکھا گیا ہے کہ حسن اتفاق، یا قوت بازو سے بہتوں نے انفرادی طور پر دولت پیدا کر لی لیکن دولت کے حامل ہوتے ہی، خدا، انسان، اقرباء، قوم، مذہب، سب کے حقوق بھول جاتے ہیں۔ ان دو حالتوں پر بڑی احتیاط سے نظر رکھنا چاہئے کہ بڑا حصہ دنیا کے گناہوں کا انصاف دو کیفیتوں کے علاوہ عجلہ طور سے پائے جانے یا باہمی امتزاج سے پیدا ہوتا ہے، وَلَکِنَّ اَذُنَّ الْاِنْسَانِ سَمَاعٌ ثُمَّ تَوَمَّنْ عَنْهَا ثُمَّ لَیْسَ لَکَ وَیْحٌ لِّکِنَّ اَذُنَّکَ لَا تَسْمَعُ لَئِنْ لَّمْ یَدْعُ صَرْفٌ مُّسْتَعِیْنٌ لِّتَقُولَنَّ ذَہَبَ السَّیِّئَاتِ عَنِّیْ اِنَّہُ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ۔ اگر تم انسان کو اپنے پاس سے کوئی رحمت دیتے ہیں پھر اس سے نکال لیتے ہیں تو پھر وہ ناامید اور ناگوار بن جاتا ہے اور اگر تکلیف کے بعد اسے اطمینان نصیب ہوتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب تو میری سب تکلیفیں رفع ہو گئیں وہ خوشی سے پھولا نہیں سکتا اور فرح سے بھر جاتا ہے،

الزام اسی طرح انسان تاج کو اپنے اعمال کی سزا نہیں سمجھتا بلکہ کشائش رزق اور تنگی وضع کی حالت کو دو عجیب و غریب اثرات کی طرف منسوب کرتا ہے فردا نی رزق کو اپنی خوبی پر محمول کرتا ہے جس کے باعث پروردگار عالم اسکی تعظیم کرتا ہے تنگی رزق پر ناخوش اور حقا ہوتا ہے، نَاَمَا الْاِنْسَانُ اِذَا مَّا اَبْلَاہُ رَبُّہٗ نَاکِرًا لِّمَا یَقُوْلُ رَبِّیْ اَلَمْ یُنَّ وَاَمَّا اِذَا مَّا اَبْلَاہُ فَقَدَ عَلَیْہِ رِیْبَةٌ مِّمَّا یَقُوْلُ رَبِّیْ اَفْکَا انسان کو جب اسکا پروردگار آزماتا ہے اس پر کرا کر تائب و تائب دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری تعظیم کی اور جب اسے آزمائش میں ڈالتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری توہین کی،

خود کا متاثرہ انسان اپنی بہتری کا اتنا خواہاں ہے کہ کسی حال میں بھی بھلائی کی دعا اور نیکی طلب نہیں تھکتا لیکن اگر کہیں ذرہ برابر بھی اسکی خواہش کے خلاف کوئی امر واقع ہوا تو اس کی امیدیں براؤں پڑ جاتی ہیں وہ اپنے مقام پر یاس و ناامیدی سے جم کر رہ جاتا ہے گویا کہ عمل و فعل کی دنیا سے اسے کوئی لگاؤ ہی نہیں۔ حالات کا رخ بدلا۔ زمانہ موافق ہوا، مصائب کا بادل چھٹا تو وہ اس کو بھول کر کہنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا میرے زور بازو اور قوت عمل سے ہوا کہ اَلَيْسَ لِلْإِنْسَانِ مِنْ دَعَاءٍ الْخَيْرِ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ لَيُؤَسِّ قُوْطُ وَلَئِنْ أَذْنَاهُ رَحِمْتَ لَفُتْنًا لَّيْسَ لَكَ لَعْنَةُ الضُّلَّةِ مَسَّهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا آتَىٰ - انسان کہی بھلائی کی طلب نہیں تھکتا۔ مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے اور مصیبت کے بعد جب راحت آتی ہے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ ہے میرے سبب ہے

ناشکری | ان مختلف کیفیتوں کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان کے دل سے خداوند عالم کی نعمتوں کا اعتراف اور اس کے انعامات بیکران کا اقرار محو ہو جاتا ہے اور وہ بندہ ناشکر گزار جاتا ہے عموماً ناشکر گذاری ناامیدی کے بعد پیدا ہوتی ہے (فَتَنَّا لِيُؤْمِنُوا كَفُورًا) وہ انسان مایوس اور ناشکر گزار ہو جاتا ہے، اور یا جب انسان مصائب کے دام سے آزاد ہو کر عارضی خوشحالی میں گھر جاتا ہے تو اسے خدا کی سب سے بڑی عبادت بھی ناشکر گذاری نظر آتی ہے۔ قرآن مجید میں بطریق مثال بیان کیا گیا ہے کہ لوگ دریائی سفر اختیار کرتے ہیں، طوفان آتا ہے، کشتی گرداب میں چکراتی ہے۔ اضطراب کی حالت میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھ جاتا ہے، لیکن فَلَمَّا خَفَّوْا إِلَى الْبَرِّ اعْرِضْهُمْ نَسُوا مَا كَانُوا الْإِنْسَانَ كَفُورًا پھر جب ان کو خشکی کی طرف نجات دیدی تو اعراض کرنے لگے ہو لیونکہ انسان ناشکر گزار ہے،

اجتماعی کیفیت | انسان کی آرزوؤں اور تمناؤں کے نتائج مختلف آسکال، حرص و طمع، جزع

دفع، منع و بخل کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ تنگدستی کے وقت فلاح کے لئے نبی نبی و عائین
 مشنوں کا انبار نذر و نیاز کا پستارہ۔ خیرات کی فراوانی نظر آتی ہے مگر مقصود کے حاصل ہوتے ہی تنگدستی
 فردا خیال مستقبل بچوں کا فکر اگھیرتا ہے، اس وقت تکمیل منت تو درکنار معمولی سے معمولی ابواب
 صدقات بھی بند ہو جاتے ہیں۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا۔ وَاِذَا اَمْسَهُ الشَّيْطَانُ هَمَزَ دُعًا۔
 وَاِذَا اَمْسَهُ الْحَيْرُ مَوَّعًا۔ انسان حریص پیدا کیا گیا ہے مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، دوسرے
 ملحق ہے تو صدقات سے رُک جاتا ہے،

مجلس شاید انسان کی کمزوریوں میں اس سے زیادہ عام اور اس سے زیادہ دقیق کمزوریوں
 دو ہی ایک ہوں بخل کی کتنی ہی سکلیں ہیں جو سخاوت، واسراف، کی حالت میں بھی پوشیدہ تھیں
 ہیں۔ صلہ رحمی، سلوک عام، شخصی احسان، قومی چندے، الغرض سب شاخیں انسان پوری
 کرتا ہے لیکن نفس اس خچ پر اپنی تنگی ہی ظاہر کرتا رہتا ہے۔ دل ایک قسم کے کرب اور یحسینی
 میں مبتلا رہتا ہے ان سب سے بالاتر فکر فردا، اسے اس بری طرح ستاتا ہے کہ وہ زروسم کے
 انبار رکھتا ہوا بھی افلاس و تنگدستی کو ڈرتا رہتا ہے اور باوجود ہر قسم کی کثرت و ثروت کے خچ
 کرنے کے وقت مال کے ہاتھ سے بچ جانے کا کم سے کم ایک ہلکا سا بوجھ ضرور محسوس کرتا ہے۔
 قُلْ لَوْ اَنَّكُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَتِي اِذْ اَلَمْ تَكُنْ تَخْشَوْنَ الْاِنْفَاقَ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَوْدًا
 کہہ دو کہ اگر تم لوگ خزانہ رحمت پروردگار کے مالک بنا دے جاؤ تو بھی خچ ہو جانے کے ڈر سے بخل کر گے
 انسان بڑا ہی بخیل اور کم خچ ہے،

میاک نادانی عالم کی بنیاد موسیقیت پر قائم ہے، موسیقیت عالم محبت کی ایک شیریں ترین
 مخلوق ہے، موسیقیت کبھی خاموش ہے اور کبھی گویا انسان ان دونوں حالتوں کا مجموعہ ہے
 وہ فطرۃ سادہ اور میاکی ہے سادگی اسے ہر خوشنما اور دلربا صورت کا شیفہ بنا دیتی ہے

میں یہاں سے خطرات میں گھیر دیتی ہے۔ دنیا کا پھلا انسان پیچیدگیوں اور دشمنیوں کی آزاد تھا لیکن اس کی مہیا کیوں نے اسے زمین پر ٹپک دیا، اور سادگی نے عقل کے جال میں جھنسا دیا جس باد کو آسمان وزمین نے نہ اٹھایا، نادان انسان نے اسے خوشی کے ساتھ اٹھالیا،

فَجَعَلَهُمُ الْإِنْسَانَ أُمْلَةً كَانَتْ أَفْئِدَتُهُمْ مُّغْوًى ۝ اس کو انسان نے اٹھالیا وہ نادان اور مہیا تھا۔

مہیا کی حد پر پھری رہتی ہے تو وہ کرشمہ محبت رہتی ہے اور حد سے بڑھ جاتی ہے تو ناشکری اور سرکشی بن جاتی ہے، إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفُطْرٌ كَفْرًا ۝ انسان مہیا اور ناشکر گزار ہے،

دوسری سرکشی | ایک سرکشی تو یہ ہے جس کی بنیاد نادانی و مہیا کی ہے دوسری صورت سرکشی کی اس سے زیادہ سخت اور شدید ہے جو انفرادی صورتوں میں بد اعمال تعیش اور اتلاف حقوق کا موجب بنتی ہے اور اجتماعی حالات میں ایک ظالم حکومت اور جابر سلطنت کے جامہ میں ظاہر ہوتی ہے، دولت انسان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے، اور تھوڑی سی رزق کی کشادگی، اسے اپنے مہبود اور مہبود کے قانون سے بھی الگ کر دیتی ہے،

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۝ انسان اپنے آپ کو غنی دیکھ کر سرکشی پر آمادہ ہوتا ہے

تین چیزیں | با این ہمہ اظہار استغفار انسانی طبیعت تمول کی خواہشمند اور دولت کی طلبگار

ہے اور اس طلبگاری کے ساتھ ساتھ خدا کا ناشکر گزار اور اپنی ناشکر گزاری کا ناقابلِ حج گواہ ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۝ إِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝ وَإِنَّهُ لَكَبِيرٌ لِّسَانٍ ۝

انسان اپنے پروردگار کا ناشکر گزار اور خود اس پر گواہ اور مال کا سب سے زیادہ چاہنے والا ہے،

کنکش | انسان جو اپنی خلقت کے لحاظ سے کمزور پیدائش کے اعتبار سے نازک جسم و توانائی میں محنت لیکن اس کی ہر آن ایک کنکش عام کے لئے وقت ہے اسکی زندگی کا مدار ہر شے کا انحصار اسی تقادم پر ہے تقادم جب تک قائم ہے زندگی کمناں چلتا ہے تقادم ختم ہوگا

اور موت کی گہری نیند طاری ہو گئی لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ - ہم نے انسان کو ایک شقت میں ڈال کر پیدا کیا (دائم پابند شقت ہے)

جدال و نزاع | کشاکش کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان، مقابلہ اور مجادلہ کے لئے تیار رہے، مقابلہ ہی ضد سے ہٹ دھرمی اور عصیت بچا کے رذائل پیدا ہوتے ہیں یہی باعث ہے کہ جب کہیں اس کے سامنے کوئی جلی اور نیک بات پیش کی جائے وہ نزاع کے لئے طیار ہو گیا وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَلْفُ شَيْءٍ جَدًّا - انسان سب چیزوں سے زیادہ جدل پسند ہے۔

آغاز و انجام | کمزوریوں کے ہوتے ہوئے بھی انسان کی فطرت اپنی ابتدا میں صالح اور نیک رہی گئی ہے طرح طرح کی آلائشیں، گرد و پیش کے واقعات، دنیا کی مصروفیتیں اس کی نیکی کو دبا تی ہیں اور برائی کے پردہ تاریک سے ڈھانپ دیتی ہیں۔ ہاں وحی و الہام کی اعانت - ایمان اور عمل ہی ایسی چیزیں ہیں جو انسان کی یاد دہانی کر سکتی ہیں، لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ تَشَدَّدْنَا لَهُ أَتَمَقَّلَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ - ہم نے انسان کو اچھی حالت میں پیدا کیا پھر اس کو نہایت پست درجہ کی طرف لوٹا دیتے ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیا ان کے لئے لازوال اجر ہے !!

اعلیٰ عمدہ پر فائز نہیں! جب ان دانشمندان سے سوال کیا جاتا ہے کہ مغربی ڈگریوں اور اشعاعات، و مغربی تعلیم و تربیت، مغربی تہذیب و شائستگی کے ساتھ یہ شیفتگی کس بنا پر، اور کن اغراض کے حصول کے لئے ہو، تو ان کے دلائل کا ترکش تیروں سے خالی نکلتا ہے، اور ان کے اس طرز عمل کی کوئی توجیہ بجز اسکے سمجھ میں نہیں آتی، کہ موجودہ نسل سے قبل والی نسل کی آنکھیں سو ساری کی جلمگا ہٹ سے جو خیر ہو گئی تھیں، وہی مرعوبیت آج تک مسلط ہے، سانپ اگر چہ جاچکا ہو، لیکن دلوں پر دہشت اس قدر غالب ہے، کہ اسکی کھل کو بھی ہاتھ لگاتے ہوئے دل لرزتا ہو،

الکندی اور اس کا فلسفہ

ji

مولوی معتمد ولی الرحمن صاحب ایم۔ اے لاہور

فیلسوف العرب ابو یوسف یعقوب بن اسحق الکندی عرب والدین سے کو ذہین تولد ہوا، وہ اپنا سلسلہ نسب قدیم کندی رُوسا سے منسلک لایا کرتا تھا اس کا باپ خلفا ہمدی درخند کے زمانہ میں کو ذکا والی تھا۔ اس کے آباد اجداد سب کے سب کسی نہ کسی صوبے کے حاکم رہے چنانچہ اس کا دادا قبیلہ کندی پر حکمران تھا۔ اگرچہ بعد میں وہ حکومت سے دست بردار ہو کر آنحضرت صلعم کے صحابہ کے زعفرین شامل ہو گیا۔ اس کا پردادا ابو حارث اصغر پر حاکم تھا۔ اس کے آباد اجداد کی حکومت ایسا امر واقعی ہے کہ جہین کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں تمام عرب مورخین اور مغربی مستشرقین اس باب میں متفق ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء ابن النقفلی ج ۱۱ ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۳۷ء)۔ عیون الانبیا فی طبقات الاطباء۔ ابن ابی اصیبعہ مطبوعہ مصر ۱۹۳۷ء۔ عربستان کی ادبی تاریخ مصنفہ مسٹر نکلسن ص ۳۶) تعجب ہے کہ ڈی بی رزایا عالم مجراور فاضل مشرق اس کو مانتے ہوئے چکچکا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ فلسفہ اسلامیہ مطبوعہ لندن ۱۹۳۷ء)۔ افسوس اس امر کا ہے کہ فاضل موصوف نے اپنے اس عقیدہ کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ لہذا دیگر مورخین کے اتفاق آراء کے ہوتے ہوئے یہ ماننا ہی پڑ گیا کہ وہ واقعی اس عزت کا حقدار ہے جسکو وہ اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اس نے اپنی تعلیم کے لیے عربیہ سلمہ یہ مضمون انگریزی زبان میں بھٹار کر اور نیٹیل ریچرڈ نیٹوٹ کے رہنمائی رسالہ بابت جنوری ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا ہے۔ اب اس پر خزانہ کی ادھر کچھ حفاذ کے لیے ناظرین معارف کیا جاتا ہے، اسے فان ڈایکنس لبرہ اسکا مولد قرار دیا ہے۔ (انٹرنیشنل قوامہ ہال)۔ (۱۹۳۷ء)۔ ملاحظہ ہو تمام تاریخ نگاروں کی کامیابی ہے۔ اس شخص کے اسکا وطن بعروہ تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ وہ عربی رہا ہی ہے۔ بلکہ بر خلاف اسے کوئی زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ جیسا کہ معلوم ہوا اس کا باپ کو ذکا والی تھا۔ لہذا فان ڈایکنس بیان کرتا تھا کہ

مین حاصل کی مگر تحمیل اس وقت تک نہ کر سکا جب تک کہ اس نے اس وقت کی تہذیب و تمدن کے مرکز یعنی بغداد کی زیارت نہ کر لی۔ بغداد کی آب و ہوا اور وہاں کے علم و فن کا چرچا اس کو کچھ ایسا بھایا کہ یہیں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں بہت جلد اس کے علم و فضل کا شہرہ ہو گیا۔ آہستہ آہستہ خلیفہ معتمد تک اس کی تعریف پہنچی۔ چنانچہ اس نے فوراً اس کو یونانی کتب کو عربی میں ترجمہ کرنے کی خدمت پر بلا لیا۔ یہاں ان یونانی تصانیف کو دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ یونانیوں کی تہذیب اور ان کے علم و فن سے اس قدر مرعوب ہوا کہ ان کی مدح سرائی شروع کر دی۔ دوسری طرف عباسیوں کے دربار کی شان و شکوہ نے اس کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ قدیم عربی تہذیب و تمدن کے مقابلے میں ایرانی تہذیب کو ترجیح دے گا۔

افسوس ہے کہ اس کے اوائل عمر کے حالات سے ہم بالکل واقف نہیں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ معتمد کے دربار میں کب تک رہا۔ مگر ان مختصر کوائف سے جو عرب مورخین نے اتفاقاً محفوظ کر لیے ہیں ہمکو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دربار میں صرف ترجمہ ہی کا کام اس کے ذمے نہ تھا بلکہ اور تراجم کی نظر ثانی اور ان کی اصلاح بھی اسی کے سپرد تھی۔ اس کے علاوہ شاہی منجم طبیب دریاگراری کے افسر کی خدمات بھی بجالاتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قابل رشک رتبہ پر ہمیشہ نہ رہا۔ خلیفہ متوکل کے زمانے میں علماء دین کا زور ہوا۔ اور زنادقہ اور ملاحدہ کا استیصال شروع ہوا۔ الکندی بھی چونکہ فلسفی شہور تھا اس لیے اسکو بھی اسی الزام میں مامور کیا گیا اور اس کا بیش بہا اور نادار کتب خانہ بحق سرکار ضبط ہوا۔ جو اس کی اپنی اور خلیفہ کی موت سے کچھ دنوں قبل تک واپس نہ ملا۔

افسوس ہے کہ الکندی کی تاریخ وفات سے ہم واقف نہیں، وجہ یہ ہے کہ عرب مؤرخین نے اس غریب کی طرف سے بہت بے اعتنائی برتی ہے۔ اور دوسری طرف ثنات ہے کہ اس کی تصانیف تقریباً سب ناپید ہیں۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی موت کے وقت

وہ دربار کی طرف سے مستوب تھا۔ یا کم از کم اپنے قدیم عالی رتبہ پر محکم نہ تھا۔ حیرت یہ ہے کہ مسعودی بھی جو اس کا اس قدر مداح تھا اس باب میں بالکل خاموش ہے۔ دوسری بونہر کا خیال ہے کہ وہ مشنہء کے بعد تک زندہ تھا (صفحہ ۹۹)۔

جنوبی عرب کا قبیلہ کندہ دیگر ہمصر قبائل کی نسبت تہذیب و تمدن میں بہت کچھ آگے تھا۔ اس لحاظ سے ابو یوسف کا اس قبیلہ سے ہونا کچھ تعجب خیز نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب اسکے وجود پر نازاں تھے، چنانچہ اس کو دیگر غمی غلا سفہ سے متنازع کرنے کی غرض سے اس کو فیلسوف العرب کہا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ وہ درشت خواہ جنگجو عرب میں یگانہ ہمصر تھا اس لیے وہ لوگ اس پر جتنا بھی فخر کرتے کم تھا۔ چنانچہ بہت جلد اس کا بحر علی۔ اور فلسفی تربیت منرب ایش ہو گئی۔ اسکو خود بھی فلسفہ سے استقدر شغف تھا کہ اس زمانے میں سوائے اس کے اور کوئی فلسفی کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا،

اس کے بہار آفرین قلم نے جس میدان میں بھی آبی زیر کیچ دو ہاں وہ وہ گل کھلائے کہ باید دنیا یہ وہ نہایت حیرت انگیز اور غیر معمولی دماغ کا شخص تھا، ہر مضمون کو خواہ وہ کتنا ہی سنگلاخ ہو پانی کے کہ بھادیتا تھا، ہر موضوع پر نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کر سکتا تھا! ابن تیمیہ نے اس کی تعینفات میں سے ۲۴۰ کے نام درج کیے ہیں۔ جن میں سے اکثر ارسطو کی تصانیف کی شرحیں ہیں۔ اس کی تصانیف کی تعداد بقید معائنہ میں حسب ذیل ہے۔

۱۶	احکامیات	۲۲	کتب فلسفہ
۱۷	جدلیات	۹	منطقہ
۵	نفسیات	۱۸	حسابیات
۱۱	سیاسیات	۸	کریات

۱۲	اصداثیات	۷	موسیقیات
۸	ایجادیات	۱۹	نجومیات
۵	تقدسیات	۲۳	ہندیات
۳۳	انواعیات	۱۶	فلکیات
		۲۲	طبیات

(الفہرست ابن ندیم ج ۱۰ اینڈ نیشن مطبوعہ سندھ ص ۱۷۷)

مگر ان تصانیف کے ناموں اور ان کے موضوع پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کا داغ اختراعی نہ تھا۔ وہ علوم متداولہ پر حاوی تھا۔ اس لیے جو کچھ اس نے لکھا وہ گویا ان کا پر تو یا نقش ثانی تھا۔ مثلاً دینیات میں وہ معتزلہ کا پیرو ہے۔ ان ہی کے زیر اثر اس نے انسان کی قدرت عل اور اس کے ظہور کے وقت پر بہت کچھ طبع آزمائی کی ہے، اس کے ساتھ ہی یہ ایک عجیب بات ہے کہ بعض عقائد و خیالات جو الگندی نے ظاہر کیے ہیں اس قسم کے ہیں کہ اس زمانہ میں ان کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اور بعض تو بالکل زمانہ رسال کی حقیقات و افکار کے موافق ہیں۔ مگر اس قسم کے نتائج اخذ کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اس کی تمام تصانیف ہوں جن کے مطالعہ سے ہمکو مصنف کے اصلی خیالات کا پتہ لگ سکے۔ اور بد قسمتی سے یہی بات ہمکو حاصل نہیں ہو سکتا ہے کہ موافقت لفظی اس کے خیالات کی غلط ترجمانی کرے۔ مثلاً الگندی نے ایک الگ رسالہ میں فلسفہ اور ریاضیات کے تعلق پر بڑی شد و مد کے ساتھ بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ بغیر ریاضی کے فلسفہ کو سمجھنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس کا یہ خیال زمانہ حال کی حقیقات کے عین مطابق ہے۔ لیکن اگر الگندی کی اور تصانیف ہمارے سامنے ہوتیں تو ہم یہ معلوم کر سکتے کہ ریاضی میں اس نے کس کس چیز کو شامل کیا ہے، اور وہ تعلق جو اس نے دکھایا ہے اس تعلق سے بالکل مختلف ثابت ہوتا جو آج کل بتایا جاتا ہے۔ ”ریاضی“ کے مفہوم کا مندرجہ

ابراہیم بن علی کے خیالات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ یہ وہ فلسفی ہے جسے عربی فلسفہ نے بہت بڑا اثر ڈالا تھا۔ اور اس شخص بنیامینی میں رقص۔ غنا اشارات اور آدابے موسیقی کے استعمال کو بھی شامل کیا ہے۔ یقیناً عرب فلاسفہ اور اس لیے اگندی نے بھی اس کو نہیں مسنون میں استعمال کیا ہوگا۔ لہذا اس کے خیالات کو زمانہ حال کے خیالات کے قریب لکنا خالی از اندیشہ نہیں،

فی دمانا اس کی تمام تعانیف ناپید ہیں۔ اس وقت اس کی قرابادین دستیاب ہوئی جس کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا ہے اور ۱۵۳۵ء میں سٹراس برگ میں شائع ہوئی ہے، بارشوی پر اسکی ایک اور تصنیف لاطینی میں ترجمہ ہو کر ۱۵۶۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اور تیسری علم ہیئت پر ۱۵۷۷ء میں لہ پیزنگ میں طبع ہوئی ہے،

اگندی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تجربی اور زرف مینی کے باوجود نہایت ہی مختصر نہیں ہے۔ یہ مسئلہ مدت تک لمبی چوڑی بحثوں کا موضوع رہا۔ چنانچہ بعضوں نے اسکو بخل سے ستم کیا۔ اور بعضوں نے اس کو اسکی کم علمی پر محمول کیا۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ یہ بخل کا نتیجہ ہے نہ کم علمی کا۔ بلکہ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس کی تعانیف صرف علماء و ماہرین کے لیے تھیں۔ اسوجہ سے اسنے اپنے دلائل کی توضیح و تشریح کو تفسیح اوقات سمجھا کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ علماء اور ماہرین کو اسکی ضرورت نہیں، اس خیال کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس نے اپنی تعانیف میں طریقہ تخلیلی کو اختیار کیا اور من گڑبست منطقی اصول کی چندان پرواہ نہیں کی،

ہم پہلے کہ آئے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی تعانیف فلسفہ میں سے کوئی بھی موجود نہیں،

۱۵۷۷ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۵۹۷ء میں مر گیا۔ اصل میں ایک انگریز پادری تھا۔ مگر اپنی خداداد ذہانت اور لیاقت سے ریاضیات اور علم الکیمیا میں بہت کچھ نام پایا۔ چنانچہ بارود کی ایجاد کی طرف منسوب کی جاتی ہے شروع شروع اس کو جادوگر سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعد میں اس کی قدر ہونے لگی۔ اور آج کل تو گویا وہ کی پیش چہرہ ہے،

اس دور سے اس کے فلسفہ کی باقاعدہ تشریح شکل اور بالکل غیر شافی ہوگی۔ البتہ ان پریشان اور پرآگندہ کوائف کی مدد سے جو ہم تک پہنچے ہیں بعض مسائل پر اس کے خیالات معلوم کر سکتے ہیں۔ حیرت ہے کہ مسلمان مؤرخین اور سوانح نگاروں نے بھی اسکی طرف بہت کم توجہی سے کام لیا ہے۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد میں ان کی ایسے ایسے جلیل القدر اور رفیع الشان اشخاص سے واقفیت ہوئی کہ الکندی انکے سامنے بیچ ہو گیا۔ وہ اس بات کو بھول گئے کہ الکندی ان قلیل التعداد عربوں میں سے ہے جن کے علمی دنیا میں حیرت انگیز کارنامے ہمیشہ کندن کی طرح دکتے رہیں گے، ڈی بوریقیناً ہمارے شکر یہ کا مستحق ہے کہ اس نے اس کے عقاید کو محفوظ کیا۔ ورنہ آئندہ نسلیں صرف الکندی کے نام یا اس کے سلسلہ نسب سے واقف ہوتیں،

الکندی نے فلسفے کو تین قسموں میں منقسم کیا۔ ریاضی، طبیعی اور اخلاقی۔ قسم اول میں اس نے فلسفہ طبیعی کو بھی شامل کر لیا جس میں فضا، غور، ثریت، جدید اور اثرا، قیوت، جدید ایک دوسرے میں مدغم ہو گئیں۔ اس نے فلسفے کی اس شاخ پر اس قدر زور دیا کہ یہ فلسفہ کا مترادف ہو گئیں، اس کا یہ خیال اس کے زمانے کے حالات کے عین موافق تھا۔ اس کے ہمعصروں کا قول تھا کہ ریاضی فلسفہ کا جو عظم ہے چنانچہ الکندی بھی اسی کا قائل ہو گیا کہ کوئی شخص اس وقت تک فلسفی ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا جب تک کہ اس ریاضی سے واقفیت نہ ہو۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں اس کے اس خیال کو بھی سمجھنے کے لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے زمانہ میں ریاضی میں ان باتوں کے علاوہ جو آج کل اس میں شامل ہیں اور بہت کچھ داخل تھا، ریاضیات کو اس نے یا تاں تک اہمیت دی کہ طبیات میں اپنے نظریہ ادویہ مرکبہ میں بھی اس سے گریز نہ دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ موسیقی کی طرح ان ادویہ کی تاثیر بھی نسبت ہندی پر منحصر ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ موسیقی میں آواز کا تناسب ضروری ہے اور طب میں ہر چار اوصاف محسوس یعنی گرمی، سردی، خشکی اور تری کا تناسب مثلاً اگر ایک دوا اول درجہ میں

گرم کنی منظور ہو تو اس کے مرکب کی نسبت اس میں دو گنی گرمی ہونی چاہیے۔ علیٰ ہذا لقیاس و دیگر اوصاف بھی ظاہر ہے کہ اس امر کا فیصلہ جس ذائقہ کے سپرد کیا جائے۔ کیونکہ اس معاملے میں ذہنی بہترین ثبات بن سکتا ہے، ان خیالات پر غور کرنے سے صاف نظر آ جاتا ہے کہ زمانہ حال کے مہیج اور محاسبہ کے تناسب کے نفسیاتی نظریہ کی ابتداء ایک ہزار برس قبل الکنڈی نے کر دی تھی۔ اور الکنڈی کے اس نظریہ کی وجہ سے کارڈن نے اسکو بارہ دقیقہ رس فلاسفہ میں شمار کیا ہے،

الکنڈی کا خیال تھا کہ دنیا کی تخلیق خدا کا کام ہے۔ مگر اس پر اس کا اثر درمیانی و کلاہ کی وساطت سے پڑتا ہے۔ جو ایک نظام میں منسلک ہیں۔ اس نظام میں علیٰ وجود ادنیٰ پر اثر کرتا ہے۔ مگر معلول کا علت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بظاہر عجیب ہی بات معلوم ہوتی ہے مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو اسکی وجہ صاف نظر آ جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ علت معلول کی نسبت نظام موجودات میں زیادہ عالی رتبہ ہے۔ اور چونکہ علیٰ ادنیٰ پر اثر آفرین ہوتا ہے نہ کہ ادنیٰ علیٰ اعلیٰ پڑا اس لیے ظاہر ہے کہ معلول جو ادنیٰ ہے علت پر جو اعلیٰ ہے کوئی اثر نہیں کر سکتا، اس کائنات میں الکنڈی کے خیال کے مطابق ہر جگہ قانون علیت کا دور دورہ ہے۔ اور اسی قانون کی وجہ سے ہم ماضی و حال کی بنا پر مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کر سکتے ہیں۔ اور اس قانون کی عدم موجودگی میں ہمارے تمام علوم استقرائہ کا عدم ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ الکنڈی قانون استقلال قدرت کی طرف سے بھی غافل نہیں کیونکہ اگر اس قانون کو نظر انداز کر دیا جائے تو قانون علیت بالکل بیکار ہو جاتا ہے اور ہم اس کی بنا پر کسی قسم کی پیشین گوئی کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ قانون استقلال قدرت کا منشاء

سہ جرم کارڈن ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوا۔ یہ بڑا مشہور فلسفی اور ریاضی دان تھا۔ ۱۸۵۶ء میں مر گیا۔ بعض لوگ کا خیال ہے

کہ اسے خود کشی کی۔ کیونکہ اس نے پیشین گوئی کی تھی کہ وہ ۱۸۵۸ء میں مرجائے گا۔ Law of Causation

Law of uniformity of nature

۱۸۵۸

اگر ایک خاص علت ہمیشہ ایک خاص معلول کا باعث ہوگی۔ مثلاً یہ کہ آگ ہمیشہ جلایگی۔ یہ مین ہو سکتا کہ آگ کبھی تو جلائے اور کبھی اڑا دے۔ اگر ہم اس قانون کو نہ مانیں تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک علت کسی معلول کا باعث ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر اس وقت آگ نے کپڑے کو جلادیا تو یہ ضروری نہیں کہ کل بھی جلای دے بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کو ہوا کی طرح اڑا دے۔ ایسی صورت مین ظاہر ہے کہ پیشینگوئی بالکل ناممکن ہو جاتی ہے۔ الکندی اس قدر غام علم نہ تھا کہ وہ قانون علیت کو قبول کر لیتا اور قانون استقلال قدرت کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا۔ برخلاف اس کے اسکو ان دونوں قوانین پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ یہ کہا کرتا تھا کہ اگر ہم موجودات مین کسی ایک چیز سے اچھی طرح واقف ہوں تو ہم اشیاء کے سارے نظام کو سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ چیز کو یا آئینہ ہوتی ہے جس مین تمام کائنات کا عکس پڑتا ہے،

نظام موجودات مین روح عالی مرتبہ ہے اور تمام فعلیت کا سرچشمہ۔ برخلاف اس کے مادہ بالکل جامد ہے۔ یہ روح کا تابع ہے اور اسی کی خواہشات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اس مین بذاتہ کسی قسم کے فعل کی قابلیت نہیں، ان خیالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ الکندی کے خیالات مین روح و مادہ کی ثنویت پائی جاتی ہے۔ اور میساہم آگے چل کر دیکھینگے۔ وہ تا آخر دم اس عقیدہ پر نہایت قدم رہا۔ اس کے تمام خیالات اسی رنگ مین رنگے ہوئے ہیں۔ اس کے نزدیک نفس روح الہی اور عالم مادی اور جسمانی کے مابین ہے۔ اور اسی وجہ سے اس مین دونوں کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اور دونوں سے بہت جلد متاثر ہو سکتی ہے۔ یہی نفس عالم کروی کی توین کا باعث ہوتی ہے۔ نفس انسانی نفس عالم سے منفصل ہوتی ہے چنانچہ یہ اپنے تمام افعال مین جسم سے متعلق ہے اور اپنے جوہر مین اس سے بالکل آزاد ہے۔ اس عقیدہ کی مدد سے اب ہم اس سوال کا جواب نہایت آسانی سے دے سکتے ہیں کہ جہاں مادی ہمارے نفس پر کسی قسم کا اثر کرتے ہیں کہ نہیں۔ ہر شخص تسلیم کر لے کہ ہمارے مرنے والے طبی واقعات تک محدود ہوتے ہیں۔ اور اس لیے ظاہر ہے کہ ان پر اثر کرتے ہیں مگر

نفس چونکہ روحانی الاصل ہے اس لیے ان کے اثر سے باہر ہے، طبیعی واقعات میں خواہ وہ کسی قسم کا تغیر پیدا کریں مگر نفس پر وہ بالکل اثر نہیں کر سکتے،

اب سوال یہ ہے کہ نفس کی ماہیت کیا ہے؟ نفس کی ماہیت چونکہ روحانی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ یہ بسیط اور غیر فانی جوہر ہے۔ عالم عقل اس کا اصلی وطن ہے۔ اگرچہ یہ عالم حواس میں نازل ہے مگر پھر بھی اپنے اصلی وطن کی طرف سے غافل نہیں۔ اس کو اپنے گزشتہ حالت مستحضر ہے یہ ہمیشہ مشتاق وطن رہتی ہے کیونکہ عالم حواس میں اس کی اکثر خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ ہمارا زور مرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ عالم حواس میں کوئی چیز ساکن و دائم نہیں، ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ دوام و استقلال صرف عالم عقل ہی میں پایا جاتا ہے۔ لہذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری خواہشیں پوری ہوں اور ہم اپنی مرغوب چیز سے محروم نہ رہیں تو ہم کو تعقل کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ صرف ہی غیر فانی اور دائمی ہیں۔ عالم مادی گویا فتل صحاب ہے۔ اور اس واسطے اس کی خواہش کو نایک غیر موجود چیز کی خواہش کرنا ہے،

الگندی کا نظریہ علم ہی اس کی ثنویت مبع و مادہ کے عین مطابق ہے اور اس کا خیال ہے کہ ہر اعلم یا حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے۔ یا عقل کے ذریعہ ان دونوں ذرائع میں فرق ہے، اگر حواس ہلکے ہیں تو ان کی مادی صورت کا علم ہوگا اور عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوگا۔ اور ہر ان دونوں کے عین میں ہیں اور اس واسطے اس کو قوت واسطی کہا جاتا ہے۔ ان خیالات سے ظاہر ہے کہ الگندی نہ تابع تصویریت ہے اور نہ قائل "حیث بلکہ اس کی جگہ ان دونوں مسکون کے عین میں ہے تحصیل علم میں وہ دونوں ذرائع پر برابر زور دیتا ہے۔ لہذا اس کے نزدیک ان دونوں ذرائع میں سے ایک کو ماننا اور دوسرے کو نظر انداز کرنا کائنات کے متعلق غلط علم کا مترادف ہے۔ کیونکہ اگر ہم عقل کو نظر انداز کر دیں تو ہم کو کلی علم نہیں ہو سکتا اور اگر حواس کی طرف سے ہمیں بند کر دیں تو ہمارے پاس جزئی کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔

الکندی کے اس نظریہ علم سے اس کے عقیدہ عقل کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ بعد کے فلاسفہ اسلام نے اس پر بیان تک زور دیا کہ یہ انکے فلسفہ کی ایک نمایاں خصوصیت بن گئی عیسائی قرون متوسطہ میں کلیات کی بحث نے خارجی اور علمی مذاق کو ترقی دی اسی طرح مسلمانوں کے نفس کے متعلق موثر گائیون نے تربیت عقلی کی فاعلی ضرورت کو نمایاں کر دیا۔ اس بحث میں الکندی نے صرف اتنا کیا کہ اس مسئلہ کو معرض بحث میں لے آیا۔ اور متاخرین کی طبع آزمائی کے لیے مواد چھوڑ گیا۔

الکندی نے عقل کی چار قسمیں کی ہیں۔ اول وہ روح جو ہمیشہ حقیقی رہتی ہے۔ اور جو اس جہان کی ہر روحانی چیز کی علت اور جوہر ہے۔ ظاہر ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا، دوم وہ روح جو نفس کی قابلیت یا قوت استدلال ہے، سوم وہ روح جو نفس انسانی کی ملکیت یا اس کی عادت (۹) ہے۔ اور جبکہ نفس اس طرح استعمال کر سکتا ہے جس طرح ایک مصنف اپنے فن کو اور چہارم وہ فعلیت ہے جس کی بدولت نفس کی ایک باطنی یا فاعلی حقیقت ایک خارجی حقیقت سے جا ملتی ہے۔ عقل کی اس قسم سے یقیناً الکندی کی مراد خود عقل انسانی ہے۔ کیونکہ اس کی وساطت سے وہ اپنے خیال کو حقیقت بنا سکتا ہے۔ اس کا خیال اس کے فعل ہی کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے۔ الکندی کا عقیدہ ہے کہ یہ غیر فانی روح قوت کو عادت میں منتقل کر دیتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر محض ممکن حقیقی بنا کر پیش کرتی ہے۔ عقل کے اس چہارگانہ نظام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اصلی روح عطیہ آبی ہے اور اسی واسطے عقل کی تیسری قسم کو عقل مستفاد کہا جاتا ہے۔ عقل مستفاد کا یہ عقیدہ فلاسفہ قدیم کے معین مطابق ہے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اشیاء کے متعلق ہمارا تمام علم ایک ایسے ماخذ سے ماخوذ ہونا چاہیے جو موجود فی الخارج ہو، قدما کا یہ عقیدہ اسی صورت میں عزلی میں آیا اور یہاں عیسائی فلسفہ میں منتقل ہو گیا،

انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ تمام ارضی صفات کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اگرچہ وہ

اتنی امتیاز کرتا ہے کہ وہ صفات بہترین صفات ہوں مثلاً مسلمان علماء دینیات نے انسان کے اعتدائی افعال کو الہی قائل کی طرف منسوب کئے ہیں۔ مگر غلط فہم کا خیال ہے کہ علم عمل سے بہتر اور اہم ہوتا ہے۔ کیونکہ موخر الذکر کا تعلق عالم حواس سے ہے جو تغیر اور فانی ہے۔ اور خود انسان سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف علم یا عقل نظری الہی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے علم یقیناً عمل سے بہتر ہے، اگندی کا عقیدہ عقل اسکندر افرو دہی کے عقیدہ سے بہت کچھ متاثر ہوا ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اسکندر اور سٹو کا ہم خیال ہو کر عقل کو تین قسموں پر منقسم کرتا ہے اور اگندی چار پر۔ اگندی کے اس چارگانہ نظام میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ اول تو اگندی کا چار کے عدد پر اس قدر زور دینا کیونکہ یہی ایک دلیل ہے اس امر کی کہ اس نے فینا غوریت جدید اور اثرائت جدید کو ایک دوسرے میں منم کر دیا۔ اور دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگندی نے افکارابی کی طرح افلاطون اور ارسطو کو ہم خیال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اوراق ماقبل میں ہم نے اگندی کے فلسفہ پر کریقہ تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب آخرین اس کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ ہمارے گذشتہ بیانات سے یہ واضح ہو چکا ہو گا کہ اگندی اپنے معتقدات دینیہ میں معتزلہ کا پر دہ ہے۔ اور فلسفہ میں اثرائت جدید کا قائل۔ مگر اس اثرائت کے ساتھ فینا غوریت جدید بھی شامل ہے۔ اس کا ریاضی کوہیت دینا صاف بتلا رہا ہے فینا غوریت نے بھی اس پر اثر کیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کے تمام خیالات اثرائت جدید کے مطابق ہیں۔ وہ سقراط کی بہت قدر کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس کے سوانح عمر کے انجام اور اس کی تعلیمات پر بہت کچھ لکھا ہے،

روایت اس کو مسلمانوں میں سب سے پہلا مثالی کہا جاتا ہے اور اس کی تعلیمات و خیالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد نہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے کہ آئے ہیں اس کی

تصانیف کی فہرست میں ارسطو کا نام خاص طور پر نمایاں ہے۔ اہل یہ ہے کہ چنکر وہ یونانی کتب کا عربی میں ترجمہ کرنے میں مصروف رہا اس لیے اس کو ارسطو کے مطالعہ کرنے کا خاص موقع ملا۔ اور لہذا اگر اس نے اس سے کچھ حاصل کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اس قسم کا آدمی نہ تھا کہ محض ترجمہ ہی پر قناعت کرتا۔ چنانچہ اس نے ارسطو کی تصانیف کے شکل حصوں کی تشریح کی اور ان کی اصلاح کی، جان کہیں اس نے دیکھا کہ مطلب واضح نہیں ہے وہیں تفسیر بھی و توضیحی بیانات سے مطلب صاف کر دیا۔ لہذا ارسطو کا یہ بلاستیب مطالعہ ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ الگندی پر اس کا بہت اثر پڑا۔ الگندی کے معتقدات کو دنیا بالقوہ اصلاح پذیر ہے نہ کہ بالفضل اور یہ کہ حرکت مسلسل ہے اور اسی قبیل کے اور بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ ارسطو نے اس پر بہت اثر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہم ان حالات و کوائف پر غور کریں جن میں اس کی علمی ترقی نامور پذیر ہوئی اور ان اثرات کو ملحوظ رکھیں جن کے ماتحت اس نے اپنی متاثرہ زندگی بسر کی تو ہم کسی طرح بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ مشائی تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اثرائت جدید کے اثر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

الگندی کا اثر فلسفہ متداولہ پر زیادہ تر اس کے خیالات ریاضی نجوم جغرافیہ اور طب کی طرف سے پڑا۔ اس کے شاگردوں میں سے سب سے مشہور و در فائق احمد ابن محمد الطیب السمری تھا۔ شخص خلیفہ متصف کا دوست اور اس کا ایک عہدہ دار تھا۔ اس نے کیا اور نجوم کا مطالعہ کیا اور خالق کل کی عقل اور اس کی قدرت کا علم عجائبات مخلوقات سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ خلیفہ کی مشنوں مزاجی اور لاپرواہی کا شکار رہا۔ وہ کوشش میں مر گیا، اس کا ایک اور شاگرد ابو معشر تھا۔ یہ نجوم کا ایک مشہور ماہر تھا۔ اپنی عمر کے سینتالیسویں سال تک وہ فلسفہ کا سخت مخالف رہا۔ لیکن الگندی کی تصانیف نے اس پر جادو کا اثر کیا چنانچہ وہ بھی آخر کار اسی طرف راجع ہو گیا۔ یہ ششہ

میں مر گیا۔ مسلم ثانی ابو نصر فارابی کا نام بھی اس کے شاگردوں کی فہرست میں لیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کا قاعدہ شاگرد نہ تھا۔ مگر اس پر اس کا اثر اتنا پڑا تھا کہ شاگرد کہتا کچھ بے جا نہیں۔ الفارابی نے اپنے پیشرو کی تعلیمات کو واضح کر دیا اور اس طرح ابن سینا کے لیے راستہ صاف کر دیا،

۱۔ اس مضمون کے وقت حسب ذیل کتب راقم کے پیش نظر تھیں،

۱۔ اکتفاء القنوع بما ہوا المطبوع۔ فان ڈاک۔

۲۔ تاریخ الحکماء ابن النعمانی، جرمن ایڈیشن ۱۹۰۳ء

۳۔ عیون الانبائی طبقات الاطباء۔ ابن ابی اصیبعہ۔ مطبوعہ مصر،

۴۔ الفہرست۔ ابن ندیم۔ جرمن ایڈیشن، ۱۸۷۱ء

۵۔ تاریخ فلسفہ اسلامیہ۔ ٹی جے ڈی بور۔ مطبوعہ لندن ۱۹۰۳ء

۶۔ تاریخ ادبیات عرب کلیمنٹ ہوا۔ مطبوعہ لندن ۱۹۰۳ء

۷۔ تاریخ فلسفہ۔ لونی۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء

فقیہ مدینہ

مدینہ منورہ کی فقہ و حدیث کی تاریخ و اصول جاننا ہو تو حیات مالک مطالعہ کیجیے،

قیمت عمر

بہار

تاسی کے تذکرہ شعرائے اُردو کے چند اوراق

از مولوی محفوظ الحق صاحب بی اے

۲

اُردو اور ہندی کی تھوڑی سی تعریف بیان کرنے کے بعد ہمارا فریخ مستشرق کہتا ہے۔
”چنانچہ یہی (ہندی و اُردو) وہ لٹریچر ہے جسکی یورپ کو خبر نہیں، لیکن آج میں اُس کے
کتر ہائی مٹھی کو آپ کے سامنے پیش کرتا اور نظم و نشر کے ان جواہر ریزہ نکو چن دیتا ہوں، کہ علمی دنیا
اُنکی واقعی قدر و قیمت کر سکے۔ اس غرض کی تکمیل کے لیے میں نے سیکڑوں اُردو کتابوں کی درق گودانی
کی اور انکا بغور مطالعہ کیا ہے، اور جتنی قلمی کتابیں مل سکیں ان سب سے مواد جمع کیا ہے۔ چنانچہ یہی
خیال سے میں نے تین بار انگلستان کا سفر اختیار کیا، اور عام و خاص جتنے کتب خانوں میں
اُردو تالیفات و تصنیفات کا پتہ لے سکا اُنکی سیر کی اور وہاں کے ذخیرہ کو دیکھا بیان میں
اس امر کا واقعی اعتراف کرتا ہوں کہ ہر جگہ میرا استقبال بڑی گرمجوشی سے کیا گیا، اور جو امداد
ممکن ہو سکتی تھی وہ بہین دی گئی۔ اُردو کتابوں کا بہترین مخزن ایسٹ انڈین آفس لائبریری ہے
یہاں لائبرین فزڈ کا کتب خانہ سب سے زیادہ آراستہ و پیراستہ ہے۔ ڈاکٹر لائیڈن فورٹ ولیم کالج
میں اُردو کے محقق تھے اور اس زبان کے بہت بڑے سرپرست بھی تھے، اگر ڈاکٹر موصوف کی
طرح دوسرے مستشرقین بھی اُردو تالیفات و تصنیفات کا کافی سرمایہ جمع کر لیتے تو بین علمی دنیا کے
آگے اُردو شعرا اور مصنفین کی اس سے بہتر اور زیادہ جامع و مکمل فہرست پیش کر سکتا۔ بہر کیف !

جو تذکرے فراہم ہو سکے انہیں سے میں نے استفادہ حاصل کیا۔ اس جگہ میرے بعض احباب شاید بھیرے اعتراض کریں کہ بعض دوسرے تذکرہ نویسوں کی طرح میں نے بھی بعض غیر معروف شعرا کے حالات و واقعات کو چند سطروں پر ختم کر دیا ہے، لیکن میں نے یہی مناسب سمجھا کہ گو دو چار سطریں ہی کیوں نہ سی لیکن انکا ذکر کر دینا ضرور ہے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بالکل گننا م رہ جائیں،

اس موقع پر میں حروف تہجی کے اعتبار سے اُن تمام تذکرہ دان اور نگارستانوں کا ذکر کر دینا چاہتا ہوں جو شعرا و مصنفین کے حالات پر مشتمل ہیں، اور جن میں سے اکثر ایسے ہیں جو یا تو ہمیں دستیاب ہو سکے یا کم از کم ہمیں انکا پتہ مل سکا، لیکن ان تالیفات و تصنیفات اور انکے مؤلفین و مصنفین کے تفصیلی حالات کے لیے آپ کو اس کتاب کے ”سوانحی“ حصہ کو ملاحظہ کرنا ہوگا۔ دو ہذا،

(۱) عیار الشعراء مصنفہ خوب چند ذکار۔ ذکار نے یہ تذکرہ اپنے آقا میر نصیر الدین نصیر عرف میر تلک کی فرمائش پر ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) میں یایون کئے کہ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) اور ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) کے درمیان تالیف کیا مؤلف کا خود بیان ہے کہ اس تذکرہ کی ترتیب میں اُسے تیرہ سال محنت کی۔ ڈاکٹر پیرنگو ذکار کے پوتے سے پتہ ملا کہ ذکار نے ۱۲۸۶ھ میں قضا کی،

ذکار کا تذکرہ بھی ان چند تالیفات سے ہے جن کے متعلق میرے معلومات محدود ہیں۔ یہ تذکرہ فارسی میں ہے، اور اکثر شعرا کے کلام کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر پیرنگو کے پاس اسکا ایک قطعی نسخہ موجود ہے جو تقریباً ہزار اکیٹھ صفحوں پر ختم ہوا ہے، اور ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں ہیں مگر موصوف کا بیان ہے کہ یہ تذکرہ بیجا تنقید اور اغلاط سے پاک ہے۔ واقعی یہ عجیب چیز تھی لیکن افسوس ہے کہ یورپ میں اسکی ایک جلد بھی موجود نہیں۔

(۲) چین بے نظیر یا ”جمع اشعار“ ایک ہی کتاب کے دو حصوں کا نام ہے، جو علی الترتیب ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۸ء) اور ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) میں بمبئی سے چھپکر شائع ہوئے اول الذکر کے

مولف محمد حسین ہیں اور دوسرا محمد ابراہیم کی تالیفات سے ہے، اور غالباً یہی وہ شخص ہے جسے انوارِ سیلی (مطبوعہ مدراس ۱۸۲۲ء) کا کھنی ترجمہ شائع کیا۔ یہ دونوں تذکرے ۲۲۹ صفحات پر ختم ہوئے ہیں اور ان میں ۱۸۰ اردو شعرا کے کلام کا انتخاب درج ہے،

(۳) مجموعہ مقبولِ نبی جو ۳۰۰ شعرا کے ۶۰۰۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ افسوس ہے کہ میں اس کے متعلق کچھ زیادہ نہیں لکھ سکتا کیونکہ یہ بیان محض حائقہ کی بنا پر ہے۔ عرصہ ہوا کہ اس کا ایک قلمی نسخہ جو خاص میرا تھا احباب کے نذر ہو گیا،

(۴) دیوانِ جہان۔ اس کا مولف اگرچہ ہندو ہے لیکن اس نے یہ تذکرہ اردو میں لکھا ہے، واقعہ ہے کہ اپنی اس کتاب کی تالیف میں میں نے اس تذکرے سے بہت مدد لی ہے لیکن اس کا انداز تذکرہ کا نہیں بلکہ گلدستہ کا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں تقریباً ڈیڑھ سو شعرا کے مختصر حالات موجود ہیں مگر کلام کا نمونہ بہت زیادہ دیا گیا ہے،

(۵) گلدستہ حیدری۔ محمد حیدر بخش حیدری نے یہ تذکرہ اپنے نام پر لکھا ہے۔ اس میں قصوں کے علاوہ دیوان بھی شامل ہے اور پھر اردو شعرا کا تذکرہ بھی ہے،

(۶) گلدستہ نازنین۔ یہ کتاب میرے مشہور ہمعصر مولوی کریم الدین کی تالیفات سے ہے جس میں مشہور مصنفین اردو کے کلام کا انتخاب دیا گیا ہے،

(۷) گلدستہ نشاط از مضطربین اس کتاب سے بے مدستفید ہوا ہوں۔ یہ علمِ بلاغت کی اچھی کتاب ہے۔ اس میں ہندوستان کے فارسی شعرا کا کام بطور مثال پیش کیا گیا ہے اور مختلف اصنافِ سخن کے تحت میں اردو شعرا کا کلام بھی داخل طور پر موجود ہے،

(۸) گلستانِ ہند مولف ذکرِ محمد الدین ہے کتاب دیکھ پ تقون اور اچھوتے محاورات و مہلکات کا مجموعہ ہے جو آٹھ باب یعنی ”گلِ گلشن“ پر مشتمل ہے، اور آخری باب میں بہت ہی اعلیٰ

نظموں کا انتخاب بھی دیا گیا ہے، جو یاد کرنے کے لائق ہیں،

(۹) گلستانِ مسرت۔ یہ ایک دلچسپ گلدستہ ہے جو مصطفیٰ خان دہلوی مالکِ مطبع مصطفائی کی

تالیف ہے اس مطبع سے اُردو مولفین و مصنفین کی بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں،

(۱۰) گلستانِ سخن از مبتدا کاظم،

(۱۱) گلستانِ سخن اول الذکر نام کا دوسرا تذکرہ ہے جو دلی کے شاہی خاندان کے شہزادہ

قادری شاہ صابر کی تالیف ہے،

(۱۲) گلشنِ بیخوار از محمد مصطفیٰ خان شیفہ اس تذکرہ کا ایک نسخہ مجھے شمس الدین ملا تھا، اس میں

۶۰۰- اُردو شعرا کا حال اور ان کے کلام کا انتخاب موجود ہے۔ اس نئے ایڈیشن میں جو کچھ

اضافہ ہوا ہے اس میں اس کتاب سے مین نے بہت مدد لی ہے،

(۱۳) گلستانِ بخیران مندرجہ بالا تذکرہ کا اُردو ترجمہ ہے جسکو غلام قطب الدین باطن نے

شائع کیا ہے،

(۱۴) گلشنِ ہند از مرزا علی لطف دہلوی۔ یہ تذکرہ بہت دلچسپ ہے اس میں ۶۰ اُردو شعرا کے حالات

کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ان کے کلام کا انتخاب بھی دیا گیا ہے یہ کتاب میرے لیے

بہت مفید ثابت ہوئی۔

(۱۵) گلزارِ ابراہیم از علی ابراہیم، اس تذکرہ میں ۳۰۰- اُردو شعرا کا ذکر مع انتخاب کلام کے

ہے، اس میں اس تالیف سے بچہ مستفید ہوا جو،

(۱۶) گلزارِ مضامین از مرزا جان پیش یہ کتاب اس مشہور مصنف کی بعض چھوٹی نظموں کا مجموعہ ہے

لیکن اس میں تذکرہ کی شان پیدا ہو گئی ہے کیونکہ دیباچہ میں مصنف نے اُردو شعاعی پر

ایک سلی نظر ڈالی ہے اور جن شعرا نے اس زبان کو پروان چڑھایا ہے ان کی زندگی کا

مختصر خاکہ بھی دیا ہے،

(۱۷) انتخاب دوادین یا خلاصہ دوادین "مولفہ امام بخش صہبائی دہلوی۔ بیچ پرچھے تو یہ ایک اچھا خاصہ گلدستہ ہے لیکن انتخاب کلام کے ساتھ چونکہ شعرا کے حالات زندگی بھی (اردو میں) دیے گئے ہیں اسلئے اسکو تذکرہ کہنا نامناسب نہوگا،

(۱۸) معیار اشعار قدیم و جدید شعرا کے کلام کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے جو اگر ہ سے مبینہ دو بار شائع ہوتا ہے اسلئے ڈیٹرمنٹی قمر الدین گلاب خان (۹) المخلص قمر ہیں۔

(۱۹) مسرت افزا، از ابوالحسن الہ آبادی یہ تذکرہ میرے پاس موجود ہے مین منشی ناتھ بلند مرحوم کا ممنون ہوں کہ انہوں نے ازراہ کرم سرڈ بیوا دسلے کے قلمی نسخہ سے میرے لیے اسکو نقل کر دیا تھا، یہ نسخہ اب اسفورد میں موجود ہے،

(۲۰) مجالس رنگین از مولفہ رنگین اس کتاب مین مولف نے کل مجموعہ شعرا کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے،

(۲۱) مجموعہ لغز مولفہ سید ابوالقاسم قاسم دہلوی۔ اس تذکرہ سے مین بیحد مستفید ہوا ہوں اور خصوصاً اس دوسرے ایڈیشن کی ترتیب مین نے اس سے بہت مدد لی ہے، عام تذکرہ دن کے مقابلہ مین اسکی خصوصیت یہ ہے کہ قاسم نے شعرا و مصنفین کا صرف نام نہیں لکھا ہے بلکہ انکے کلام کی تعداد بھی بہ ترتیب لکھ دی ہے۔ سرور و شیفہ کی طرح اگرچہ یہ تذکرہ ضمیمہ نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ شعرا کے حالات و واقعات زیادہ فراہم کیے گئے ہیں اور کلام کمونہ بھی علیحدہ دیا گیا ہے اور یہی وہ خوبی ہے جس سے دوسرے تذکرے عاری ہیں،

(۲۲) مجموعہ انتخاب، مولفہ فقیر شاہ محمد کمال۔ اس نے ایڈیشن کی ترتیب مین، مین اس تذکرہ سے ۵۸ شعرا کا حال ملاحظہ کیا، افسوس ہے کہ اسکا قلمی نسخہ جو میرے پاس موجود ہے

خوشحلا و نسیطین ہونیکے باوجود اعلاط سے پُر ہے اسی وجہ سے یہیں شعرا کے کلام کچھ بچے ہیں سخت وقت ہوئی۔

(۲۳) مجموعہ داسوخت، مختلف شعرا کے ہیں داسوختو نکا یہ دھپپ مجموعہ ۶۸ صفحات پر ختم ہوا ہے یہ مجدد سہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۹ء) میں بمقام کھنڈو طبع ہوا اصل مضمون حاشیہ پر درج ہے،

(۲۴) محزان نکات یا نکات الشعراء مولفہ قیام الدین قائم یہ تذکرہ تین حصوں (طبقات) میں منقسم ہے طبقات الشعراء نامی ایک دوسرا تذکرہ بھی اسی طرز پر لکھا گیا ہے، جسکا مفصل حال آئندہ صفحات میں آئیگا،

(۲۵) مختصر احوال مصنفین ہندی اردو کے تذکرہ نگار "اسکا دوسرا نام "رسالہ در باب تذکرہ جات" ہے یہ ذکار اللہ دہلوی کی تالیف، اور میری کتاب "ہندوستانی مصنفین" کا ترجمہ ہے،

(۲۶) نکات الشعراء مولفہ میر تقی میر اردو شعرا کا یہ قدیم ترین تذکرہ ادراغ شمار دین صدی کے بہترین شاعر کی تالیفات سے ہے اسکا مکمل اور تفصیلی حال میں سوانحی حصہ میں بتاؤں گا اور وہیں اس کے کلام کا انتخاب بھی پیشکش کروں گا،

(۲۷) روضۃ الشعراء مولفہ محمد حسین کلیم اس میں اردو شعرا کا حال نظم میں لکھا گیا ہے، اسطرح اسکو بھی تذکرہ کا لقب دیا جاسکتا ہے،

(۲۸) سراپا سخن معنفہ محسن کھنڈوی ایسن... منتخب اردو شعرا کا کلام مختلف موضوعات کے زیر بحث جمع کیا گیا ہے، سرت ہی نہیں بلکہ اُن شعرا کے حالات زندگی پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے اس ایڈیشن کی ترتیب میں میں اس کتاب سے بچہ مستفید ہوا۔

(۲۹) سر وازادہ تذکرہ سرت افزا امین ابو الحسن نے اس تذکرہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اردو شعرا کا تذکرہ ہے لیکن مشرین لینڈ نے اسے فارسی شعرا کا

تذکرہ لکھا ہے، دونوں بیانات درست ہو سکتے ہیں، اور انکی توجیہ اس طرح کیجا سکتی ہے کہ
 اسین اُن تمام ہندوستانی شعرا کا حال ہے، جنہوں نے اردو و فارسی دونوں میں طبع آزمائی
 کی ہے اور اس بیان کی تقویت اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ آزاد خود اردو کے سرمایہ نماز
 شاعر ہو گزشتے ہیں۔ اس موقع پر میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آزاد نے فارسی شعرا
 کا ایک علیحدہ تذکرہ بھی لکھا ہے جسکا نام ”خزانہ عامرہ“ ہے

(۳۰) مصنف ابراہیم اس تذکرے کے مولف غلیل نے اسکو اپنے نام پر مرتب کیا ہے اس مولف
 کا پورا حال ”سوانحی“ حصہ میں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کر دے گا،

(۳۱) طبقات الشعرا مولفہ قدرت اللہ شوق یہ تذکرہ ”تذکرہ ہندی“ کے نام سے بھی مشہور ہے،

(۳۲) طبقات الشعرا مولفہ کریم الدین یہ تذکرہ مشتمل اربعین مقام دلی چچا، اسین لکھا ہے کہ میری
 کتاب ”تاریخ ہندی و ہندوستانی لٹریچر“ کا ترجمہ ہے، لیکن حق تو یہ ہے کہ یہ اس سے علیحدہ
 اور مستقل کتاب ہے مٹرا لیف فلن ایکسٹریلیاتِ عامہ بہار نے میری کتاب کا مواد اس فاضل
 مصنف کو دیا تھا اور اسی پر اُس نے یہ عمارت کھڑی کی،

(۳۳) طبقات الشعرا مولفہ غلام محی الدین عشق میرٹھی۔ انوس ہے کہ یہ تذکرہ دستیاب ہوسکا اسین
 تقریباً تنور ریختہ شعرا کا حال درج ہے،

(۳۴) تذکرہ اختر، مولفہ داجد علی شاہ اختر لکھا جاتا ہے کہ اس تذکرہ میں ۵۰۰۰ فارسی و اردو
 شعرا کا حال موجود ہے۔ آخری شاہ اودھ اسکا مولف ہے، انوس ہے کہ اس بادشاہ کی اُو
 تصنیفات تو میرے کتب خانہ میں ہیں لیکن یہ تذکرہ موجود نہیں،

۱۱ معارف و بیان ہائے مشرق سے تو بہر توجہ غلطیان ہوئی ہیں، وہ ظاہر ہیں، آزاد و بگرامی نہ تو اردو
 شاعر تھے اور نہ سرو آزاد اردو شعرا کا تذکرہ ہے، اور نہ صرف ہندوستانی شاعر فارسی کا وہ تذکرہ ہے،

(۳۵) تذکرہ عاشق مرتبہ ہمدی علی عاشق دہلوی۔

(۳۶) تذکرہ آرزو، مولفہ صدر الدین آرزوہ شیفہ نے اس تذکرہ کا خاص طور پر حوالہ دیا ہے،

(۳۷) تذکرہ گردیزی از فتح علی حسینی گردیزی۔ اس تذکرہ سے میں نے بہت مدد لی ہے،

(۳۸) تذکرہ حسن شہنوی "سحرالبیان" کے مشہور مصنف نے یہ تذکرہ لکھا ہے سرور نے بھی اس کا حوالہ

دیا ہے لیکن میرے معلومات اسکے متعلق بالکل محدود ہیں،

(۳۹) تذکرہ امام بخش کشمیری مصحفی کا بیان ہے کہ اس تذکرہ نویس نے اُس کے تذکرہ سے

بہت سرتہ کیا ہے،

(۴۰) تذکرہ عشق از رحمت اللہ عشقی سٹریٹ بی ایٹ نے جن کے پاس اُردو کتابوں کا کافی ذخیرہ

ہے یہ تذکرہ ڈاکٹر اسپرنگر کو دیا تھا اور اس طرح "فہرست کتب خانہ شاہ اودھ" (مرتبہ اسپرنگر)

کے وسیلے سے میں بھی اس تالیف سے مستفید ہوا۔

(۴۱) تذکرہ جہاندار از جوان بخت جہاندار اول الذکر تذکرہ کی یہ نقل ہے،

(۴۲) تذکرہ خاکسار از محمد یار خاکسار شورش نے اس تذکرہ کا حوالہ دیا ہے،

(۴۳) تذکرہ محمود از حافظ محمود میرا بمصر ہے،

(۴۴) تذکرہ مصحفی از غلام ہدائی مصحفی۔ اس تذکرہ میں ۱۵۰ اُردو شعرا کا حال درج ہے،

میں اس تالیف سے بچہ مستفید ہوا۔

(۴۵) تذکرہ مضمون از امام الدین مضمون۔

(۴۶) تذکرہ نصیر از سعادت خان نصیر لکھنوی،

(۴۷) تذکرہ سودا از رفیع الدین سودا۔ افسوس ہے کہ اٹھارہ دین صدی کے اس نامور شاعر

کے تذکرہ سے مجھے مستفید ہونیکا موقع نہ ملا۔

(۴۸) تذکرہ شوق۔ از حسن شوق

(۴۹) تذکرہ شورش از غلام حسین شورش، یہ تذکرہ عشقی سے بہت متاثر ہے،

(۵۰) تذکرہ ترندی از محمد علی ترندی، گلزار ابراہیم میں اسکا حوالہ موجود ہے،

(۵۱) تذکرہ ذوق، از محمد ابراہیم ذوق یہ شہور شاعر ہو گزرا ہے،

(۵۲) تذکرہ الکاملین۔ از بابورام چند،

(۵۳) تذکرہ النساء از کریم الدین،

(۵۴) عمدۃ المنتخبہ از محمد خان سرور ۱۲۰۰۔ اُر دو شعر اکا یہ دلچسپ تذکرہ اپنے رنگ میں بے نظیر

اور واقعی عجیب ہے میں اس نادرا انتخاب سے بھرستفید ہوا،

ان تذکروں اور نگارستانوں کے علاوہ میں نے مختلف کتب خانوں کی فہرستوں سے بھی بھر

فائدہ اٹھایا ہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں میں اُن لاجواب اُر دو اور فارسی کتابوں کی ”فہرست“

کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو لکھنؤ کے ایک بزرگ مولوی آل بنی کے کتب خانہ میں موجود ہے

اس قلمی فہرست کی نقل ^{۱۹۱۷ء} (مطابق ۱۳۳۷ھ) میں ہوئی۔ اسی طرح ایشیا ٹیک سوسائٹی کی

دو فہرستوں سے جو عربی اور دیوناگری رسم الخط میں ہیں میں نے بہت مدد لی، اور سوانحی حصہ کے لیے

میں نے ایک انگلشین کی دونا در کتابوں سے بے حد فائدہ اٹھایا ہے جنہیں سے ایک تو ہندوؤں کی

مقبول نظموں کا مجموعہ ہے اور کرنل براؤن (مرحوم) کی تالیفات سے ہے اور دوسری ایک ممتاز

ہندی مولف تارینی چرن ستر کی رفاقت میں لکھی گئی ہے۔ اس شخص کی تالیفات بہت ہیں لیکن

اسکی یہ تالیف میرے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ اس کتاب میں اور باتوں کے علاوہ بھکتاؤں

کبیر کے ریختہ، ہنسی داس کی رامائن، ہتو پدیش کے اُر دو ترجمہ اور جوان کی سکنتا کے انتخابات

واقعات موجود ہیں، مختصر یہ کہ اس میں ۳۴۸ چھوٹی بڑی نظمیں موجود ہیں۔ اور اکثر عوام میں

مشہور بھی ہیں،

یہ امر قابلِ انسوس ہے کہ وہ تمام تذکرے جن کی فہرست اد پر گذر چکی بالکل نامکمل ہیں اور عموماً ان میں صرف شاعر کا نام، اور اُس کے کلام کا انتخاب پایا جاتا ہے، لیکن بعض موقعوں پر جہاں حالات و واقعات کو ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہاں بھی شاعری پر ایڑٹ زندگی، یا سال ولادت و وفات کے متعلق ایک حرف بھی بہ شکل نظر آتا ہے۔ اور نہ تو اُس کے القاب کے متعلق کچھ لکھا ہوتا ہے، اور نہ اُس کی تالیفات و تصنیفات کا کچھ مذکور نظر آتا ہے، اور اکثر تو اُس کے صاحبِ دیوان ہونے کا ذکر بھی نہیں ہوتا۔ اس آخری فرد گذشت کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اگلے دو چار تذکرہ نویس چونکہ صاحبِ دیوان تھے اور یہ امر اُن کے لیے مایہ ناز تھا اس لیے وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی دوسرے شاعر کو بھی صاحبِ دیوان لکھ کر اُس کا نام اد بجا کرین۔ حق تو یہ ہے کہ ان تذکرہ داروں میں اگر کوئی کام کی چیز ہے تو وہ شعر کے کلام کا انتخاب ہے، جو ایک مد تک یورپ میں مقبوض ہے۔ اگلے تذکرہ نویسوں میں صرف میر تقی میر ایسے ہیں جنہوں نے شعر کے کلام پر تنقید کی ہے اور سب سے کوشش کر کے شعر کو آسان پر پہنچا دیا ہے، انہوں نے اکثر غلطیوں کی اصلاح بھی کی ہے اور بعض موقعوں پر شاعر کے عوض، اپنے مخصوص محاورات و مصطلحات بھی پیش کیے ہیں۔ اگرچہ کچھ توین تو یہی کہو گا کہ اُردو کا یہ تذکرہ سب سے قدیم ہے،

ہمیں جتنے تذکرے ملے ہیں وہ سب کے سب حروفِ تہجی یا یوں کہئے کہ تخلص کے اعتبار سے مرتب کئے گئے ہیں، اس لیے ہمیں بھی اسی سنت پر عمل کرنا پڑا۔ گو میرا ارادہ تھا کہ میں اپنے مضمون کو تاریخی طور پر ترتیب دوں، لیکن وقت یہ ہوئی کہ میرے پاس کافی مواد موجود نہ تھا۔ اس امر کا ہمیں ضرور اعتراف ہے کہ ایسی ترتیب زیادہ موزوں اور کتاب کے سزاسم کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوتی لیکن مجبور یوں کا کیا علاج۔ گذشتہ صفحات میں میں نے اس امر کو اچھی طرح واضح کر دیا

شانتی نیکیتان کے

چشم دید حالات

(۳)

از مولوی ابوالنصر سید احمد صاحب بھوپالی

دوسرے دن کی گفتگو

ہم اچھا بابو صاحب کل جو آپ نے ٹیکور کے وجہ اختلاف ہمیں بتائے تھے اُن پر پہنے پوری طرح غور کیا اور غور کرنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اُسکو جناب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ٹیکور کا فلسفہ منطقی مشکلات سے خالی نہیں معلوم ہوتا مثلاً وہ ہمیں اپنی اصطلاحات روح، تخلیقی جہد و جد، صداقت، خوشی، اور آزادی کی صحیح تعریف نہیں بتلاتے اور نہ اُنکے تخیل کا علاقہ ظاہر کرتے ہیں ایسے ہیں شبہ ہوتا ہے کہ آیا وہ ہمارا تا گاندھی کی طرح دماغ سے علیحدہ روح کے قائل ہیں یا نہیں۔ ہمارے تو یہ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ تمام دماغی ترقی اور تمدن کا جو گڑا دل (نیک) ہونا چاہیے یعنی روحانی ترقی کے لیے رہنا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک وحشی انسان ایک تمدن انسان سے زیادہ نیک روح رکھتا ہو۔ اس لیے اس دوسرے خیال کو پیش نظر رکھ کر یہ امر واضح نہیں ہوتا کہ تخلیقی جہد و جد سے کیوں صرف غیر جنگ آور اور سکون دامن کا کام مراد لیا جاتا ہے؟

علاوہ ازین ٹیگور کا آزادی کا اصول بے انتہا بے ضابطگی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے
 مکالمہ فانی ذات پر کامل اعتماد کرنے کا خیال ایک وہی عقیدہ کی پرولالت کرتا ہے جو وہی عقیدہ کی
 ایک سری قسم ہے جسے وہ 'ایہ' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ تھوڑی سی صداقت کی حد سے تجاوز
 تو سب سے اس لیے کہ ہائے داغ کی چالوسی کو فنا کر دینا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ کیونکہ آپ
 شخص صحت کو نہ تو قدرت سے علحدہ کر سکتے ہیں اور نہ سوسائٹی و جذبات سے۔ اور نہ عقل جذبات کو
 پوری طرح مطیع کر سکتی ہے۔ ٹیگور نے اس معاملہ میں ضرورت سے زیادہ معقولیت پسندی اختیار کی ہے
 ایسے یہ معلوم کرنا ہمارے لیے نہایت دلچسپ ہو گا کہ وہ ولیم جیمس، دارلڈ، ایوکن، برجن اور
 میکڈائل کے غیر معقول فلسفہ کے جواب میں کیا کہتے ہیں۔ سوسائٹی اور سلطنت سے کنارہ کشی
 دراصل روحانیت کو ترقی نہیں دیکھتی۔ افلاطون، اگرس، اور بوسا کویت نے اپنے خیالی بالکل
 میں بحث کرتے ہوئے افراد کے لیے معرفت نفس کو صرف سلطنت ہی کے ذریعہ سے ممکن قرار دیا
 ہے۔ کمال ٹیگور کی رائے کے مطابق ایک غیر مشترک داخلیت ہے اور اگرچہ وہ دنیا کو ترک
 کر نیوالی عزت کے خلاف ہیں لیکن انکا کامل فرد بھی ایک گوشہ نشین سے زیادہ نہیں۔ اس
 بنا پر انکا بین الاقوامی تخیل بالکل نامحکم ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر قوم کے لیے یہ غیر روحانی ہے
 کہ وہ کوئی شے کسی دوسرے سے لے،

دا ٹیگور کا عقیدہ تخلیقائیت کی خارجی قیمت کے خیال کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ وہ کام
 کرنے کے طریقہ کی یقین کرتا ہے مگر زندگی کے مقاصد کی تعریف کیے بغیر اگر آپ کسی امر کو چاہتے
 ہیں فرض کیجیے سوادج کو تو ٹیگور کہتے ہیں کہ اس کی تخلیق اپنی ذات کے لیے کیجیے اس لیے کہ
 آپ یہ جانتے ہیں کہ روحانی آزادی تخلیقی جدوجہد میں ہے۔ اس کے یہ معنی کہ یہ ساری کاروائی

اپنی ذات کا لاڈ اور پیار ہی ہے۔ تخلیق صرف ذاتی و داخلی قیمت رکھتی ہے نہ کہ خارجی۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کہنا کہ آپ بھلائی کی بھی تخلیق کر سکتے ہیں اور برائی کی بھی، دھرم کی بھی اور ادھرم کی بھی، دونوں آپ کے لیے برابر کی داخلی قیمت رکھتے ہیں۔ تو یہ ایک خطرناک تجویز ہے اور اس قسم کا کیل بھلائی اور برائی کے ساتھ مذاہب کی جانب صرف خدا کو ہی تفویض ہے افراد و قوم کو نہیں،

حقیقت میں نیگیو غیر مشترک دافلیت کو نہیں چاہتے بلکہ اس امر کی تلقین کرتے ہیں کہ افراد اور قوم دونوں کو انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کرنا چاہیے اور انکی تخلیقات خارجہ دنیا کے لیے کارآمد ہونا چاہیے۔

یہ ٹھیک ہے لیکن ہمارا بحث تو یہ ہے کہ یہ آخری خیال عقلاً تخلیق ذات کے اصول سے برآمد نہیں ہوتا اور ایسا کرنے میں نیگیو رضنا اپنے فلسفہ کی محدودیت کو تسلیم کرتے ہیں اور نیز اپنے دماغی خیالات اور دلی خواہشات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی ناکامی کو بھی۔

لیکن اگر آپ اپنی تخلیقات کو خارجہ بھی کارآمد بنالیں تو بھی وہ بسا اوقات آپ کے باطن کے لیے مضر ہو سکتی ہیں اور یہ اس وقت جبکہ آپ زندگی کے خاص خاص مقاصد کا انتخاب نہ کریں۔ گو آپ کی تخلیقات دوسروں کے لیے کارآمد ہو سکتی ہیں لیکن وہ آپ کی روح کو غلامی کی ایک نئی زنجیر میں جکڑ سکتی ہیں۔ گاندھی کا خیال ہے کہ تمدن ہی قسم کی غلام بنائی والی انسانی تخلیق ہے بہت سے مذاہب کی بھی یہی ریلے ہے۔ اس طرح سے یہ بات اب صاف ہے کہ روحانی زندگی تخلیقی کارروائی سے پوری طرح نہیں ظاہر ہو سکتی بلکہ وہ اس سے اور زیادہ وسیع ہے اور دوسرے ستونوں پر بھی ٹھہری ہوئی ہے زندگی کے صحیح مقاصد کا دریافت کرنا بھی روحانی ترقی کے لیے اس قدر ضروری ہے جقدر کہ ان

مقاصد کی از خود تخلیق اور یہ بات ٹیگور کے عقیدہ پر ایک دوسری تحدید عائد کرتی ہے یعنی آپ خود زندگی کے ہر مقصد کی تخلیق جسکو آپ چاہیں نہیں کر سکتے۔ آپ سوا راج کی تخلیق بلا کسی بدیلی سے تعلق رکھ کر سکتے ہیں لیکن آپ پنجاب اور خلافت کی بے انصافیوں کی تخلیق کیے کر سکتے ہیں؟ اس میں آپ کو بدلیوں سے تعلق رکھنا ہو گا اور آپ کو اپنی خواہش کے حاصل کرنے کی واسطے جنگ کرنا پڑیگی اس لیے یہ کارروائی غیر روحانی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ تخلیقی ہو،

یہ ٹیگور کے عقیدے کا ایک مندر نقص ہے اس لیے کہ وہ ظاہری خارجی جنگ کے نام خیال کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ لیکن یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اس کی ذاتی پیچیدگیوں پر بھی یعنی آپ تمام عقائد کو بلا اس جنگ کے ترک نہیں کر سکتے،

باب ۱۰۔ ہاں ٹیگور کا کہنا تو یہی ہے کہ اگر آپ ہندوستان کے لیے سوا راج چاہتے ہیں تو کسی قسم کی توجہ بھی برطانیہ کی حکومت کی جانب صرف نہ کیجئے بلکہ خاموشی کے ساتھ اپنے آپ کو اس کی تنظیم کے لیے ملک میں مشغول کر دیجئے۔ اسی کے نہ کرنے کی وجہ سے وہ اعتدال پسندوں کو اور قوم پرستوں کو قابل لزوم و علامت ٹھہراتے ہیں جس کا جواب اعتدال پسند تو یہ دیتے ہیں کہ ان کی رائے میں آپ سوا راج کی تعمیر اس برطانیہ کی حکومت کے ذریعہ ہی سے کر سکتے ہیں اور قوم پرست یہ کہتے ہیں کہ آپ جمہوریت کی تخلیق ملک میں کر نہیں سکتے جب تک کہ بدیلی حکومت فنا نہ ہو جائے محض اس وجہ سے کہ بدیلی آقا کبھی ہمارے تخلیقی راہ عمل میں ہلو امن و سکون سے قدم بڑانے نہ دیگا۔ لیکن ٹیگور یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ملک کو بدیلی سے فوج نہیں کرنا چاہیے بلکہ خود اپنی کاہلی اور غفلت سے،

ہم۔ یہ ٹھیک ہے لیکن کیا ہم بلا شرکت غیران برائیوں کے ذمہ دار ہیں؟ آپ ذرہ ہمیں نامرد کر دینے والی اور ہماری قومیت کو مٹا دینے والی حکمت علیوں اور چالوں کو تو ملاحظہ فرمائیے ہم تو ان برائیوں کو جب ہی دور کر سکتے ہیں جبکہ ہم پہلے بدیلی کو دور کر دیں۔ قوم پرست

یہ جانتے ہیں کہ سیاسی سواراج کامل سواراج نہیں ہے لیکن وہ اسکا یقین رکھتے ہیں کہ یہ آخر الذکر کے حصول کا آسان ترین ذریعہ ضرور ہے ٹیگور قوم پرستوں کی طرح جنگ کرنے سے انکار کرتے ہیں مگر اپنے محاذ (آتحارٹی) کو تیسرے قوم کا ایک پیچیدہ طریقہ بتلا کے دھوکا دیتے ہیں صرف تاخیر ہی اس طریقہ کا نقص نہیں ہے۔ اس میں کامیابی ہو سکتی ہے لیکن جب کہ آپ کو اسکا یقین ہو کہ جس وقت آپ کی تخلیق قوم کے لیے جاری ہو اس طرح سے کہ وہ بدیسی کی تباہی کی جانب راہ نمائی کرتی ہو تو بدیسی آپ کو دق نہ کرے۔ اگر وہ آپ کو دق کرتا ہے تو جب تک کہ آپ ایسی جنگ کے لیے تیار نہ ہوں جو صرف باطنی روح کے میدان میں داخل نہیں ہے آپ ہلاک ہو جائیں گے پھر تخلیق ملک میں اختلاف آزار کے جھگڑے ناگزیر ہیں جن کے لیے آپ کو جماعتی جنگ کرنی ہوگی پس از خود تخلیق کا طریقہ ایسا نہیں ہے جو ہمارے ایسے حالات میں ہدایت کی جانب نہ لٹائی رکھے آپ کو تخلیق کے لیے بھی لڑنا ہو گا اور اپنی تخلیقات کو ناپاکی اور تباہی سے بچانے کے لیے بھی۔ آپ صرف تخلیق پر ہی نہیں ٹھہر سکتے اگر آپ کو اسکی خارجی فائدہ مندی کی جانب بھی توجہ ہے۔ معلوم ایسا ہو تا ہے کہ ٹیگور نے اس امر کو معلوم نہیں کیا کہ روح اپنے آپ کو صرف تخلیقی کارروائی میں ہی نہیں ظاہر کرتی ہے بلکہ دوسری کارروائیوں میں بھی مثلاً برائیوں کے ساتھ برسر پیکار ہونے میں یہ ہو سکتا ہے کہ تخلیق ایسی جنگوں سے افضل ہو لیکن آخر الذکر نہ تو دور کیا جاسکتی ہے اور نہ اسے غیر روحانی کے نام سے بدنام کیا جاسکتا ہے جبکہ کہ دنیا میں بدی باقی ہے ضرور ہے کہ نیک عمل سے مزاحم ہو اور اسکو پیدا کرے۔ آپ باطل کے ساتھ اپنی جنگ کو محض اپنی ذات واحد کو محفوظ رکھنے تک محدود نہیں کر سکتے یعنی عام نقطہ نظر سے آپ کو باطل کے خلاف اسکی ہلاکت کے لیے جارحانہ جنگ کرنا ہوگی۔ نیک و حق کی طاقت ہمیشہ امن پسند اور مثبت ہوتی ہے۔ وہ کبھی باطل سے برسر پیکار نہیں ہوتی جب تک کہ

مغلوب کر دینے والی ضرورت سے مجبور نہ کیجائے۔ ہمارا کام یہی مسلک ہے وہ تمام پسپیدہ چالوں کو ناپسند کرتے ہیں اور تمام جنگ کو خود انجام دینے لگتے ہیں وہ اپنی جنگ شروع کرنے میں اس وقت تک کا انتظار نہیں کرتے جو وقت تک کہ دنیا میں نیکی کی تمام طاقتیں کام کیلیے جمع ہو جائیں وہ نیکی کا مرکز اپنے سے باہر نہیں قائم کرتے بلکہ خود اپنے آپ کو نیکی کی ایک طاقت بناتے ہیں اور پھر بلا اسکی پرواہ کے کہ خارجی نتائج اُنکے لیے کیا ہونگے باطل پر حملہ شروع کر دیتے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ نیکی اور بدی کا وجود صرف عمل میں ہے انسانوں میں نہیں۔ گاندھی بدی سے اپنے آپ کو اور دوسروں کو بھی بچانا نہیں چاہتے بلکہ بدی کو کڑا لیکو بھی اصل یہ ہے کہ میگزور کے فلسفہ میں دو سخت اختلاف آکر جمع ہو گئے ہیں: (۱) اول تو غیر مشترک داخلیت اور مثبت شخصیت جبکہ اُنکے دماغ نے ظاہر کیا ہے اور (۲) دوسرے خدمت انسانیت جو اُنکے دل کی خواہش ہے پس وہ اپنے دماغ اور دل کے درمیان موافقت پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ سہراہی کوشش جو دنیا داری اور روحانیت کے درمیان کی علیحدگی کو پائنے کے لیے کی گئی ہے غیر اطمینان بخش ثابت ہوئی ہے، کیونکہ وہ مندرجہ بالا مغالطہ سے محفوظ رہنے میں ناکام رہی ہے۔ بعض مذاہب نے منطقی سادگی کے ساتھ دشواری سے بچنے کے لیے دوسرے خیال کو بالکل رد کر دیا ہے۔ اور موجودہ مغربی دنیا داری نے اپنی باری میں انخاص کی سوسائٹی اور ضمیر کے بے رحم دباؤ کو جاری رکھ کر اول خیال کے اعتراف سے انکار کر دیا ہے، میگزور ان دونوں کے درمیان کوئی معقول ہم آہنگی نہیں بتلاتے۔ ایک طریقہ اس علیحدگی کو پائنے کا یہ ہے کہ روحانیت کو مقدم و بجائے کر اُس میں خارجیہت بھی داخل ہو جائے۔ آپکو صرف اپنے ہی آپ کو تمام غلامی سے آزاد نہیں کر لینا چاہیے بلکہ دوسروں کو بشمول اپنے دشمنوں کے آزاد کرانے کے لیے خارجاً بھی لڑنا چاہیے۔ آپ کو متحرک اور مسلسل

تعلقات دوسروں سے رکھنا چاہیے اعتماد اور بھروسہ روحانیت کے مخالف نہیں ہے۔

آزادی سے مراد صرف برائیوں کی غلامی سے رہائی ہے اور کسی دوسری قسم کی غلامی سے نہیں۔ ایک خدا پر عقیدہ رکھنے والے کے لیے اُس پر بھروسہ رکھنا غیر روحانی نہیں ہے خارجی مدد بھی روحانی مدد ہو سکتی ہے اور یہ اُس وقت ممکن ہے جبکہ آپ صداقت اور محبت کو اپنے خارجی اور اعلیٰ ترین تصورات اور اپنی روح کے اصل اجزا بنالین۔ آپ کی نجات سے مطلب صداقت و محبت کے عدم یعنی دردِ غ اور نفیِ وعدات سے آپ کی غمخس ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صداقت و محبت کا مثبت اعتراف۔ آپ کو اپنے سے محبت رکھنے کے لیے تمام دنیا سے محبت رکھنا ہوگی۔ اس کے یہی تین ہیں کہ آپ خارجی مقابلہ کو ترک نہیں کر سکتے نہیں بلکہ آپ کو اُسے دعوت دینا ہوگا کیونکہ وہ آپ کی روح یعنی صداقت و محبت کا اظہار ہے۔ گاندھی نے کہا ہے کہ ”روشن ترک موالات ہی جان بلب محبت کا اظہار ہے۔ اگر آپ صرف صداقت کو چاہتے ہیں تو آپ استثناء و داخلی اور منفرد ہونگے اور اگر صرف محبت ہی آپ کی روح کا جزو ہے تو آپ برائی کے لیے صبر شہا ہونگے۔ لیکن یہ دوسری صورت صداقت کو دنیا سے ہٹا کر دیگی۔ برٹ ریٹنڈرسل کے طرح کچھ لوگ ایسے ہیں جو دنیا سے جنگ کو نیست نابود کرنے کے لیے کسب قدر بے انصافی اور دردِ غ کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ گاندھی نہ تو سمجھتے کہ اس خیال کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے خیال عدم مقابلہ کو۔ وہ آپ سے نہایت موثر مقابلہ کرنے کی سفارش کرتے ہیں محبت کرنے اور صداقت کا اعتراف کرنے کے لیے۔ پس آپ کی محبت اس مقابلہ کو غیر متشدد یعنی امن پسند بنا دیگی۔ اور یہ امر بلا صداقت محبت کی قربانی کے لڑائی جھگڑے کو دور کر دیتا ہے۔ خوشی کے ساتھ برداشتِ تکلیف وہ قیمت ہے جو آپ باطل کے مقابلہ اور محبت کے قیام کے لیے ادا کرتے ہیں۔ یہی آپ کا معرفتِ نفس کا

طریقہ ہے یعنی صداقت و محبت کے قیام کا اُس حد تک جس حد تک کہ آپ کو تعلق ہے دنیا آپ کی اس کارروائی سے خود بخود نتیجہ حاصل کرے گی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ گاندھی کا پروگرام جنگجو یا نہ عمل کی تاکید زیادہ کرتا ہے نسبت امن پسندانہ مضبوط تخلیقی کارروائی کے، بلکہ اصل یہ ہے کہ اُنکے پروگرام کا اظہار ترک مولات میں پوری طرح نمود کا وزن اُسکے اندر یقیناً اس قدر وسعت موجود ہے کہ غیر جنگجو یا نہ تخلیقی کارروائی بھی اُسیں شامل ہو سکے۔ اُنھوں نے جو کام شروع کیا، وہ ابھی صرت برطانیہ کے ناراضا مند ہاتھوں سے انصاف حاصل کرنے کے متعلق ہو سوا راج کی تخلیق کے متعلق نہیں ہے، گاندھی اس امر کے پوری طرح بخیر خیال ہیں کہ سوامی دوسروں نے یعنی جنگجو یا نہ جدوجہد سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ چنانچہ وہ اپنے پروگرام میں بتدریج تبدیلی کر رہے ہیں جس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکی اس تحریک کی غلقت محدود نہیں ہے بلکہ تمام اُس تخلیقی کارروائی پر بھی حاوی ہے جو ٹیگور کو مطلوب ہے۔ لیکن ٹیگور کی محبت پروگرام کو وسعت نہیں دیتی بلکہ عین اُس کی اساسی خصوصیت کو تباہ کر دینے والی ہے،

اس طرح سے گاندھی کی کوشش روحانی و دنیوی زندگی کو ملانے کی زیادہ معقول ہے بہ نسبت ٹیگور کے۔ برخلاف ٹیگور کے گاندھی زندگی کے مقاصد کی تیز اُنکے جاننے کے طریقہ کی تعریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ داخلیت کی فوقیت کو قائم رکھتا اور اُسکے قصد و انقطاع کو دور کرنا ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد کامل اخلاقی آزادی اور صداقت و محبت کا اعلیٰ اعتراف ہے۔ ہر کارروائی کو خواہ وہ تخلیقی ہو یا جنگی زندگی کے ان ہی مقاصد کی تابعداری کرنا چاہیے۔ گاندھی کہتے ہیں کہ وہ سیاسیات میں اسی حد تک داخل ہوتے ہیں جس حد تک کہ مذہبی قوت اُنکے اندر ترقی کرتی ہے۔ اُنکا کہنا ہے کہ ملک کی وفاداری تابع ہے خدائی وفاداری کے۔ آپ تمدن کو بنگلہ نہیں کر سکتے اگر وہ آپ کی اخلاقی ترقی

میں مدد نہیں کرتا، محبت آپ کو سب کے ساتھ صداقت میں حصہ لینے پر آمادہ کرتی ہے اور آپ صداقت کی تخلیق بلا دروغ کی تباہی کے نہیں کر سکتے اور یہ دونوں ہنر کی شکل دیتے ہیں۔ اس طرح سے دروغ کی بربادی بھی اپنے اعلیٰ مفہوم میں تخلیق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جنگویا نہ کارروائی بھی تخلیقی اور روحانی ہے اور اس کو کامل غیر متشدد و امن پسند بنا کر آپ اس کی تخلیقات کی داخلی اور نیز خارجی قیمت کا بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ گاندھی نے داخلیت اور خارجیت اور فردیت و عمویت کی درمیانی پلھون کو پاٹ دیا ہے۔ اور اگرچہ گاندھی کا کام شکست خالی نہیں ہے لیکن وہ اُن دلائل کی وجہ سے جنگویا نے اختیار کیے ہیں قابل شکست نہیں ہے

خاتر سخن | عندالاعتقاد ہم یہ کہیں گے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مدرسہ شانتی نیکیتان قدیم ہندوستانی تہذیب، فلسفہ، آرٹ تاریخ اور جدید علوم و لٹریچر اور مغربی زبانوں کی ایک بہترین درس گاہ اور مشرقی و مغربی تمدن و خیالات کا سنگم ہے طالبین صادقین صحیح ادبی و علمی ذوق اور مضرب فی معلومات کا ایک بہترین ذخیرہ وہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ البتہ مقامی آب و ہوا کے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ کچھ کے رہنے والوں کو وہاں کی آب و ہوا ایک عرصہ کے بعد راس آتی ہے، خصوصاً اس وجہ سے اور بھی کہ کھانے کا وہاں بہتر انتظام نہیں ہے۔ عموماً ترکاری وغیرہ تیل میں پکی ہوئی ہوتی ہے اور چاول اُسے ہوئے فرمائش کرنے پر اُن لوگوں کے لیے جو چاول کے عادی نہیں ہیں روٹی بھی ملنا رہ جاتی ہے۔ وہاں کے پانی میں قوت ہاضمہ بہت کم ہے پس ضرورت ہے کہ جو صاحبان مدرسہ مذکور میں جانے کا ارادہ کریں وہ اگر کھانے کا نہیں تو کم سے کم عمدہ ناشتہ کا اہتمام اپنی صحت کو قائم رکھنے کے لیے بطور خود کر لیں۔

مستحقان

ہندوستان کے عہد اسلامی اور آغاز عہد انگریزی

مین
ڈاک کا انتظام

”جولائی ۱۹۲۲ء کے رسالہ کلکتہ ریویو مین پر دفیئر سرجے لکرنے ایک مضمون لکھا ہے جو امید ہے کہ ہمارے ناظرین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا،

لفظ ڈاک خانہ سے آجکل ہم جس چیز کو مراد لیتے ہیں وہ حال کی ایجاد ہے، ابتداً یہ ایک شاہی محکمہ تھا۔ حکومت کے مختلف حصوں میں قیام مراسلت، اور انتظامی اغراض کے لیے ایک دوسرے صوبہ اور شہر کو متحد رکھنے کی ضرورت کی بنا پر یہ وجود میں آیا، ۱۸۳۷ء سے قبل ہندوستان میں کوئی عام نظام ڈاک نہ تھا، اور مختلف حصوں میں قیام مراسلت کا کام خاص قاصد (خواہ وہ شخصی ہوں یا شاہی) کے ہاتھوں میں تھا، ابتدائی ڈاک خانجات کے متعلق اسپریریل گزٹ لکھا ہے،

”ابتداءً عہد سے دیسی ریاستوں نے۔ قاصد، پتہ، یا ہر کاروں کے ذریعہ، ذرائع مراسلت کو بہت کچھ ترقی دے رکھی تھی اور یہ بتانا خالی از دہی نہ ہوگا کہ انگریزی کی طرح دیسی زبانوں میں (شاہی ہندوستان ڈاک یا دکن و ہمارا اثر و جگہ وغیرہ میں مثال کا لفظ) بھی دیسی الفاظ اس محکمہ کو ظاہر کرتے ہیں جو ان قاصدوں کے مرکوزوں اور پھرتی جگہوں کو بتاتے تھے،

قرون وسطیٰ میں، ہندوستان کے سب سے پہلے حکمرانوں کا بہتہ ہو علاء الدین خلجی کے زمانہ میں تھا، یہ مسلمانوں نے تخت نشین ہوا تھا، مشہور مورخ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ یہ جب کہیں کوئی فوج روانہ کرتا تو اس کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے پیادوں یا سواروں کی ڈاک کا انتظام کرتا،

مشہور افریقی سیاح ابن بطوطہ کے بیان سے، جو مسلمان ہندوستان آیا تھا، یہ بات صاف طور سے معلوم ہوتی ہے کہ چودھویں صدی کے وسط میں اس حکمران نے کافی ترقی کر لی تھی، وہ اس نظام کو اس طرح لکھتا ہے۔

ہندوستان میں قاصد دو قسم کے ہوتے ہیں: پیادہ اور سوار، انکو عموماً ”اولاق“ (معارف) ڈاک دوڑ دے، غالباً یہ ترکی لفظ ہے) کہتے ہیں، سوار جو عموماً سلطان کے رسالوں کے جز ہوتے ہیں، ہر بار میل پر قیام کرتے ہیں، اور پیادہ ہر میل پر ٹھہرتے ہوئے ٹھہراؤ اور ٹھکانہ کو طے کرنے ہیں، انکا ہر اسٹیشن (ٹھہراؤ یا ٹھکانہ) ایک میل پر ہوتا تھا اور وہ ”دادہ“، کہلاتا تھا۔ (معارف، غالباً یہ لفظ ”اڈا“ ہے) ہر قاصد کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا ہوتا تھا جو تقریباً دو ہاتھ لگتا ہوتا، اور اس کے سر پر گنگنہ دہندہ ہوتے تھے، اس کے ایک ہاتھ میں ڈاک ہوتی اور دوسرے سے وہ اون گنگنہ دن کو بجاتا، اس طرح وہ اپنے قریب کے اڈے تک جاتا ہے، اور جب اس جگہ پہنچ جاتا ہے تو پھر گنگنہ دن کو بجاتا ہے، اس پر اس اڈے سے ایک آدمی نکلتا ہے، وہ اس سے ڈاک لیکر دوسرے اڈے کی طرف روانہ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ سلطان اپنی مراسلات اتقدر جلد پالیتا ہے۔“

اس افریقی سیاح کے ہمعصر اور مورخ عبد شہاب الدین ابوالعباس احمد نے بھی اسی قسم کے

حالات کلمے ہیں،

ڈاک کے سلسلہ میں سکندر رودی اور بابر کے نام بھی لائے جاتے ہیں، سکندر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اس غرض سے کہ اس کے پاس روزانہ ٹیلیگراف آگروہ اور بنگال کے مشرقی حدود تک کی خبریں پہنچا کرین، تھوڑی تھوڑی دور پر اس قسم کی چوکیاں قائم کی تھیں۔

بابر نے آگرہ سے کابل جانے والی سڑک کی پیمائش اور اسپر گھوڑوں کے ڈاک کے اجراء کا حکم دیا تھا؛ تنزک بابر ہی میں لکھا ہے کہ ۱۰ دسمبر ۱۵۲۵ء کو چچاق بیگ کو حکم دیا گیا کہ وہ آگرہ سے کابل جانے والی سڑک کی پیمائش کرے اور وہ قبیل احکام شاہی کے لیے اسی دن چل کھڑا ہوا، اس کام کے نظام و ترتیب کو یوں بیان کیا گیا ہے،

”ہر کردہ پر ایک بارہ تار (تقریباً ۲۶ فٹ) بلند مینار بنایا جائے اور اس کے سر پر

ایک چارورہ ہو، ہر ۱۸ کردہ پر ڈاک کے گھوڑے بندھے رہیں، سوار دن، سائیمین کی تنخواہ اور گھوڑوں کے دانے کا پورا پورا انتظام کر دیا جائے۔

لیکن ترک سے اس بات کا بہتہ نہیں چلتا کہ یہ ارادہ عالم وجود میں بھی آیا یا نہیں، شیر شاہ (۱۵۴۵-۱۵۵۷ء) کا عہد حکومت، ہندوستان کی اسلامی سلطنت میں ایک خاص قیام

پر لکھا ہے، یہ اسی کا عہد تھا، جس میں مختلف سیاسی و اقتصادی معاملات میں ترقی ہوئی اور انتظام و عدل کے نئے طریقے اور اصول مرتب کئے گئے؛ شیر شاہ نے صرف سرکین اور سرزمین ہی تعمیر نہیں کیں بلکہ اپنی تمام سلطنت میں گھوڑوں کی ڈاک بھی جاری کی، جیسا کہ کہا جاتا ہے اس نے مختلف سرکوں پر تقریباً ۷۰۰۰ سرزمین بنوائیں، ہر سرزمین میں دو گھوڑے موجود رہتے تھے کہ خبر کو فوراً

۱۵ ایٹ جلد سوم صفحہ ۵۵ ۱۵ ایٹ جلد چہارم صفحہ ۴۱۰ کا حاشیہ، جلد پنجم صفحہ ۱۰۲ سے ترک

بابری، حصہ سوم صفحہ ۶۲۹

یہاں میں اس حساب سے ہندوستان میں ڈاک کے محکمہ کے لیے ۳۴۰۰ گھوڑوں کا التزام تھا، شہنشاہ اکبر (۱۵۵۶-۱۶۰۵ء) شاید پہلا بادشاہ ہے جس نے ہندوستان میں اونٹ کی ڈاک جاری کی آئین اکبری کی مندرجہ ذیل سطروں سے یہ بات واضح طور سے معلوم ہو جائیگی کہ سوہوین صدی میں محکمہ ڈاک مکمل صورت اختیار کر چکا تھا،

ہندوؤں کے ایک فرقہ کو جو اونٹوں کی عادت سے بخوبی واقف ہوتا ہے ”راٹھاری“ کہتے ہیں، وہ دیسی اونٹوں کو اس طرح چلنا سکھاتے ہیں کہ وہ بہت قلیل عرصہ میں ایک معقول مسافت طے کر لیتے ہیں، اگرچہ دارالسلطنت سے لیکر حکومت کی سرحدوں تک گھوڑوں اور تیز آدمیوں کو ہر چار کوس پر محکمہ ڈاک کے لیے رکھا گیا ہے، لیکن محل شاہی میں اس قسم کے چند اونٹ ہر وقت موجود تیار رہتے ہیں،

سترہویں صدی کے یورپین سیاحوں میں، الگزینڈر ہلٹن نے (Alexander Hamilton) مغلوں کے نظام ڈاک کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے،
مغلوں کی حکومت میں ڈاک بہت جلد جاتی ہے، کیونکہ اون تمام کارروائیوں میں جو کہ ہر بڑی سڑک پر دس دس میلوں کے فاصلہ پر بنے ہوئے ہیں، بہت تیز رو آدمی مقرر ہیں، خطوط ایک رنگے ہوئے کس میں بند رہتے ہیں، اور وہ کس ہر کارہ کے سر پر ہوتا ہے، جب وہ سراسے کے قریب پہنچ کر اپنے آنے کی اطلاع دیتا ہے تو دوسرا شخص اس کس کو لیکر اگلی جگہ کے لیے روانہ ہو جاتا ہے، اسی طرح شب و روز بائیں چھ میل فی گھنٹہ چکر ڈاک اپنے منزل مقصود تک پہنچ جاتی ہے، چنانچہ اس وسیع حکومت کے بعید ترین مقامات سے

سارن، مرغ مشیر شاہی، ایرٹ جلد چارم صفحہ ۱۸۸، آئین اکبری سترہویں جلد اول

بھی آٹھ دن کے اندر خبریں دربار میں پہنچ جاتی ہیں^۱،

مغلون کے عہد میں، حکومت کے مختلف حصص میں متعدد قسم کے اخبار نگار ہوتے تھے، وہ (۱) دقائے نویس یا دقائے نگار (۲) سوانح نگار (۳) خفیہ نویس اور (۴) ہر کارہ کے ناموں سے موسوم تھے، وہ مستقل طور سے مرکزی حکومت کو خبریں بھیجا کرتے تھے، یہ "داروغہ ڈاک چوکی" کے ماتحت ہوتے، اسی کے پاس تمام خطوط و کاغذات آتے تھے اور وہ انکو کھولے بغیر وزیر کے حوالہ کر دیتا تھا کہ بادشاہ کو پہونچا دیے جائیں، ایک فارسی نسخہ سے جو شاید ۱۸ صدی کے ابتدا کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، ہکو پتہ چلتا ہے کہ دقائے ہفتہ دار، سوانح، مہینہ میں دوبارہ اخبار ہر کارہ ماہوار اور ناظم دیوان کے کاغذات بھی مہینہ میں دوبارہ جانے جاسین، البتہ اہم خبر و کوئی الفور روانہ کرنا چاہیئے، صوبوں کی دارالسلطنتوں کی تعداد میں تغیر ہو سکتا ہے، لیکن اون کی کثرت آمد و رفت سے یہ بات لازمی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ محکمہ ڈاک کے مستقل قیام کی کس قدر ضرورت ہے، اور گجرات کی تاریخ مرآۃ احمدی مصنفہ محمد علی خان، دیوان صوبہ مذکور سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ کم از کم ۱۸ صدی کے وسط میں یہ محکمہ بہت کچھ مکمل تھا، یہ تاریخ مشہور میں لکھی گئی تھی، علیخان کے بیان کے مطابق مخبر صوبہ کے ماتحت اخبار نویسوں اور دقائے نگاروں کی ایک بڑی جماعت ہوتی جو صوبہ کے مختلف شہروں، عدالتوں اور دفتر دن میں رہتی تھی،

"وہ روزانہ خبریں حاصل کرتا ہے اور انکو ایک خط میں درج کر کے اونٹ کے ذریعہ دوبارہ

کو روانہ کر دیتا ہے، سوانح نگاروں کی جماعت صرف افواہوں کو لکھتی ہے۔ تیسری جماعت

ہر کاروں کی ہوا کرتی ہے جو صوبہ داروں کے ساتھ ہوتے ہیں، ڈاک کی چوکیاں، صواباد

1 - Pinsterton voyages vol VIII, p 316

2 jadumath Sarkar. Mughal administration pp 97-101

آجیر کی سرحد تک بنی ہوئی بین اون میں پیدل امد سوار دون شاہی ڈاک بجانے کے لیے تیار رہتے ہیں، یہ ڈاک ایک ہفتہ کے اندر شاہجان آباد یا دہلی پہنچ جاتی ہے ڈاک کا ایک دوسرا سلسلہ برصغیر سے دکن تک کا ہے،

کرنل وکس کا بیان ہے کہ میسور کے راجہ چک دیو نے جو ۱۷۹۹ء میں تخت نشین ہوا تھا سب سے پہلے اپنی تمام ملکیت میں محکمہ ڈاک قائم کیا، میسور کا محکمہ ڈاک صرف خبر رسانی ہی کا ایک جہول آلہ نہ تھا بلکہ خبروں کے حصول کا بھی ایک کارآمد ذریعہ تھا، پوسٹ ماسٹروں دوسرے عامل محکمہ اپنے معمولی فرائض انجام دینے کے علاوہ حکومت کے خفیہ ایجنٹ کا کام بھی کرتے اور اپنے اپنے ضلعوں کی خفیہ کاروائیوں کی اطلاع بھیجتے رہتے تھے۔ اس طریقہ کو حیدر علی نے اور کمل کر دیا، قرون وسطیٰ میں محکمہ ڈاک حکومت کے کاروبار کے لیے مخصوص تھا اور عام لوگ اس سے مستفید نہیں ہو سکتے تھے۔ ذاتی خطوط قاصدوں کی معرفت روانہ کیے جاتے تھے اور یہ قاصد تجارتی مرکزوں میں گزر جاتے تھے، لیکن چونکہ سرکاری قاصد بھی بعض اوقات مخصوص حالات میں ذاتی خطوط لیا جاتے ہوں، ان ذاتی قاصدوں کو ملنگ مختلف حصوں میں مختلف نام سے یاد کیا جاتا تھا، مثلاً قاصد۔ پیامبر، سرکارہ وغیرہ۔ پیسٹر

(Peter Mundy) (۱۷۲۸-۳۳ء) کے وقت میں بازار قاصد ۱۱ یا ۱۵ دن

میں پتہ سے آگرہ خط لیا جاتے تھے، ۳۵ "تیز رو" قاصد پندرہ میں دن میں دہلی اور سورت کی مسافت طے کر سکتے تھے، ۵۵ پتھر کے لیے عموماً گواسے پھلی پٹن تک میں دن درکار تھے ۵۵ ڈاکٹر فرارڈ (Hager) کے بیان کے مطابق دکن میں صرف پتھر ہی زیادہ ہر کار کا تھا

1- Bombay Gazette vol 1 part 1, P. 214

2- Witho Historical Sketches of the South of India vol 1 P 89, 3- Journals of Peter Mundy, vol. II P. 368

4- Wilson, Early Annals of the English in Bengal vol. II, Part II P. 90 5- Love, vestiges of Old Madras (Indian Records Series) vol. I, P. 198

6- Strides, East India and Poroka vol 1, P. 279

عام خطوط کی ابتداء مسئلہ ۷ سے شروع ہوتی ہے، جبکہ پہلے پہل کمپنی نے محصول ادا کرنے پر اپنے قاصدوں کے ذریعہ خطوط کی روانگی کی اجازت دیدی تھی، جب انگریزوں اور ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ان قاصدوں سے اپنے خطوط و کاغذات کی ترسیل و پہنچ کا کام لینا شروع کیا، لیکن چونکہ اس میں ضرورت سے زیادہ وقت اور روپیہ خرچ ہوتا تھا، اس لیے مسئلہ ۷ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے بھیجی اور مدراس کے افسروں کو حکم دیا کہ آسانی اور کمپنی کی آمدنی کے لیے اپنے اپنے بیان حکمہ ڈاک قائم کریں، بھیجی کو حسب ذیل ہدایتیں روانہ کی گئیں :-

”ہماری خواہش ہے کہ تمام خطوط کی آمد و رفت کے لیے ڈاکخانہ قائم کیا جائے ہر خط کا محصول مقرر ہو اور خط کے وزن کے مطابق ان محصولات کو دگنا یا گنا کیا جائے تاکہ چند ساون میں کمپنی کو معقول فائدہ حاصل ہو اور تجارت سودا گروں کو ہمیشہ سے زیادہ سہولیت نصیب ہو، اس لیے تمکو چاہیے کہ خشکی اور تری کے راستوں سے ان کی روانگی کا انتظام کر کے اور مناسب مقامات پر ان کی چوکی قائم کر کے، سورت اور دوسرے مقامات پر خطوط نہایت سرعت و حفاظت کے ساتھ روانہ کرو۔“

اسی قسم کی ہدایتیں مدراس بھی روانہ کی گئیں، معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ ۷ میں مدراس میں مناسب مقامات پر ڈاکخانے قائم کر دیے گئے اور اون سے خط و کتابت میں بہت کچھ آسانیاں

(ایک خاتمہ کے لیے پڑھو)

vestiges of old Madras, 1, 544

2 - vestiges of old Madras, 1, 136

پیدا ہو گئیں پہلے بدراس سے بنگال تک قاصدوں کے جانے میں دو تین مہینے درکار تھے لیکن اب صرف ایک مہینہ میں خطوط جا سکتے تھے؛ ابتدائی محصولات کا پتہ نہیں چلتا لیکن ۱۸۲۰ء کے محصولات یہ ہیں:-

فورٹ سینٹ جارج سے	دو ہنگا بیٹم تک ۴ قدام
" "	" بنگال " ۶
" "	" بمبئی یا سورت " ۹

اسکے بعد لارڈ کلاؤ کے زمانہ تک کے ڈاکخانہ کے حالات کا کوئی مفصل حال معلوم نہیں لیکن لارڈ موصوف کے زمانہ میں ۱۸۳۰ء میں پہلے پہل مستقل ڈاکخانجات کے قیام کا پتہ چلتا ہے، اس کے متعلق ذیل کا حکم ہمارے سامنے ہے،

ڈاک کے بہتر انتظامات کی غرض سے حکم دیا جاتا ہے، کہ آئندہ تمام خطوط گورنمنٹ ہاؤس سے روانہ کیے جائیں پوسٹ ماسٹریا اسکے ماتحت رات کو تمام خطوط کو چھانٹ کر روانہ کریں، کمپنی کے مختلف مقبوضات کے خطوط الگ الگ تھیلوں میں بند کر کے اوپری کمپنی کی مھر لگا دی جائے، ذمہ دار افسر کے علاوہ کوئی اور تھیلوں اور خطوط کو نہ کھولے اور اس ذمہ دار افسر کو چاہیے کہ صرف اپنے بیان کے تھیلے کو کھولے، اسی قسم کے احکامات کلکتہ جانے والے خطوط کے متعلق نافذ کیے جائیں گے۔

خطوط اور پکیٹ کے بسرعت و حفاظت پہنچنے کے لیے بہت سے اور قوانین بھی بنائے گئے وارن ہسٹنگز (Warren Hastings) کے زمانہ میں محکمہ ڈاک میں اور ترقی ہوئی،

1-Hamilton An outline of postal history and Practice etc, p. 131.

۱۸۳۳ء میں، کلکتہ میں ایک پوسٹ ماسٹر جنرل کا تقرر عمل میں آیا اور فی سو میل کے لیے ۲ فی خا
محصول مقرر کیا گیا، عام لوگوں کی سہولیت کے خیال سے ۲ کے تانبے کے ٹکٹ صرف ڈاک کے لیے
بنائے گئے؛ ۱۸۳۳ء میں وارن ہسٹنگز نے قوانین ڈاکخانہ پر نظر ثانی کی اور اسی طرح اکثر نظر ثانیان ہوتی
رہیں تا ۱۸۳۳ء میں عام ڈاکخانے جاری کئے گئے اور حکومت نے مقبوضات ایٹ انڈیا کمپنی
کے تمام خطوط کی ترسیل و تبلیغ کی حاکمانہ ذمہ داری لے لی؛

۱۸۳۵ء سے چند سال قبل بنگال اور مدراس کے مابین ہفتہ میں دو بار ڈاک کی روانگی
کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا؛ اس وقت تک بمبئی اور مدراس یا بمبئی اور کلکتہ کے درمیان کوئی منظم
سلسلہ نہ تھا؛ ۱۸۳۵ء میں یورپین تاجروں کی درخواست پر ایک پندرہ روزہ ڈاک سلسلہ مدراس
اور بمبئی کے مابین قائم کیا گیا تھا، اسکا راستہ حیدرآباد اور پونہ ہو کر تھا اور اس میں تقریباً ۲۵ دن
صرف ہوتے تھے؛ ۱۸۳۹ء میں اسے ہفتہ وار بنا دیا گیا اور راستہ بھی تبدیل کر دیا گیا، اب خطوط
بمبئی سے بمبلی پٹن اور وہاں سے کلکتہ اور مدراس جلتے گئے، اس ذریعہ سے بہت سادقت بچ گیا
اور اب خطوط بمبئی سے کلکتہ ۲۶ دنوں میں، مدراس ۱۷ دنوں میں اور مدراس سے کلکتہ ۱۹
دنوں میں پہنچ جاتے۔ پوسٹ میں ہمیشہ پیادہ پا ہوتے؛ اونکی چوکیان عوامات آٹھ میل پر
ہو تیں اور ۲۴ گھنٹوں میں اونکی رفتار تقریباً تریسٹریس ہوتی تھی؛

1- *Hamilton PP 132-33: Claxton, The post office of India and its story, PP 13, 17, 191-94.*

2- *voliges of old Madras, III, 79, 443-45; Selections from the letters, Despatches, and other state papers preserved in the Bombay Secretariat, Home Series, vol. II (ed. Forrest), p. 347.*

3- *Remell. memoir of Hindostan p 237.*

کلکتہ سے پٹن کی مسافت ۳۹۸ میل تھی کہیں چوکیان دور دورہ ہوتے تھے۔ کلکتہ سے دھاکہ، ایل قاندر اس میں چوکیان
۱۸۳۳ء کا نقشہ، Claxton, p. 193

وزن اور سافت کے اختلاف کے ساتھ محصول میں بھی کمی و زیادتی ہوتی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ چند ہی سالوں میں اس میں مختلف تبدیلیاں ہوئی تھیں، ^{۱۸۸۶ء} میں مدراس و بمبئی کے مابین خطوط کا محصول حسب ذیل تھا،

ایک خط کے لیے	۲ روپیہ
دگنے " "	۴ " "
تین گنے " "	۶ " "

پیکٹ پر ۴ روپیہ فی اونس کے حساب سے محصول تھا، ^{۱۸۸۹ء} کے بعد پ ۲ تولہ وزن کے خطوط کا محصول حسب ذیل تھا،

بمبئی سے پورہ تک	۵۲ کوس	۲ ر
" " حیدرآباد تک	۲۲۲ "	۸ ر
" " پھلی پٹن تک	۳۳۱ "	۱۲ ر
پھلی پٹن سے مدراس تک	۳۲۳ میل	۳ فنام ۴ ر
" " گنم تک	۴۲۸ "	۴ " ۸ ر
" " کلکتہ تک	۳۰۵ "	۵ ر

پ ۲ تولہ سے پ ۳ تک دو گنا اور پ ۳ سے پ ۴ تولہ تک تین گنا اور پ ۴ سے پ ۵ تک چار گنا محصول ادا کرنا ہوتا اور یہ محصول اسی طرح بڑھتا جاتا۔ ^{۱۸۹۵ء} میں مندرجہ ذیل محصول تھا

ایک کوس تقریباً ۲ کا ہوتا ہے۔

1- Selection from the letters, etc. p. 347; notices of old Madras III 344

۱/۲ تولہ یا اس سے کم	کلکٹ سے
۲۲ روپیہ ۱ -	برکپور
۳ -	راج محل
۵ -	پٹنہ
۷ -	بنارس
۳ -	ڈہلکہ
۶ -	چیتا کانگ
۹ - ۱	بہئی
۲ ۱/۲ - ۱	مدراس

۱/۲ تولہ سے ۱/۳ تولہ تک دکن اور ۱/۳ سے ۱/۴ تک بنگالہ محصول ادا کرنا پڑتا اور وہ اسی طرح بڑھتا جاتا۔ ان معمولات پر ۱۸۵۷ء میں پھر نظر ثانی کی گئی؛ اتولہ کے وزن کے خط کو سنگل لیٹر اور ایک سے ۱/۲ تک ڈبل اور ۱/۳ سے ۱/۲ تک ٹریبل لیٹر قرار دیا گیا، سنگل خطوط پر ۱/۴ انعام فی سو میل کے حساب سے محصول لگایا گیا؛ یہ سلسلہ بدستور جاری رہا تا آنکہ ۱۸۵۷ء میں مسافت کے خیال کو ترک کر کے تمام خطوط پر ایک ہی محصول مقرر کیا گیا،

کیرے (Carey) اپنی کتاب *The Good old Days of Honorable John Company*

میں لکھتا ہے کہ جولائی ۱۸۹۸ء میں ذاتی خطوط عام طور سے بذریعہ ڈاک روانہ ہوتے اسکے قبل

1- Carey, *The good old days of Honorable John Company*. vol. 1, p. 483

2. *vestiges of old Madras* III, 541.

3 - vol. 1, p. 484

سرت چند خاص افسرون کو بلا محصول خطوط روانہ کرنے کا حق حاصل تھا،

۱۸- صدی کے اختتام سے قبل، بھاری پارسلوں اور گھڑیوں کے بھیجنے کے وسائل بھی مختوف

تھے، یہ بھیگیوں پر جو آدمی کے کانڈھوں پر رکھی ہوتیں ایجائی جاتی تھیں، اس کو ہنگی ڈاک کہتے

تھے، ہلٹن (HAMILTON) اپنی کتاب اوٹ لائنس آف پوسٹل ہسٹری اینڈ پریکٹس

(OUTLINES OF POSTAL HISTORY PRACTICE) میں ہنگی ڈاک کے

متعلق لکھتا ہے،

ہندوستان، انگلستان کی وزنی اشیاء کے طریقہ ترسیل کی ایجاد کے ایک صدی

پہلے سے ایک نہایت مفید نظام کا مالک تھا، ہنگی ڈاک سے سست چلتے ہیں تاہم

ایک گھڑی ایک مہینہ کے اندر مرمت کے لیے کلکتہ جا کر درست ہو کر واپس آ سکتی ہے۔

مولود مصطفوی۔ از مولوی سید آل حسن صاحب حرم دہانی ہر رسالہ اصلاح۔ مع انضاج۔ از فتویٰ نموی۔ ہر

شہادت نامہ شید الشہداء۔ مسدس جنگی کریما۔ مع تصویر مصنف محمد عبدالحمد

رسالہ وحدت وجود۔ ہر حمتہ میرٹھی۔ ہر

رسالہ تنقیح العبادت۔ مع حالات مصنف۔ ہر گلستان ادب۔ یعنی اردو زبان کے مشہور

انوار العیون فی اسرار الملکون۔ یعنی لغزات وحالات اور مستند انشا پر ازون اور شاعروں کے بہترین مثنوی نظم و نظم

مقدم احمد عبدالحق رودلوی۔ ہر دلچسپ مجموعہ۔ ہر

نوٹ۔ تاجرون کے ساتھ قاص رعایت یعنی ۳۳ فیصدی کمیشن علاوہ محصول ڈاک۔

المشتہر بیگم حسرت موہانی، حسرت روڈ، کان پور

۱۳۴۲ء

تَلْخِیصُ تَبِیْہِ

سٹریٹی ایس ہملٹن نے رسالہ ہیرٹ جنرل کے اپریل نمبر میں ایک نہایت مفصل مضمون لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ مغربی تمدن کا خلعت ہندوستان کے جسم پر راست نہیں آسکتا، یورپ کا مادی تمدن شرق کی روحانی اور اخلاقی قوت کو فنا کر رہا ہے اور شرق کے تمام امتیازات کو مٹا رہا ہے، ہر قوم کا تمدن اسکی جبلت فطرت، تخیلات، ملکی آب و ہوا اور جغرافیہ خصوصیات کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اسلئے ایک قوم کے تمدن کو زبردستی دوسری قوم کے سر منڈ حنا، اوسکو دانستہ خود کشی پر آمادہ کرتا ہے، ہٹلر و ہٹلر کے طویل مضمون کے حسب ذیل اقتباسات پڑھنے کے لائق ہیں، ان اقتباسات کے ضمن میں یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس منصفانہ اور بے لاگ رائے کے باوجود ادنیٰ اندر اپنے مذہب کی اشاعت کا دلولہ انگیز جذبہ کس طرح دب دب کر ابھرتا، اور چھپ چھپ کر نکلتا ہے،

”اسوقت برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرتے زمانہ گزر گیا ہے، بعض حصوں میں دوسو سالوں سے اور بعض میں ایک سو برس سے حاکم ہے، حتیٰ کہ پنجاب بھی تین نسلوں سے اسکے زیر نگین ہے اور اسوقت شاید ہی کوئی ایسا تنفس موجود ہوگا جسے آزاد ملکی حکومت دیکھی ہو، اس تمام زمانہ میں برطانیہ نے خود یکایکی دیہی ریاست کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں امن و امان قائم رکھا۔ ۱۸۰۳ء گجنان آباد مرلی میں اور نہایت ہی وسیع پیمانہ پر پولیس کا اس قدر بہتر انتظام کیا کہ دنیا کی کوئی تاریخ اسکی مثال پیش نہیں کر سکتی، ان اوقات میں کبھی بھی ہندوستان کی سرحد و نہر کوئی اہم حملہ ہوا، اور چند مشتتات اور محدود شور و شون کے سوا ایک باشندہ یا سیاح خواہ اگر نہ یا دیسی اس قدر محفوظ رہا کہ یورپ کے کسی ملک میں بھی ممکن نہ تھا“

۳۳ ہزار میل ریل کی شرک بنائی گئی، ۳۳ میلین ایکڑ بنجر زمین کی آبیاری کے لیے نہرین بنوائیں گئیں، دس یونیورسٹیاں قائم کی گئیں اور تمام ملک میں اسکولوں کا جال بچھا دیا گیا، جو شخص بھی چاہے مغربی جراحی اور ادویات سے مستفید ہو سکتا ہے، ریل، کوئلہ کی کانوں، روٹی، جوٹ، اون حتیٰ کہ وہے کے کارخانوں میں زرکشیر جو زیادہ تر اہل برطانیہ کا ہے، لگایا گیا ہے غیر ملکی کارخانے اور بنک ہر جگہ کھل گئے ہیں، انھوں نے ہندوستان کی پیداوار کے لیے مٹدیان کھول دی ہیں اور اوسے اس قابل بنادیا ہے کہ وہ اوسے زمین کے بعد ترین حصہ سے اعتبار پر کاروبار کر سکتا ہے۔“

”یہ وہ ماڈی ترقی ہے جو برطانوی حکومت، اپنے ساتھ ہندوستان لائی ہے، ملک کا نقشہ بدل گیا ہے، لباس کا قدیم طرز اوٹھ رہا ہے، کارخانے کے کپڑوں نے خانہ ساز کپڑوں کو تقریباً نابود کر دیا ہے (تا آنکہ گاندھی نے زندہ کیا) اور یورپین وضع قطع جو ادنیٰ مردوں اور عورتوں کو بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے، ادنیٰ خوبصورت کپڑوں کی جگہ لے رہا ہے، تقریباً ہر شخص مال اور باجرہ کی جگہ گیہوں اور چاول کھاتا ہے، تیرتھ اب تفریحی سفر دن سے زیادہ وسیع نہیں بلکہ انسان صرف روٹی کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتا، اور نہ ایک قوم کی ترقی کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اوسین اس قدر روپے کی درآمد ہے یا اس قدر کپڑا خرچ ہوتا ہے یا اس قدر سونا اس کے پاس موجود ہے، دراصل سوال جس کا فوری جواب مطلوب ہے یہ ہے کہ آیا ہندوستان نے برطانوی حکومت میں رہ کر کچھ روحانی ترقی بھی حاصل کی ہے اور پھر اگر اس کا فقدان ہے یا نہ ہی کم ہے تو آخر کیوں؟ پس اگر ہندوستان کے خیالات کو مغرب کے عیسائی تمدن میں رنگنے کے لیے یہ بھی کوئی چیز ہے تو کوئی عینا اس کی طرف دیکھنا چاہیے اور اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ ”مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، اور یہ دونوں کبھی نہ ملیں گے“، کہ مشہور مقولہ کا اب کوئی ثبوت

انہیں ملتا کیونکہ حکومت کا مذہب عیسائیت ہے، اخلاقیات جن کا مطالعہ کیا جا تا ہے عیسائیت سے ماخوذ ہیں یا افادیات سے، تعلیم انگریزی ادبیات کے ذریعہ ہے، ایک ایسے ملک میں جہاں ہمیشہ استبدادیت رہی ہو، جو سیاسی اصول سکھایا جائیگا وہ یہ ہوگا کہ دنیا کی نجات کا بہترین ذریعہ مغربی جمہوریت ہے، جو خوبیاں بتائی جاتی ہیں وہ تمام تر گوشت خوار انسانوں کی ہیں اور اون لوگوں کی نظروں میں جو معتدل سبزی خوار ہیں ظلم سے مشابہ نظر آتی ہیں،

”ہندوستان سے بہتر کہیں بھی مشنریوں کا انتظام نہیں، یورپ اور امریکہ کے تقریباً ہر فرقہ کی مشنری یہاں موجود ہے، اور ایک شخص یہاں رومن کیتھولک، چرچ آف انگلینڈ، امریکن پریس بٹرن، ہینڈلٹ، چرچ آف اسکاٹ لینڈ، سونٹھ ڈے، اڈونٹسٹ اور چرچ آف کرسٹ کے مبلغین کو دو ہزار مربع میل کے دائرہ میں پاتا ہے، مشنریوں نے انجیل کی تبلیغ کی، بیماروں کو اچھا کیا، بچوں کو تعلیم دی اور ہر جگہ بھلائی کرتے رہے لیکن ہندو اور مسلمانوں نے انکو اتنی نفرت دیکھا کہ اگر فلسطین کے یہودیوں نے بھی حضرت عیسیٰؑ سے نفرت نہ کی ہوگی، نہیج ذاتوں کے علاوہ شاید ہی چند متنفس عیسائی بنائے گئے ہوں، چند ہندوستانیوں نے جذبہ شوق میں اپنے الگ کلیسا قائم کیے ہیں پر وہ سب کے سب مشنریوں کے مسلسل نگرانی و امداد کے محتاج ہیں، یہ سچ ہے کہ ہندوستان کے بعض حصوں میں ایک بڑی جماعت نے عیسائیت کی طرف اپنے رجحان کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بڑی جماعتیں اون نیچ ذاتوں کی تھیں جو نہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان، اور خواہ ہم اسکو روحانی بیداری سمجھ کر خوش ہوں یا معاشرتی ترقی سمجھ کر روا رکھیں، یہ ہکو اوس راستہ کا جو مسلمان اور ہندو آئندہ جگہ اختیار کریں گے پتہ بتانے سے بالکل قاصر ہے، بلکہ یہ خیال کہ انہیں اون لوگوں سے جو پہلے ہتر یا چار تھے مساویانہ حیثیت سے ملنا پڑیگا، اوس قومیت کے رکاوٹ کے علاوہ جسے عیسائیت نہ توڑ سکی اور نہ سہل کر سکی، ایک اور دیوار کھڑی کرتا ہے، اسلام اور ہندو

مذہب دونوں اسوقت ہمیشہ سے زیادہ مضبوط ہیں، کیونکہ قومیت و وطنیت کے جدید جذبات ان دو بڑے مذاہب میں وہ رشتہ اتحاد پاتے ہیں جو ہندوستان کے کسی واحد زبان یا واحد سیاسی نقطہ خیال کے روایات میں نہیں مل سکتا، ہندوستان میں حال کی تمام مذہبی بیداریاں مذہبی ہونے کے بجائے زیادہ تر سیاسی و وطنی ہیں، مثلاً آریہ سماج تحریک اتحاد اسلامی، اور سکھوں کا خاتمہ فرقہ، ہندوستان کسی نہ کسی دن عیسائی ہو سکتا ہے، لیکن یہ امید اسوقت اور درخشاں ہو چکی جبکہ انگلستان اپسر حکومت کرنا چھوڑ دے اور مشریمان اپنا قومی و نسلی غرور اور قدیم دیوتاؤں سے لڑائی باقی نہ رکھیں۔

عیسائیت کا یہی ایک اصول نہیں ہے جو ٹھکڑا دیا گیا ہے، ہر وہ شخص جو ہندوستان میں ہندوستان سے اکثر لڑا ہے، جانتا ہے کہ حتیٰ کہ وہ ہندوستانی جسے مغربی تعلیم حاصل کی ہے، اخلاق، ترقی، تعلیم اور سیاست کے ہر مسئلہ کو بالکل ہی دوسری نظر سے دیکھتا ہے، جو خفا و کینے نقطہ خیال سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتی، انگریزوں سے زیادہ وہ مادی قوت کے بجائے روحانی اشیاء کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہ بالکل ہی ناقابل تخیل خیال ہے کہ ہندوستانی کسی قسم کے بھی افادی اخلاق کو قبول کر لیتے یا خدا کے رضا و قدر کی جگہ کثیر ترین تعداد کی بہترین نیکی کے اصول کو دین گے پیداؤں اور حتیٰ کہ تقدس انسان کے معاشرتی درجہ کو متعین کرتا ہے لیکن دولت تو اس لائق بھی نہیں وہ روحانی خیالات جو یورپ میں رائج ہیں ہندوستانیوں پر کچھ بھی اثر نہیں کرتے، مثلاً ہندوستانی کسی صورت سے بھی انسانی برادری کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اس بات کو نہیں مانتے کہ ہر شخص کو مساویہ مواقع حاصل ہوں اور وہ مساویانہ معاشرت و اشتراکیت سے نفرت کرتے ہیں، ہندوستان اسوقت تک اس انقلاب سے جو فرانس نے ۱۷۸۹ء میں شروع کیا ہے نہیں گذرا ہے اعلیٰ قومیں اب تک پنج قوموں یا بے ذات قوموں کو جانوروں سے کچھ ہی بہتر سمجھتی ہیں، اور یہ پنج قومیں اپنی

حالت میں بالکل مطمئن ہیں اور انہیں اس معاشرتی تدریل کے ہٹانے کا سلسلہ کوئی خیال بھی نہیں ہے۔
 ”اسکے علاوہ صداقت کے مسئلہ کو لیجیے، ہندوستانی ویسے ہی مشرقی ہیں جیسا کہ روایت
 پیش کرتی ہے، خلوص کے بجائے تعصّب و ظاہر داری اب تک اس کے نقطہ خیال ہیں، اور وہ چہرہ
 جو حقیقت کو ظاہر ہونے نہیں دیتا اس سے جو دل کھو کر صاف بات کہتا ہو زیادہ مدد دہ ہے،
 ہندوستان کے تمام اسکول و کالج، شاید اس وجہ سے کہ وہ تمام تر دنیاوی تعلیم کے لیے ہیں، اونکی
 روش صداقت کی تبدیلی میں نا کامیاب ہیں۔ ذہنی صداقت اس معیوب نظر سے دیکھی جاتی
 ہے جس سے اظہار حقیقت، ہندو مذہب اس بات پر مصر ہے کہ تمام قصوں کو بیک وقت دینیات
 و تاریخی سمجھا جائے اور اسلام جو قرآن کے لفظی صداقت پر بھی کچھ پوچھنے کو منع کرتا ہے یہ دونوں
 کے دونوں اس بات کا ارادہ کیے بیٹھے ہیں کہ وہ ہر اس بات سے جو ادن کی مقدس کتابوں
 کے مطابق نہ ہو صاف انکار کر دیں، ادن لوگوں کو جو ایک آنکھ بند کر کے تدارک کرتے ہیں
 صداقت نہیں مل سکتی۔“

مغربی اثر نے ہندوستان کی تقریباً تمام صنعتوں کو مردہ کر دیا ہے، عجیب قسم کے
 باریک کپڑا بننے والوں زرد و زردون، بڑے ہون اور سنگ تراشوں میں حسن و خوبصورتی کی
 حقیقی تمیز و ذوق تھا۔ مگر مغربی مانگ و مغربی نمونوں نے ایک طرف تو اونکی تمام خوبیاں برباد کر دیں اور دوسری
 انکوں کو صاف میاں بھی نہ بتایا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ارزانی اور بیکار چیزوں سے کام لینے کے عادی ہو گئے۔“

”ان تمام واقعات سے چہ چلتا ہے کہ مغربی ترقی کی شاہراہ جو مغربی تمدن کی طرف رہنمائی کرتی ہے
 ہندوستانی ارتقا کی راہ نہیں ہے، اس شاہراہ سے ہٹ کر کوئی دوسرا راستہ ہندوستان کے لیے
 ہے، جو اسے کسی دوسری منزل مقصود تک لیجائے۔“

اَحْبَابُ عَلِيَّةَ

کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ میں اسلامی معنائیں پر جو قلمی کتابیں ہیں، ان کی فہرست بائیس سال ہوئے پر و فیصر براؤن نے مرتب کی تھی۔ اس اثنا میں قریب ۸۰۰ کے قلمی کتابیں یونیورسٹی لائبریری میں، اور تقریباً اسی تعداد میں مختلف کالجوں کے کتب خانوں میں خرید کر داخل ہوئی ہیں۔ سب کی مجموعی تعداد ۱۵۷۷ ہے۔ پر و فیصر موصوف اس وقت ان قلمی کتابوں کی مفصل و شرح فہرست مرتب کرنے میں مصروف ہیں، (ٹائیز لٹریچرری پبلیشٹ)

رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لنڈن) کا سالانہ مؤرخ ملائی، جو مستشرقین کے ہاں ایک نام طے ہے، امتیاز سمجھا جاتا ہے، ابکی بار پر و فیصر گائیڈ کی قسمت میں آیا، جو کیمبرج یونیورسٹی میں چینی زبان کے پر و فیصر ہیں، اور چینی زبان اور اس کے متعلقات کے بڑے محقق سلیم کیے جاتے ہیں، اس مؤرخ کی تاریخ آغاز ۱۹۷۸ء ہے، اور اس وقت سے ہر تین برس کے بعد اہم مستشرقانہ خدمات کے اعتراف میں یہ عطا ہوتا رہتا ہے۔ اس وقت تک اصحاب ذیل کے حصہ میں آچکا ہے۔

سال	نام محقق	نوعیت خدمات
۱۸۹۷ء	پر و فیصر کوبل	تحقیقات متعلقہ زبان سنسکرت
۱۹۰۱ء	اڈورڈ ڈولیم ویٹ	زبان پہلوی سے کتب مقدسہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا
۱۹۰۳ء	سر دلیم میور	تالیفات متعلقہ اسلام و شارع اسلام
۱۹۰۶ء	ڈاکٹر یو پ	تحقیقات متعلقہ زبان تامل

۱۹۰۹ء	سر بارج گریسن	تحقیقات متعلق بہ السنہ ہند
۱۹۱۲ء	ڈاکٹر فلیٹ	
۱۹۱۵ء	منسٹر یوس سر جیمس	تحقیقات متعلق بہ علوم چین
۱۹۱۸ء	ڈاکٹر ولفنٹ اسٹمہ	تالیفات متعلق بہ تاریخ ہند
۱۹۲۱ء	پروفیسر گائز	تالیفات متعلق بہ ملک چین

(نامنٹری پری پرنٹ)

ایک نامہ (شہنشاہ بابر کی خود نوشت سوانح عمری) کا ایک ترجمہ انگریزی زبان میں مسٹر اسکین کا کیا ہوا پیشتر سے موجود تھا۔ مگر وہ براہ راست ترکی سے نہیں، بلکہ فارسی ترجمہ سے ہوا تھا۔ اس لیے ترجمہ در ترجمہ ہو گیا تھا۔ ماہ جولائی میں مسٹر بیورج کے قلم سے اس کا ایک جدید ترجمہ انگریزی زبان میں ہوا ہے، جو براہ راست ترکی سے ہوا ہے۔ لندن کے مشہور مشرقی دارالاشاعت یوزک کمپنی نے اسے شائع کیا ہے۔ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے، اور قیمت ڈو پونڈ ساڑھے بارہ شلنگ ہے، خاتون موصوفہ دس سال سے اس کام میں مصروف تھیں۔ کتاب کو انھوں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ متعلق بہ فرغادہ، ۱۱۷۱ء میں تیار ہو گیا تھا، دوسرا حصہ متعلق بہ کابل، ۱۱۸۱ء میں، تیسرا متعلق بہ ہندوستان، ۱۱۹۱ء میں اور چوتھا، جو دیباچہ، فرہنگ وغیرہ پر مشتمل ہے، ۱۱۹۲ء میں تیار ہوا۔

سوڈیت کی عمارت (روس) سے وسطائی کا پہلا ہوا ایک خط کچھ روزہ کے جنوبی لندن میں ایک صاحب کو موصول ہوا۔ جن کے تین فٹ طویل اور سات انچ عرض رقبہ میں ٹکٹ چپان تھے، ٹکٹوں کی کل تعداد ۵۰ تھی، جن میں ۵۰ کی قیمت دو سو روپے تھی، اور سو ایسے تھے، جو تین تین سو روپے دے تھے، گویا کل ٹکٹوں کی مجموعی تعداد ۴۰۰۰۰ روپے تھی۔ جنگ سے قبل ایک روپے تقریباً ٹکٹ کے

مساوی ہوتا تھا، اس حساب سے ٹکٹوں کی قیمت ... پونڈ ہوئی، لیکن موجودہ شرح تبادلہ کے لحاظ سے یہ پالیس ہزار روپے بہت ہی حقیر قیمت کی شے ہیں،
(ٹوٹی میل)

— (۰) —

معزول قیصر جرمنی نے اپنے قلم سے اپنی سوانح عمری 'ٹرک قیصری' تالیف کی ہے، امریکہ کے ایک دارالاشاعت نے اس کے حقوق تالیف ۵۰۰۰ پونڈ (۵۰۰۰ روپیہ) معاوضہ دیکر خرید کیے ہیں، اس کی پہلی قسط غالباً یکم ستمبر کو شائع ہوگی ہو،
(ایضاً)

— (۰) —

یورپ میں مشہور تصانیف کے قلمی نسخوں اور ابتدائی ایڈیشنوں کی جو قدر ہوتی ہے، اسکا اندازہ اس سے ہو سیکگا، کہ حال میں جب ٹیکسیس کے مجموعہ تصانیف کا نیلام ہونے لگا، تو پہلی بولی ایک ہزار پونڈ سے شروع ہوئی اور بالآخر ۸۶۰ پونڈ کی بولی پر بیچ کر نیلام ختم ہوا! یہ مجموعہ ۳۲ء میں طبع ہوا تھا، دوسرا مجموعہ جسکا سال طباعت بھی یہی تھا، ۵۴۰ پونڈ میں نیلام ہوا! یہ دونوں نیلام ایک امریکی شائق علم مسٹر وزن بیک کی بولی پر ختم ہوئے۔ اسی نیلام میں فارسی کی بھی ایک قلمی کتاب جسکا نام نہ معلوم ہو سکا، اور جس پر سال کتابت ۱۰۷۰ھ درج ہے، ۸۰ پونڈ میں فروخت ہوئی،
(ایضاً)

— (۰) —

حال میں بعض دیوہیکل موٹرین ایسی ایجاد ہوئی ہیں، جن کی شرح رفتار دو میل فی منٹ کی ہے! انکے چلانے سے پیشتر کئی گھنٹہ تک انتہائی احتیاط و اہتمام کے ساتھ انکے ایک ایک پُربز کو تیار کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد یہ چھوڑی جاتی ہیں۔ ان کی سب سے سُست رفتار ایک میل فی منٹ کی ہوتی ہے، اس کے بعد تیزی کے ساتھ شرح رفتار بڑھتی گئی ہے، ابھی ۹۰ میل فی گھنٹہ تھی اب

ننویمل ہوئی یہاں تک کہ پورے ۱۲۰ میل فی گھنٹہ ہو گئی۔ اس حالت میں شور اس قیامت کا ہوتا ہے، کہ بات چیت کی آواز کان میں آنا ناممکن ہو جاتی ہے، مجبوراً سر و دست کے اشارات سے گفتگو ہوتی ہے، چلنے میں ہوائی جہاز کی سی خزاہٹ ہوتی ہے، اور سواریوں کو یہ محسوس ہوتا ہے، کہ بجائے زمین پر حرکت کرنے کے ہوا میں اڑ رہے ہیں (ایضاً)

—•••••—

بیرسلا (علاقہ جرمنی) سے خبر آئی ہے، کہ ایک نوجوان شخص جو ایک لوہار کی دوکان پر کام کرتا تھا، ایک مکان کی چھت سے گر پڑا۔ لوگ اٹھا کر اسپتال میں لے گئے۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کر کے یہ پایا، کہ کاسہ سر ٹوٹ گیا ہے، اور بجز ایک کے ساری پسلیاں شکستہ ہو گئی ہیں، مجروح ۲۴ سال تک اسپتال میں رہا، اس کے بعد ڈاکٹروں نے کاسہ سر کے استخوان شکستہ میں دہات کی ایک پلیٹ لگا دی، اور ٹوٹی ہوئی پسلیوں کے بجائے سونے اور پلاٹینم کی پسلیاں لگا دیں ان اعمال جراحی کی تکمیل میں ۲۴ سال کی مدت اور صرف ہوئی اس کے بعد مجروح کو اسپتال سے خلاصی ہوئی، اور اب وہ اچھی طرح چلتا پھرتا ہے۔ البتہ سونے اور پلاٹینم جیسی بیش بہا معدنیات کے اس کے جسم میں داخل ہونے کے باعث اسکی جان کافی پرخطر ہو گئی ہے، اس لیے حکومت کو اس کی حفاظت کا خاص انتظام کرنا پڑا ہے، اور اس کی نگہبانی کے لیے پولیس مقرر کر دی گئی ہے، جو چوروں اور قزاقوں کی دستبرد سے اسے محفوظ رکھے، (ایضاً)

—•••••—

برطانیہ کے مشہور استاد سائنس، سر آئیور لاج نے، جنہوں نے حال میں اپنی ایکٹروین ساگرہ منائی، اخبار ڈیلی میل کے ایک نمائندہ سے بیان کیا کہ وہ اپنے دانت کا بڑا حصہ لاسکی سے متعلق تحقیقات میں صرف کرتے رہتے ہیں، اور ایک مددگار کی اعانت سے اسی کے متعلق تجربات

وانقیارات میں مصروف رہتے ہیں۔ سیر آلودہ نے یہ بھی کہا کہ بارش کا انحصار فضا کی کربائیت پر ہے، مصنوعی و خارجی تدابیر سے اگر فضا میں کافی برقیّت پیدا کر دی جائے، تو فوراً بارش ہونے لگے۔ انھوں نے یہ توقع ظاہر کی، کہ کسی زمانہ میں ایسا ہو کر رہیگا،
(ایضاً)

—۰—

ڈرہم روڈ، پلٹسٹڈ (انگلستان) میں ایک مُعرّخاتونِ مہتمم ہیں، جنہوں نے ۷۰-۸۰ سال کی عمر کے ۱۰۵ سال ختم کر کے ۱۰۶ سال میں قدم رکھا۔ انکی ساری عمر دیہات میں گزری ہے، انکے قومی میں اب تک کوئی غیر معمولی ضعف نہیں، صحت کسی قدر نقل و حرکت ہے۔ ہاضمہ اتنا اچھا ہے کہ شبہ روزہ میں چار مرتبہ سیر ہو کر کھانا کھاتی ہیں، اور سال بھر ادھر تک بصارت ایسی تھی، کہ کتابیں پڑھ لیتی تھیں، ۳۶ سال ہوئے جب انکے شوہر کی وفات ہوئی،
(ایضاً)

—۰—

سرولیم گیری نے اپنے پارک واقع کینٹ (انگلستان) میں ایک عجیب قسم کا باغ لگایا ہے، شجر کے کنارے کنارے دور و دور درختوں کی قطاریں ہیں، جو تقریباً نصف میل تک چلی گئی ہیں، اور صفت یہ رکھی ہے کہ درختوں کا آغاز انگریزی ابجد کے ابتدائی حرف (اے) سے ہوتا ہے، بعد اسے درخت بعد کے حروف (بی۔ سی وغیرہ) سے شروع ہوتے ہیں یہاں تک کہ انکا خاتمہ انگریزی کے آخری حرف (ز۔ ڈ) پر ہوتا ہے،
(ایضاً)

—۰—

کلکتہ کے ایک نامور مسلمان خاندان کے ایک نوجوان رُکن حسن شاہ سہروردی کو آٹھ دس سال ہوئے علیگڑھ کالج نے وظیفہ دیکر حصولِ تعلیم کے لیے یورپ روانہ کیا تھا۔ وہ انگلستان سے واپس چلے گئے تھے، کہ جنگ چھڑ گئی، اور عرصہ تک ان کی خبر نہ معلوم ہوئی۔ اب تازہ اطلاعات سے

معلوم ہوا، کہ وہ بہ فریت ہیں، اور اس اثنا میں اپنے مذاق کے معنائیں کا برابر مطالعہ کرتے رہے۔
 کے مخصوص ذوق کی چیزیں، فنون لطیفہ اور خصوصاً ڈراما اور تھیٹر ہیں۔ ان معنائیں میں انہوں نے
 کمال کے ساتھ شہرت بھی حاصل کی ہے، اور ان کی تحریریں ان عنوانات پر روس کے مشہور رسالوں میں
 شائع ہوتی رہتی ہیں، روسی زبان پر انہیں پوری قدرت حاصل ہو گئی ہے، اور جرمن و فرینچ زبانوں
 میں بھی کافی حمارت پہنچالی ہے،
 (کامیون)

— (•••••) —

امریکہ کی اکادمی آف پالیٹکل اینڈ سوشل سائنس کے سہ ماہی رسالہ میں مایات یورپ و
 مسائل زر پر بعض اہل ہندو متیم یورپ و امریکہ کے معنائیں کو بھی جگہ ملنے لگی ہے، جس سے ظاہر ہوتا
 ہے، کہ ان معاملات میں بعض اہل ہندو متیم فن کے مرجعہ پر تسلیم کر لیے گئے ہیں،
 (ایضاً)

— (•••••) —

پیرس کے ایک مشرق جبریل فرانزوی سے فرینچ میں ترجمہ کر کے ایک کتاب اس عنوان سے
 شائع کر رہے ہیں، "ایک عربی سیاح، سلیمان کا سفر نامہ بین و ہند" یہ سفر نامہ تیسری صدی ہجری کا ہے، (ایضاً)

— (•••••) —

ڈاکٹر ڈیگن ڈاکٹر شعبدہ اصوات، کتبہ دسکاری برلن کے حسب فرمائش ایک ہندوستانی،
 پروفیسر بنوے لکھنؤ دسکاری آواز انگریزی زبان کو ادا کرتی ہوئی ایک فونو گراف میں محفوظ کی
 گئی ہے۔ نامور ماہر سنسکرت ڈاکٹر گوئڈرس کی فرمائش پر انہیں صاحب کی آواز بنگالی زبان کو ادا
 کرتی ہوئی بھی فونو گراف میں محفوظ کی گئی ہے
 (ایضاً)

— (•••••) —

مشرقی جرمنی کی کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس ابھی مرتبہ برلن میں ۴ مئی ۱۹۵۷ء کو ہو رہا ہے

منعقد ہوگا، یہ کانفرنس، جرمن اور نیٹل سوسائٹی (پیزگ) کے زیر اہتمام منعقد ہو رہی ہے جس کی عمر ۵۰ سال کی ہو چکی ہے۔ بانیان کانفرنس ہندوستان کے شائقین علم و فن سے مالی امداد کے متدعی ہیں (کالنجین)

کچھ روز ہوئے کو لمبس سرکل (امریکہ) میں ایک خستہ و ماندہ کبوتر زمین پر پڑا ہوا ملا۔ تفتیش سے اسکے بازو پر ایک مکتوب بندھا ہوا ملا، جس کے کاتب ایک محقق حیوانات سٹریڈ سٹریملر تھے، جو ایک کوہستان میں جا کر راہ بھول گئے تھے، اور وہاں سے طلب امداد کے لیے اس کبوتر کو قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ اس مقام سے جہاں یہ کبوتر ملا ہے اس کوہستان کا فاصلہ ۹۰۰ میل کا ہے، یہ فاصلہ اس نے غالباً پانچ دن میں طے کیا۔ اس حساب سے اس کی شرح پرواز ۳۸۰ میل فی یوم پڑتی ہے،

انڈیانا (امریکہ) میں ڈاکٹر دن کو ایک عورت سنرہیلن وریکوڈسکی کی بابت ایک نہایت عجیب تجربہ یہ ہوا، کہ جب وقت وہ اپنے گم شدہ فرزند کو تلاش کر رہی تھی، ایک ٹرین نے اکر اسے دھکا دیا، جس کے صدر سے وہ گر پڑی، اور دوسرے روز اسکی حرکت قلب بند ہو گئی، تاہم وہ مری نہیں اڈاکٹر اسکی نبض ڈیوٹسٹے تھے، نبض کا پتہ نہ تھا، تاہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، ڈاکٹر دیکھا بیان ہے، کہ اس طبی خرقہ کا باعث نبض اس کی ماتا تھی، اس کے سے اسکا تعلق خاطر اسدرجہ زبردست تھا، کہ اس نے حرکت قلب رک جانیکے باوجود بھی اکوزندہ رکھا تیسرے روز حرکت قلب زمر نو جاری ہو گئی، اور عورت تندرست ہو کر ہسپتال فرحت ہوئی

احمد آباد میونسپلٹی کے حدود میں اسوقت جتنے طلبہ قومی مدارس میں زیر تعلیم ہیں انکی تعداد ۴۰۰۰ ہے، بڑا اضافہ آنکے لیے ۲۰۰۰ سائذہ کام کر رہے ہیں اسکے مقابلہ میں سرکاری و نیم سرکاری مدارس میں طلبہ کی تعداد کل ۷۰۰۰ ارہ گئی ہے اور انکے لیے ۲۵۰۰ سائذہ کام کر رہے ہیں، گویا ہر مدرس کے حصہ میں کل سات سات لڑکے آتے ہیں۔ (دبئی کرانیکل)

احمد رضا

محمد علی کی یاد میں

از مرزا احسان احمد بی اے

اے پردہ کشائے حسن عرفان	اے جلوہ دو بہالِ احمر
مدتِ تری جانِ شاریون کے	فطرت کا بدل دیا ہے منظر
جو رنگ ہے تیری زندگی کا	آزادی روح کا ہے منظر
پامال ہے یون جو کفر و باطل	یہ تیرے خلوص کی ہے ٹھوکر
لرزان تری خاکِ شاریون سے	بنیاد غرور و فتنہ و شر
ہر موجِ نفس میں تیری پہنان	سرستی موجِ حجام کو تر
کاشائے زندگی میں تیرے	قذیلِ حرم ہے جلوہ گستر
آئینہ جان کا تیرے مقل	خاکِ درِ ملتِ ہمیسر
یہ چہرہ تا نباک تیرا	فردوسِ ارم کا اک گل تر
لبریز گداز ہے ترا دل	سرشارِ نیا زہ ہے ترا سر
ہے تیری نوا ہے حریت سے	معورِ فضا ہے ہفت کشور
آتشکدِ حیات تیرا	ہے سوزِ بلال سے متور
ہے ذوقِ فنا ہے تیرے ناناں	جانبازی کشتگانِ خیبر
دنیا کو دکھا دیا ہے تونے	توحید کا پُر جلال منظر

ہے اس میں نہانِ حیاتِ مُسلم
گل ہے یہی کائناتِ مُسلم

اسے جلوہ فرا ہے بزمِ ہستی	اسے مایہ نازِ شبن زمانہ
✓ لایا ہے ازل سے تو اسیری	تیرا ہے نفس ہی آشیانہ
✓ تو لاکھ شکست کھائے لیکن	اندازِ ترا ہے فاسقانہ
سرمایہ تقویت ہے تیرا	عدلِ عمری کا تازیانہ
ہر پیر و دین احمدی سے	رشتہ ہے ترا برادرانہ
ہے مایہ کیفِ روح تیرا	توحیدِ خلیل کا ترانہ
پھر یاد دلا دیا ہے تونے	سلطانِ دھیبِ بنے کا فساد
ہے تیری جبینِ آرزو کا	محررے حجازِ آستانہ

جو جامِ شراب آگئی ہے

سرچشمہ کیف معنوی ہے

اسے لمحہ فروزِ برقِ ایمان	اسے آفتِ خرمنِ ستمگر
سرمایہ نازِ شِشِ خرد ہے	تیرا یہ جنونِ روح پرورد
دوہ روحِ حیاتِ جادو ان ہو	جو درد ہے تیرے دل کے اندر
✓ ایمان کی تیرے ٹوکروں کو	دعائیِ کفر ہے نگوں سر
ہے دولہِ حسنو مس تیرا	آغوشِ ستم کا ناز پرورد
دنیا کے جلالِ ظاہری سے	ہے شانِ نری بلند و برتر
تو خسروِ بوریا نشین ہے	ہے تنگ تجھے کلاہِ دافسر

ہمت ترے قلب ناتوان کی غیرت دہ قیصر و سکندر
 اک نعرہ ترے شکستہ دل کا برہم زنِ حد ہزار لشکر
 محرومِ وطن ہے گرچہ لیکن ہر دیدہ ترین ہے ترا گھر
 ایثار ترا، تیری سپر ہے بیکار ہے سہی تیغ و خنجر
 کیا خوفِ عدد ہو تجھ پر طاری خود رحمتِ حق ہے تیری یاد
 تبلیغِ پیامِ راستی ہے کل سعی و عمل کا تیرے محور

تو تشنہ ذوق ہے اسی کا

مقصود ہی ہے زندگی کا

اے محرمِ راز ہاے فطرت اے جلوہ شناسِ برقِ امین
 آغوشِ ترے گدازِ دل کا ہے برقِ حیات کا نشیمن
 خاموشیِ لب پہ تیری قربان ہنگامہ جوشِ آہ و شیون
 دیرانیِ دل پہ تیری نازان شادابیِ صد بہارِ گلشن
 تیرے اعجازِ سادگی سے شرمندہ فسونِ حیدرِ دفن
 دابستہ ذوقِ دار و زنجیر ہے روزِ ازل سے تیری گردن
 گہائے ریاضِ منوی سے معمور ہیں تیرے سببِ دامن
 اک برقِ سی کووندتی ہے ہر سو سینہ ہے ترا کہ دشتِ امین
 ناکامیِ ظاہری پہ تیسری فتحِ ابدی ہے سایہِ فلکین
 مسلم کے لیے ہے ذاتِ تیری امید کا اک چراغِ روشن
 لبریزِ فردیغِ جاودانی آئینہٴ صبحِ زندگانی

بَابُ التَّنْقِیْدِ لِذِیَوَانِ فَانِیَا

تنقید دیوان فانی

از

جناب محمد الدین صاحب آئینہ فی سلسلہ لاہور

پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ میں ذاتی طور پر نہ تو صاحب دیوان کو اور نہ نقاد مولانا عبد السلام صاحب ندوی کو جانتا ہوں، اس بنا پر میرے خیالات جنبہ داری کے عیب سے پاک ہیں۔ معارف جولائی ۱۹۲۲ء میں دیوان فانی پر جو تنقید بھیجی ہے، وہ یقیناً صحیح معنوں میں تنقید ہے۔ معزز نقاد نہ تو پرانی لکیر کا فقیر ہے اور نہ تصوف و فلسفہ کی چاشنی، بدائع تراکیب یا کسی جائز جدت طرازی کا وہ اصولاً مخالف ہے اور وہ ذاتی دوستی یا عداوت کے احساس سے بھی بچھڑا نظر آتا ہے۔ اُسے کلام کے عیوب اور محاسن دونوں بیان کر دیے ہیں، اُردو ادب کی تاریخ میں اس قسم کی تنقید کی مثالیں بہت کم نظر آتی ہیں، مجھے عموماً اس تنقید سے اتفاق ہے تاہم کمین کمین اختلاف بھی ہے، جس کا ظاہر نہ کرنا اور حقیقت جرم انصاف شہادت ہے۔

تنقید کے پڑھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مولانا لکھنؤ کے مذاق اور آداب سخن کے حامی ہیں اور یہی ایک مرکز مولانا کے تمام اعتراضات کا محور ہے، مثلاً فانی کہتے ہیں،
 اور ح دل کو غمِ الفت کو قلم کہتے ہیں گن ہے اندازِ رقم حسن کے افسانے کا
 اعتراض یہ ہے کہ ”غمِ الفت کا قلم، نہ حقیقتہً“ صحیح ہے نہ مجازاً نہ استعارۃً۔
 یہ محض ذوقی بات ہے۔ شاعر غمِ الفت کو وہ تخیل سے بھتا ہے، اور اس لیے لوح پر جو کچھ

منقوش ہے وہ خائے غم کی نقش آرائی ہے، دل کو لوح سے و حرّت کن اندازِ رقم و تہیہ دی گئی ہے تو غمِ الفت کو اس کا قلم بنایا گیا جو باعثِ تخلیق و آفرینش ہے، غرض یہ کائنات، نقاشِ ازل کی تحریر ہے اور غمِ عشق آلاءِ تحریر یہ صوفیا کے ایک پامال خیال کی بدیع تہیر ہے،

چار زنجیرِ عناصر یہ ہے زندانِ موت و حشرِ عشق ذرا سلسلہِ جناب ہونا

”عناصر کے لیے زنجیر کا استعارہ بحثِ طلب ہے، جسمِ خاکی کو زندانِ کنا عام بات ہے اور اس رعایت سے عناصر کو زنجیر کنا شاعری کی جان ہے، ممکناتِ عالم کے بانوں میں عناصر راہم کی چار زنجیریں پڑی ہیں، جس سے وہ زندانِ ہستی میں مقید ہے، اس لیے عناصر کے لیے زنجیر کا استعارہ بہت مناسب ہے،

یوں دیکھی طرح کئی جب مری زندگی کی رات پھیر کے داستانِ غم دل نے مجھے سلا دیا

”زندگی کے دن کاٹنا محاورہ ہے، زندگی کی رات کاٹنا محاورہ نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ جس کی تمام زندگی ایک تاریک رات ہو وہ محاورہ کو کیا کرے۔ یہ بظاہر خلافِ محاورہ ترکیبِ فانی کے (معنی: فلسفہ زندگی کا منظر ہے، اس طرح۔

عزیزِ خاطرِ فطرت ہے جانِ عبرت ہے ہر ایک ذرہ جو اس عالمِ غبار میں ہے

اعتراض ہے ”عالمِ غبار“ کے لیے فارسی زبان سے سند متواتر درکار ہے، جواب یہ ہے

کہ سند درکار نہیں۔ ”عالمِ غبار“ کی ترکیب ایک بسیط فلسفہ فنا کو لیے ہوئے ہے، ”عالمِ خاک“ تو عموماً

شعرا کے قدیم نے باندھا ہے کیونکہ اذن کے نزدیک انسان کی تخلیق کا جزوِ غائب مٹی تھی، لیکن

اب جب کہ عناصرِ تخلیق ذرات، اجزائے فردہ اور سالمات ہیں تو عالمِ غبار کیوں نہ کہا جائے

علاوہ ازیں عالمِ خاک کہنے سے تو عالم کے وجود کا سیکرہ استحکام بھی سمجھا جاسکتا ہے لیکن جب شاعر ادھر کو

عالمِ غبار کہتا ہے تو اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے نزدیک عالم میں اتنا استحکام اور استواری

اور شیرازہ بندی بھی نہیں جتھر خاک میں ہے، جب نقاد جائز جدت طرازی کا مداح ہے تو بھڑو کو
”دیائے پریشان“ اور ٹپتا ہوا جگہ کے لیے سند متواتر کیوں درکار ہے،

اے اجل گھبرا ئیگا تنہائی تربت سے دل یہ ابھی بھولا نہیں ہے جوشِ وحشت کے مزے
اعتراف ہے ”وحشی تنہائی سے نہیں گھبراتا ہے“ یہ شاید نفسیات کا مسئلہ ہو، ہم نے تو تنہائی کو خوش
مناسبت اور وحشت خود ایک حالتِ اضطراب یا گھبراہٹ کا نام ہے،

کاش میں واقف نہ ہوتا رسم و رواجِ عشق سے کاش تم سمجھو کہ عشقِ نقہ گر کیا چیز ہے
”توازن کے لیے کچھ کو بجائے نہ کھتے ہونا چاہیے“ یقیناً اگر ایسا ہوتا بہتر ہوتا، مگر وزن کی
قید سے یہ عدم توازن پیدا ہوا ہے،

عشقِ صادق وہ کہ دل سے لب بکلا سکتا نہیں حسنِ یکتا وہ کسی نے جسکو دیکھا ہی نہیں
”عشق صادق کا لب تک آنا بالکل بے معنی ہے“ بالکل بے معنی، ایک فیصلہ کن حکم ہے۔ مگر آگے
چل کر نقاد خود ہی کہتا ہے کہ ”یہ دونوں مصرعے قابلِ تاویل ہیں“، ظاہر ہے کہ عشق صادق کے لب تک
آنے کا مقصود اس کے اظہار کا لب تک آنا ہے، اور قرینہ اس حذف پر دل ہے،

وہ تیر ہی بزمِ تنہائی میں چپ کی داد یہ حشر ہے بیان تو کھلے گی زبانِ داغ
”زبانِ داغ، نہ حقیقتِ صحیح ہے نہ استعارہ“ یہ مین نہیں سمجھا کہ یہ استعارہ کیون صحیح نہیں مقصود
یہ ہے کہ غمِ عشق کے داغ خود نمایاں ہو کر دم اظہار ہو جائیگی، اور یہی ”داغ کی زبان“ ہے
یہ استعارہ تو بالکل کھلا ہوا ہے،

چاڑھ کر فانی گریبانِ محمد ہم پلے دامنِ مشر کی طرف
”گریبانِ محمد کا استعارہ بحث طلب ہے“ یہ استعارہ بھی صاف ہے۔ محمد کی ظاہری صورت
گریبان سے ملتی جلتی ہوتی ہے، اس لیے اس کو گریبانِ محمد سے تعبیر کیا ہے، جس طرح انسان گریبان

منہ ڈالتا ہے، اوی طرح مردہ بھی لباس قبر میں چھپنے کے لیے اوسین منہ ڈالتا ہے،

آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہوں یہ جانتا ہوں دل اُدھر آیا اُدھر گیا
”دل“ کا لفظ مصرع ثانی میں واقعی زائد ہے نہ تو اتنا اچھا ہوتا،

صیاد یوں پردن میں گرہ باندھتے ہیں کیا بے درد بند بند کسی کا جکڑ گیا

”پردن میں گرہ باندھنا صحیح نہیں“ اس سے اگر یہ مقصود ہے کہ پردن میں گرہ باندھنا محاورہ

صحیح نہیں تو مجھے اس سے واقفیت نہیں، لکھنؤ کے کبوتر باز اسکو بہتر جانتے ہونگے، اور اگر مقصود

ہے کہ پردن میں گرہ باندھنے سے بند بند کیونکر جکڑ گیا؟ یہ تو صاف ہے اور اوی کو شاعر

کہنا چاہتا ہے کہ صیاد نے پردن میں اس طرح گرہ باندھی ہے یعنی اس سنگدلی اور بیدردی سے

باندھی ہے کہ مرث پردن کے باندھنے سے مرغ اسیر کا بند بند جکڑ گیا ہے،

”نار رسا ہونا“ اور ”داستان آغاز کرنا“ میرزا غالب کا متبع ہے، اہل لکھنؤ کو یقیناً اس پر اعتراض

ہوگا مگر اختلاف ذوق کی مجبوری ہے،

یہ تو اعتراضات سے اختلاف تھا۔ اب حضرت نقاد کی ایک تحسین سے بھی مجھے اختلاف ہے

اب آنکھ اٹھتی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی شرکان کو وہ چھڑچھاڑتے ہیں نوک نشتر سے رگ جان کو

”ہلکی سی شرکان ایک نہایت ہی جدید ترکیب، اور ایک نہایت ہی جدید استعارہ ہے اس کا

مشبہ بہ ہر لطیف متدبیر ہو سکتی ہے لیکن فانی نے مناسبت کلام سے نوک نشتر کو مشبہ بہ قرار دیا ہے“

میرے خیال ناقص میں یہ تمام صحیح سہی! لکل بے معنی ہے ”کیونکہ ہلکی سی“ کا تعلق ”جنبش“ سے

ہے۔ شرکان سے نہیں۔ یعنی ”اس شرکان کو ہلکی سی جنبش ہوئی“ نہ یہ کہ ”اس ہلکی سی شرکان کو جنبش

ہوئی“

مطبوعاتِ حیدرآباد

منہاج المنطق، اب تو قدیم عربی علوم پر شاہِ دناور سی کوئی کتاب اُردو میں لکھی جاتی ہے، ایسی حالت میں یہ پیش نظر رسالہ بسا غنیمت ہے، مولوی سید آقا رضا صاحب حیدرآبادی نے اس نام سے اُردو میں قدیم منطق پر یہ رسالہ سوال و جواب کے طرز میں لکھا ہے، طریقہ ادا سلجھا ہوا، عبارت صاف اور اختصار کے ساتھ تمام مسائل پر احتوا ہے، امید ہے کہ منطق خوان طلبہ کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ بڑی قطعیت کے ۵۲ صفحوں پر یہ رسالہ ہے، قیمت ۸ پیرہ۔ مولوی کاظم علی صاحب منظم دفترِ ترجمانی سرکارِ عالی حیدرآباد دکن،

فلسفۂ اخلاق، پنجاب کے منشی فاضل اور منشی عالم کے امتحانات میں اخلاق جلالی کے کچھ ابواب داخل ہیں، قدیم فلسفۂ اخلاق میں یہ فارسی کتاب اپنے اختصار اور اختصار کے ساتھ تمام مسائل پر احتوا کے لیے بہت مشہور ہے، ابوالسان محمد سلیم صاحب منشی فاضل معلم ادبیات اُردو دارال سکول امرآؤتی دہرا دھن نے داخل ابواب کا اُردو میں ترجمہ اور تخریہ کیا ہے، مطالب کو اپنے طریق پر جدید انداز میں ادا کیا ہے، یعنی ترجمہ میں کتاب کی نفی یا بندی نہیں کی ہے، جا بجا اپنی طرف سے حواشی چڑھائے ہیں، ہر باب کے آخر میں طلبہ کے لیے سوالات لکھے ہیں، یہ کتاب اگر خاص مقصد سے لکھی گئی ہے لیکن ہمارے نزدیک عام اُردو دان اصحاب بھی جن کو قدیم فلسفۂ اخلاق کے متعلق کچھ جاننے کا شوق ہو اس سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں، قیمت ۴ پیرہ، مترجم سے نشان بالا پڑے گی،

ہندوستانی، ہندوستانی زبان، جیسا کہ انگریز اُردو کہتے ہیں، اوس کے قواعد و زبان پر انگریزی اُردو میں انگریزوں کے اُردو دیکھنے کے لیے جناب منشی محمد اکبر خان صاحب حیدری نے یہ کتاب

تالیف کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں میں یہ تالیف سجد مقبول ہوئی ہے کیونکہ اس وقت پیش نظر نسخہ طبع پنجم ہے، منشی صاحب نے پہلے حروف ابجد بنائے ہیں، پھر اُردو تلفظ بنایا ہے، پھر ریڈروں کے طریق پر کچھ الفاظ اور پرکھ کر نیچے اودھین الفاظ سے فقرے بنائے ہیں، اور انگریزی سے اُردو اور اُردو سے انگریزی کرنا سکھایا ہے، ساتھ ساتھ قواعد کی مشقی تعلیم بھی کی ہے، آخر میں کام کے ضروری اُردو لغات مع انگریزی ترجمہ کے لکھ دیے ہیں کتاب ٹائپ میں عمدہ چھپی ہے، اور مجلد ہے صفحات ۱۹۴، قیمت ۷/۸ اور مع ضمیمہ ۱۱/۸ پتہ: حیدری اور نیٹل بک ڈپو، اکبر منزل، دہلی،

ثالث بالخیر یہ فسانہ ترکی سے جناب سید سجاد حیدر صاحب بی اے (یلوہم) کے قلم سے اُردو میں منتقل ہوا ہے، یہ کتاب بہت پہلے شائع ہو چکی تھی اب اس کا طبع دوم دارالاشاعہ پنجاب لاہور نے شائع کیا ہے، ترکی افسانوں کو سید صاحب جس حسن و خوبی سے اُردو کا لباس پہناتے ہیں وہ مستثنیٰ عن البیان ہے، ۲۰ صفحوں کے ایک چھوٹے سے افسانہ میں اس ترکی ادیب (لاحمکت) نے ترکوگی خانگی معاشرت کا نہایت لطیف و پراثر منظر دکھایا ہے، قیمت ۷/۸ پتہ: دارالاشاعہ پنجاب، لاہور،

آئینہ حرم، جناب زاہدہ خاتون شروانیہ مرحومہ بنت نواب منزل اللہ خان صاحب بالقابہ جو اکثر اپنا نام زرخ، شش لکھا کرتی تھیں، ہماری تعلیم یافتہ حلقہ خواتین میں علمی و ادبی حیثیت سے بہت بلند پایہ تھیں، انھوں نے چند مہینے ہوئے کہ کم عمری میں وفات پائی، ادنیٰ اُردو نظموں نہایت پاکیزہ اور پراثر ہوتی تھیں اور جو رتوں کی اکثر نظموں کے برخلاف اغلاط اور عیوب سے پاک ہوتی تھیں، ادنیٰ فارسی لیاقت معمولی سے بہت زیادہ تھی زمانہ رسائل میں اکثر اور مردانہ رسائل میں گاہ ۱۰ گاہ کے نتائج انکار شائع ہوا کرتے تھے، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب سال امیر خسرو کی یادگار میں ایک تحریری مشاعرہ کرتے ہیں، اور غزلوں کے انتخاب کے لیے ایک کمیٹی بناتے ہیں پہلے سال کے مشاعرہ میں اودھوں نے میرا نام بھی کمیٹی کے ممبروں میں رکھا تھا

مجلد سوم ماہ صفر ۱۳۲۰ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۲ء عدد چہارم

مضامین

۱۶۲-۱۶۵

شذرات

مولوی عبدالمجید صاحب بی اے، ۲۴۹-۲۴۶

تاریخ تصوف کے چند اوراق

مولوی حافظ احمد علی خان حسنا شوق، ۲۶۰-۲۶۳

اسلامی ہندوستانی علمی و ادبی

۲۶۴-۲۶۶

ہندوستان اور اسلامی عہد حکومت

مولوی ابو نعیم سید احمد حسنا محبوبا بی، ۲۶۶-۲۶۳

شہا بان اسلام اور شوق حیوانات

۲۶۳-۲۶۶

پیڈوانیو پورٹی اور ہندوستان

۲۶۶-۲۶۹

قدیم تاریخ ہند کے دو مسئلے

۲۶۹-۲۷۱

قوت حافظہ کی ایک حیرت انگیز مثال

۲۷۱-۲۷۴

اجنباء علیہ

جناب حضرت دین محمد گھنوی، ۲۷۴-۲۷۱

ادبیات

۲۷۱-۲۷۴

اوراق پارسیہ

۲۷۴-۲۷۶

مطبوعات جدیدہ

اسوۂ صبیان جلد دوم

از مولانا عبد السلام ندوی

کتاب مذکور کا دوسرا حصہ حسین مجاہد کرام کا نظام سیاسی اور ملکی انتظامات اور ملی خدمات کی تفصیل ہے؛

تفصیلات، فقہ، اسرار دین، تصوف وغیرہ علوم جہد کا بیکہ کہ دین پیدا ہو چکے تو ان کی تفصیل ہے؛ خاصیت ۲۷۵ صفحات قیمت ۲۷۵

نیچر

مکتبہ اسلامی

ماہ گذشتہ کا سب سے بڑا علمی حادثہ جناب مولانا رشید احمد صاحب سالم انصاری کی وفات ہی، مرحوم نے تقریباً بیس پچیس برس مسلسل ہماری زبان کی خدمت کی عربی و فارسی کے وہ لایق ادیب تھے، انکا علمی شوق و ذوق فطری تھا، انکی زندگی کا اکثر حصہ مطالعہ اور کتب بینی میں صرف ہوا تھا، علمی کتابوں کی تلاش اور جستجو میں انھوں نے ہندوستان کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا تھا، آخر میں ذی الحجہ ۱۳۸۵ میں جب علی گڑھ میں خاکسار لون سے ملنے گیا تو ان کو بستر مرض پر پایا، اور یہی انکا مرض الموت تھا، اس عالم میں بھی مبنی و میران کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہوا وہ علمی تذکرے کرتے رہے اور بچہ بچہ کے ایک نایاب علمی نسخہ کو بڑی محنت سے ترتیب دیا تھا اسکی اشاعت کا تذکرہ کرتے رہے، اردو مترجات میں، المدینۃ والاسلام، النہایت والاسلام، کتاب التوحید وغیرہ مفید الیفات یادگار چھوڑی ہیں، ترک مولات کے سلسلہ میں، مرحوم علی گڑھ کالج چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں چلے آئے تھے، اور یہیں سے رخصت ہوئے خدا مغفرت ارزانی فرمائے،

—•••••—

ادبیات مشرقی خصوصاً فن تصوف سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں یہ خبر یقیناً نہایت مسرت سنی جائیگی، کہ پروفیسر گلرس غنفریہ مولانا رومی م کی ثنوی کا، غایت اہتمام کے ساتھ ایک اعلیٰ ایڈیشن شایع کرنے والے ہیں۔ کام جس وسیع پیمانہ پر انجام پا رہا ہو، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تین جلدوں میں متن ثنوی ہوگا، اور تین جلدوں میں اس کا انگریزی ترجمہ۔ دو جلدیں شرح ثنوی کے لئے وقف ہوگی، ایک جلد فرہنگ الفاظ، فہرست مطالب، فیہرہ جات وغیرہ کے لئے مخصوص ہوگی، اور ایک

ذیلی میل کا نام نگار برلن سے اطلاع دیتا ہے کہ یونی مین ایک جدید ٹیکس پر خوری پر قائم ہوا ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ جو لوگ ایک مقدار زمین سے زائد کھولتے و مشروبات کا مطالبہ کریں گے، ان کے کانٹون ہوٹلون، بازاروں، چائے خانوں، شراب خانوں میں غرض ہر مقام پر یہ حکم سرکار عام شہر سے ذیلی ہوٹلوں و گھنی قیمت دیا جاتا ہوگا، تاکہ یہ اپنا کھانا پینا کم کریں، اور نادار رعایا ایک ذخیرہ غذا کے پینے میں مل سکیں۔ ٹیکس کی معقولیت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، لیکن بہتر ہوتا کہ جو عاقل بقدر کے بجائے جوع الارض کو قابل مواخذہ و موجب تضرع قرار دیا جاتا۔ جرمنی کو تو س مرض کا شاید ایک ہی مرتبہ شدید دورہ پڑا تھا، لیکن بعض مصرا قلم کا یہ مرض، سنا ہے کہ فرمن ہو چکا ہے۔

— ۳ —

ہر خوری و خوش خوری یورپ کو پیشہ غریبی ہے، ناز بچکان کی طرح طعام بچ و تناس کی تسریت تمدن میں مخصوص ہو چکا ہے، ڈاکٹروں نے بھوکے رہنے کے نقصانات اور پوری غذا کھانے کے فوائد اپنی تحقیقات عالیہ کا ایک ضخیم دفتر تیار کر دیا ہے، اس کے ایک نامور فلسفی (ہربرٹ اسپنسر) نے ضنا کہہ دیا ہے کہ بچوں کے حق میں اگر کم خوری و پر خوری کے درمیان حق انتخاب دیا جائے، تو اخر الذکر یقیناً قابل ترجیح ہے، ایسی فضائیں تغذیہ غذائی اولاد پر قدیمی نامانوس سمجھی جائے، بجا ہے، لیکن اس عالم کے علاوہ ایک دوسرا عالم بھی ہے، جہاں دن بھر بھوکا پیاسا رہنا سال میں ایک مہینہ کیلئے فرض رکھا گیا ہے، اور جہاں روزہ کو گناہوں سے بچے اور دل میں ایمان و تقویٰ پیدا کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے (لنگڈ شقون)۔ اس مملکت کے سب سے بڑا سربراہ کا معمول تھا کہ رمضان کے علاوہ بھی بہ کثرت روزہ رکھتے۔ بلکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ متعلق کئی دن تک افطار نہ فرماتے، اور اس بعض دفعہ او غذا ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے ساری عمر روزہ رکھ کر کاٹ دی۔ سچ کہا ہے اسی نامور آقا کے ایک نامور خادم نے، فضائل گرامی میں

بیچ جمع از پنچس پاکیزہ تر : نامہ در جوع ست منافع دہتر
 جوع خود سلطان دار و باست مین جوع در جان نہ چنین خواش مین
 جوع مرخسان حق را دان اند تاشوندا از جوع شیر و زور مند
 جوع ہر طبع کدرا کے دہند چون علف کم نیست پیش او مند

برنش ایند فارن باہل سوسائی، انگریز مسیحوں کی ایک مشہور تبلیغی انجمن ہے جس کے کارکن
 پر جوش تبلیغی مسیحیت ہیں۔ اس کی آخری سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوا کہ سوسائی کی شاخیں بیت المقدس
 اور قسطنطنیہ میں، دوران جنگ میں بھی مہملی رہیں، اور تبلیغ و اشاعت کا کام بدستور کرتی رہیں۔ یہ طرز
 عمل اس حکومت نرکی کا تھا، جس کے ظلم، تعصب، ناروا داری، و تنگ خیالی کی حکایات یورپ میں
 گھر گھر پھیلی ہوئی ہیں، اور موزین انگلستان کے طفیل میں، ہندوستان میں بھی ایک بڑی حد تک پھیل
 چکی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں تمدن مسیحی اقوام باہم دگر چس فیضی، رواداری، و کشادہ دلی کا برتاؤ کرتی
 ہیں، اس کا کچھ خمدید تجربہ تو ہندوستان کو بھی ہو چکا ہے۔ یاد ہو گا کہ آج سے چند سال قبل ہندوستان
 میں چرمون کی متعدد مشتری سوسائٹیاں قائم تھیں، آغاز جنگ ہوتے ہی انھیں کی ہم مذہب
 وہم تمدن، حریت دوست و جمہوریت نواز، حکومت برطانیہ نے پہلا کام یہ کیا، کہ ان تبلیغی انجمنوں کو
 منزل فنانک پہنچایا، اور ان کے کارکنوں میں سے ایک ایک کو اسیر کر کے کسی کو خارج البلد کیا،
 اور کسی کو قید و زنج میں ڈال دیا، جس قوم کا اپنوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہو، بیگانوں کو اس سے جس
 قسم کی توقعات رکھنا چاہئے، اسکا اظہار لامحل ہے۔ ع

جسکی بہاریہ ہے، پھر اس کی خزان نہ پوچھ!

کہا جاتا ہے، کہ دنیا کشت و خون کے مناظر سے تنگ آگئی ہے، اور عقلائے فزک اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں، کہ ہمیشہ کے لئے جنگ کا سذاب کر دین، چنانچہ مجلس اقوام کا زیر دست نظام مع اپنے غیر محدود مصارف اور لاتعداد عملہ کے اسی غرض سے قائم ہے، بیشمار مضامین و وسائل ضرورت مصلح و فوائد آشتی پر شایع ہو چکے ہیں، اور بے حساب تقریریں تدابیر امن عالم پر ارشاد ہو چکی ہیں۔ یہ سب کچھ "قال" تھا۔ حال "جو کچھ ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے، کہ دنیا کی تمام "دول عظمیٰ" غایت عجلت و بے صبری کے ساتھ اپنی بحری طاقتوں کی ترقی و اضافہ کی فکر میں منہمک ہیں، چنانچہ موجودہ جہازوں کے وزن کی تعداد، بہ مقابلہ قبل جنگ کے، یہ قدر ۱۴۰۰۰۰ و ۲۸۸۰۰۰ ٹن کے زائد ہے، اس سے بڑی بحری طاقت اب تک برطانیہ ہی کے پاس چلی آتی ہے، جو ۱۹۰،۵۲۰ ٹن کے وزن کے جہازات کی مالک ہے، اس کے بعد امریکہ ہے جس کے جہازات کا مجموعی وزن ۱۲۰،۵۰۶ ٹن ہے۔ اس سے اتر کر جاپان ہے۔ صرف ایک سال کے اندر حکومت نے اپنی بحری طاقت میں جس قدر اضافہ کیا ہے، اسکی تفصیل درج ذیل ہے۔

جرمنی	۱۱۳،۰۰۰ ٹن	فرانس	۲۳۹،۰۰۰ ٹن
ہالینڈ	۴۰۹،۰۰۰ ٹن	جاپان	۲۳۲،۰۰۰ ٹن
برطانیہ	۲۵۸،۰۰۰ ٹن	اٹلی	۲۳۱،۰۰۰ ٹن

تیرہ ہزار سے تیرہ سو برس آدھ صہبی ایک جماعت تھی، جس کی زبان پر صلح و سازگاری، مہدق خلوص، سکون دامن کے دھوئے رہتے تھے۔ مگر قلب اتفاق و شفاق، کذب و دریا، فتنہ و فساد کے جذبات سے بچ رہا تھا۔ واذ اقبل لہم لا تقصدون فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انہم هم المفسدون و لا لکن لا یشرعون دینہ (۱۲) اس جماعت کا جو انجام ہوا، دیدہ بہشتی ہو چکا ہے۔ مرکز علوم و فنون، و مروجہ تہذیب و اخلاق، انگلستان میں ناجائز و لادنون کی کثرت تھا، اس تک پہنچ گئی، جو کہ پارلیمنٹ کے سامنے مشرکت (جو سکرٹری) کو ایک سودہ قانون میں مضمون کا پیش کرنا پڑا، جو کہ

”جائزہ اولاد کے والدین اگر بعد ولادت آپس میں شادی کر لیں تو وہ اولاد کا ملوث جائزہ اولاد کے حکم میں رکھ دی جائیگی۔“

تاکہ ترکہ، وراثت، وغیرہ کے مخصوص سے کسی طرح اسن حاصل ہو نیز یہ کہ

”اس قانون کے نفاذ سے قبل جو ناجائز اولادین ہو چکی ہیں، ان کے والدین بھی اگر چاہیں تو اس قانون سے اب نکاح کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔“

یہ وہی انگلستان ہے جس کے مشاہیر ارباب قلم نے سلاطین اسلام، انابرا اسلام، بلکہ خود شایع اسلام صلعم کی ذات مبارک تک کو (نوذ باشد) شہوت پرستی کے الزام سے بری نہیں رکھا تھا کیا اس کی برقی روشنی کی جگہ کاٹھن محض اس غرض سے تھی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں اور اس کی سید کار یوں پر ہمیشہ پردہ پڑا رہے، ہل تک تشرقی حرم سے متعلق افسانہ نگاری و داستان طرازی کا حق حریفوں نے ادا کیا، آج ”مغربی حرم“ کی رسوائیوں کا پردہ، واقعیت کا زبردست ہاتھ، خود گھر والوں کے ہاتھ سے چاک کر رہا ہے،

تیری رسوائی کے خون شہداد پر ہے ہی۔ دامن بار خدا ڈھانپ لے پردہ تیرا

یہ دین کا نمونہ تھا۔ اب دنیا کا رنگ ملاحظہ ہو۔ مرض سرطان جیسا موذی و ہلک مرض ہے، سب پر روشن ہے انگلستان میں ہر سال ۱۴ ہزار نفوس سے زائد اس کے شکار ہوتے ہیں، اور امریکہ میں ہر سال سے کچھ اوپر اس قدر ۱۹۱۲ء تک پانچ برس کی مدت میں، دنیا کے مختلف حصوں میں اس کے گشتوں کا بہ لحاظ آبادی جو اوسط پڑا، اس کے اعداد حسب ذیل ہیں:-

برطانیہ	تعداد اموات	اوسط فی لاکھ آبادی	برغلم	تعداد اموات	اوسط فی لاکھ آبادی
۱۔ فریقہ	۳۰۱۸	۰.۳۳	۲۔ ایشیا	۱۳۸۴۷۷	۵.۴۱۴
۳۔ امریکہ	۲۵۱۴۳۸	۶۵.۱۷	۴۔ ایشیا (بغیر ترکیہ)	۲۳۳۵	۷.۳۱

۵ یورپ

۱۰۹۶۷۶

۱۷۶۷

یہ اعداد کسی مخافت کے جمع کئے ہوئے نہیں بلکہ سرولیم و نیو نے جو انگلستان میں اس مرض کے مشہور ڈاکٹر تسلیم کئے جاتے ہیں، انھوں نے پوری تحقیق کے بعد اٹھیں ٹائیس میں شایع کر لیا ہے، اس لئے ان میں شک و اشتباہ کی گنجائش نہیں۔

اعداد بالا میں دیکھا ہو گا کہ جو بزرگترین مرتبہ تمدن میں سب سے پست ہے، اس میں تعداد اموات بھی سب سے قلیل ہے، اور جس بزرگترین سطح تمدن یعنی زیادہ بلند ہے، اسی تناسب سے اس میں تعداد اموات بھی زیادہ ہے، یہاں تک کہ فلک تمدن یورپ میں یہ تعداد سائنس اور ڈاکٹری کی انتہائی ترقیوں کے باوجود سب سے بڑی ہوئی ہے، ایسی حالت میں اگر سرولیم کا ذہن اس مہلک مرض اور تمدن کے علاوہ تلازم کی جانب متغزل ہو تو بالکل بجا ہو گا۔ لیکن تنہا یہی ایک دلیل نہیں، بلکہ اعداد کی زبان اسکی بھی نہایت بہم پہنچاتی ہے، کہ امریکہ کے جو مقامات نفاست و تہذیب میں سب سے ممتاز ہیں، وہاں تعداد اموات کا اوسط ۸۳.۶ فی لاکھ تک ہے، اور جو شہر ابھی تمدن کی ابتدائی منازل میں ہیں، وہاں یہ اوسط گھٹ کر ۳۸ فی لاکھ تک رہ جاتا ہے، اس سیمی ویک ترمثال جاپان کی ہے چند سال ادھر جاپان میں اس مرض کا نام تک نہ تھا، لیکن جس تیزی کے ساتھ جاپان نے تہذیب و تمدن کے اختیار کرنے میں اپنی استعدادی کا ثبوت دیا ہے، اسی حیرت انگیز سرعت کے ساتھ یہ مرض بھی ترقی کرتا رہا ہے، تاں کہ اب یہاں بھی انگلستان کی طرح شرح اموات ۳۰ بلکہ ۴۰ فی لاکھ تک پہنچ گئی ہے، ان حالات و اعداد کی بنا پر اگر ذہن تمدن و ہلاکت کے درمیان علت و معلول کا علاقہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے، تو اس کی ذمہ داری خود منطقیں یورپ ہی کے مرتب کردہ قوانین پر استقرار پراتی ہے۔

مشرق کو مشغول رکھنے کے لئے تو حسن عاقبت کی فکر کافی ہے، البتہ جو لوگ حسن عاقبت کی تلاش میں مگر گردان رہتے ہیں، انکاش اٹھیں ان حقائق پر غور کرنے کی توفیق نصیب ہو!

مقالہ

تایخ تصوف کے چند اوراق

از جناب مولوی عبدالجبار صاحب بی اے

متاخرین صوفیہ کے حالات و مقالات سے ملک بھی حد تک روشناس ہے لیکن مقدسین کے بیشتر احوال و اقوال اب تک پردہ غامض میں ہیں، اسکا باعث یہ ہے کہ قدامت کی تصانیف کا بڑا ذخیرہ اس وقت تک نمایاب ہو چکا ہے، اور چند کتابیں جو باقی ہیں، وہ مخصوص کتب خانوں کی ان الماریوں میں محفوظ ہیں، جو عام شائقین کے دسترس سے باہر ہیں، فضلاً یورپ کی کوششیں اس باب میں موجب صد تشکر و تحسین ہیں، کہ وہ ان جواہرات کو تودہ گمنامی و بے نشانی کے اندر سے دھونڈ دھونڈ کر نکالتے اور حسن ترتیب و تہذیب کے جملہ لوازم (امداد فہرست، فرہنگ، مقدمہ، اختلافات، تاریخ و التزام محنت و حسن کتابت وغیرہ) سے آراستہ کر کے انہیں دنیا کی شتاق نگاہوں کے سامنے پیش کرتی رہتی ہیں، مقرر، شام، اور خود ہندوستان بھی اس فرض سے یکسر غافل نہیں، تاہم جس عظیم انسان چمانہ پر اور جس اعلیٰ اہتمام کے ساتھ یورپ یہ خدمت انجام دے رہا ہے، اس سے یہاں کے کام کو کوئی نسبت نہیں، اس وسیع دفتر کے چند ورق اگر کبھی کبھی اردو میں منتقل ہوتے رہیں، تو ممکن ہے کہ ہماری ملکی زبان میں تاریخ تصوف کے آئندہ نوعت کو فراہمی مواد و تلاش مآخذ میں کسی قدر سہولت ہو، مضافاً یہی نظر آجائیگا کہ قدامت صوفیہ کا جادہ سلوک و معرفت، شریعت اسلام و سنت نبوی کے قدم بہ قدم تھا، اور

رفتہ رفتہ جن بدعات کو شعائر تصوف سمجھ لیا گیا ہے، ان سے قدیم اکابر طریقت کا دامن بالکل پاک تھا۔ اس سلسلہ کی پہلی قسط میں ناظرین سے کتاب اللع کے روشناس کرایا جاتا ہے، جو عربی زبان میں تصوف کے موجود و معلوم، مستند ذخیرہ میں شاید سب سے قدیم کتاب ہے۔ مصنف کا نام شیخ ابو نصر سراج ہے، جبکہ سال وفات اغلباً مسلمہ ہے۔ عظیم نہیں، کہ وفات کے کچھ سال قبل یہ کتاب تحریر کی تصنیف کے حالات دریافت کرنے سے قبل مصنف کی شخصیت سے نیاز حاصل کر لینا بہتر ہوگا۔

(۱) مصنف۔

پورا نام، عبد اللہ بن علی بن محمد بن کئی ابو نصر سراج تھا۔ وطن طوس تھا۔ مرقد بھی یہیں ہے۔ لقب ملاؤس الفقراءؒ تھا۔ آبا و اجداد زہد میں شہرت رکھتے تھے، خود سراج علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ ذہبی، اپنی تاریخ الاسلام میں علامہ ابو عبد الرحمن مسلمی کی تاریخ الصوفیہ کی سند سے لکھتے ہیں:-

قال السطی کان ابو نصر من اولاد الزہاد و کان المنطق الیہ فی ناحیۃ خی الفتۃ و لسان القمام مع الاستظہار لریعۃ الشریعۃؒ

ان کے اساتذہ میں جعفر بخدی، ابو بکر محمد بن داؤد الدنی، و احمد بن محمد سلمی، کے نام قابل ذکر ہیں۔ بیعت ابو محمد رعنش سے تھی۔ مولانا جامی وغیرہ متعدد تذکرہ نویسوں نے سری سقلمیؒ سے ملاقات کا ہونا بیان کیا ہے، لیکن پروفیسر نکلسن کی تحقیق میں یہ روایت قطعاً غلط ہے۔ تصوف پر پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، لیکن آج جو کتاب اللع کے اور کوئی موجود نہیں، بلکہ ان کے نام تک بھی مٹ گئے ہیں۔

تصوف میں جو بلند مرتبہ رکھتے تھے، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

لہ تفہات الانس، جامی، ۲۱۹، (مطبوعہ کلکتہ) ص ۱۷۱۔ یہ پوری عبارت پروفیسر نکلسن کے متعدد کتاب

اللوع سے منقول ہے۔ لہ تفہات، جامی نکلسن کے نزدیک یہ روایت مشتبہ ہے۔ متعدد کتاب اللع، جامعہ تھانوی، وغیرہ الاولیاء، دار الشکوہ، ۱۵۲ (دہلی)

جیسے مسلّم استاد صوفیہ، لکھا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”ان عالم عارف، ان عالم خائف، ان امین زمرہ کبر، ان یگین حلقہ فقر، ان دبہ اشباح شیخ
وقت ابولہر سراج رحمۃ اللہ علیہ، اسے برحق بود و بگائے مطلق و متعین و ممکن، وادراؤس الفقراء
گفتندے و صفت نبوت او نہ چندان ست کہ نظم و بیان آید و یاد عبارت و زبان گنجد۔ و در فنون
علم کامل بود، و در ریاضت و معاملات شانے عظیم داشت و در حال و قال و شرح دادن بہ کلمات
مشایخ آیتے بود۔“

اسی قسم کے الفاظ مختصر مولانا جامی وغیرہ نے بھی استعمال کئے ہیں۔

ان کے چند اشادات جو تذکروں میں محفوظ رہ گئے ہیں، ان سے بھی اہل ذوق ان کے مرتز
کمال کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

فرماتے تھے عشق اس آگ کا نام ہے، جو عاشقوں کے دل و سینہ میں جلتی رہتی ہے، اور خدا کے
سوا جو کچھ ہے، اسے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

یہ بھی ارشاد تھا کہ بہ لحاظ ادب انسانوں کے تین طبقہ ہیں۔ ایک طبقہ اہل دنیا کا ہے، کہ ان
کے نزدیک ادب نام ہے فصاحت، بلاغت، حفظ علوم و فنون و اسماء ملاک و اشعار عرب کا۔
دوسرا طبقہ اہل دین کا ہے، جس کے نزدیک ادب سے مراد عبادات جو ارح و حفظ حدود و ترک نہتہا
و ریاضت نفس ہے۔ تیسرا طبقہ اہل خصوص کا ہے، اس کے ہاں ادب سے مفہوم طہارت دل، مراقبہ
سز و فارغہ نگہداری وقت، نیکو کرداری، وقت حضور و مقام قرب ہے،

ایک تیسرے الفاظ کی نزاکت اردو ترجمہ کی متحمل نہ ہو سکی۔ اسے اصل فارسی میں سننا چاہئے۔

لہ تذکرۃ الاولیاء، عطار، جلد ۲۔ ۱۵۱۔ (مطبوعہ یورپ) ۱۵۳۲ ایضاً، جلد ۲، ص ۱۵۱، ایضاً

دنیت بخدا است و از خدا است و برائے خدا است۔ و آفاتے کہ در نماز قدرت زیت اُفتد
و اگر چه بسیار بود آن مامواز نہ نتوان کرد یا نیتے کہ خدا را بود و بخدائے بودے۔

ایک بار ماہ رمضان میں بغداد میں وارد ہوئے اور مسجد شریفیہ کے ایک جہرہ میں متکف ہوئے
تمام درویشوں نے اپنا امام بنایا۔ تراویح میں پانچ بار قرآن مجید تلاسم کیا۔ روز شام کو خادم ایک روٹی جہرہ
میں پہنچا آتا تھا عید کے روز نماز پڑھا کر بغداد سے روانہ ہو گئے۔ خادم نے جہرہ میں جا کر دیکھا تو پوری
روٹیاں جون کی تون کھی ہوئی پائی تھیں۔

ایک مرتبہ سردی کے موسم میں شرب کے وقت آتش دان کے قریب تشریف فرماتھے۔ چند اور
اہل دل حضرات بھی تھے۔ معرفت الہی پر گفتگو ہوئی۔ دفعۃً شیخ پر زور کی کیفیت طاری ہوئی، اور
جوش میں آکر دیکھتی ہوئی آگ میں سجدہ میں گر پڑے۔ مرید یہ فرط جوش دیکھ کر خوف زدہ ہو کر بھاگ آئے،
دوسرے روز آئے۔ تو دیکھا کہ شیخ کے چہرہ پر جلے کا خفیف داغ تک نہیں، بلکہ چہرہ چاند کی طرح
جھمک رہا ہے۔ عرض کیا کہ حضور والا، یہ کیا ماجرا ہے، ہم تو سمجھ رہے تھے کہ سارا چہرہ جل گیا ہوگا، ٹپٹا
ہوا، کہ جس نے درگاہ الہی پر اپنی آبر و دیدی، اس کے چہرہ کو آگ نہیں جلا سکتی۔

وفات سے قبل فرمایا، کہ جس میت کو میرے مزار کے سامنے سے لیکر نکلیں گی، اس کی مغفرت
ہو جائیگی۔ چنانچہ طوس میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے، کہ ہر حجازہ کو مشیر آپ کے مزار پر ضرور لے
آتے ہیں۔

(۲) تصنیف

اس سے آٹھ سال قبل دنیا کتاب اللع کے صرف نام سے آشنا تھی، مگر ۱۹۱۹ء میں انگلستان کے

لے تذکرۃ الاولیاء جلد ۲، ص ۱۸۱، لے العینا و نیز کشف المحجوب، و انانکسج بخش لاہوری،

ص ۲۴۴۔ (مطبوعہ لاہور) لے تذکرۃ الاولیاء، نقحات الانس، سفینۃ الاولیاء لے العینا۔

نامور مستشرق ڈاکٹر مکلن نے جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر اور کتب تصوف سے ذوق بہنیں بلکہ شغف رکھتے ہیں، اس کے علاوہ علمی نسخہ دریافت کئے۔ ایک نسخہ ایک انگریز سرٹرائیز کے پاس نکلا اور دوسرا انگلستان کے مشہور و معروف کتب خانہ برٹش میوزیم کو کہیں سے ہاتھ لگ گیا۔ پہلا نسخہ ۱۹۱۹ء کی ضخامت رکھتا تھا اور صفات و خوشماخطین احمد بن محمد الطاہری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ختم کتاب کی تاریخ ۱۰ بیع الثانی ۸۲۷ھ (مطابق ۱۶ جون ۱۴۲۷ء) درج ہے۔ جس نسخہ سے یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے اسکی تاریخ اس نسخہ پر، شعبان ۸۲۷ھ (مطابق ۱۵ اپریل ۱۴۲۷ء) درج ہے مختلف انھیں کے حواشی بھی اس نسخہ پر موجود ہیں یہ نسخہ کسی قدر کرم خوردہ ہے جس سے جا بجا حواشی اڑ گئے ہیں۔ البتہ ایک جگہ مسلسل دس پندرہ ورق غائب ہو گئے ہیں جن کے باعث مسلم پانچ ابواب اور چھٹے باب کے ابتدائی جزو سے دیا محروم ہو گئی ہے۔ دوسرا نسخہ (ملوکہ برٹش میوزیم) بہت بدخط کرم خوردہ ناقص ہے۔ تاہم اسکا زمانہ کتابت بہ مقابلہ نسخہ اول کے زمانہ تصنیف سے قریب تر ہے۔ اس پر زمانہ کتابت جمادی الثانی ۸۲۷ھ (مطابق اگست و ستمبر ۱۴۲۷ء) درج ہے۔

پانچ برس کی جانفشانی و دیدہ ریزی کے بعد پروفیسر مکلن نے ان دونوں نسخوں کے مقابلہ کے بعد اصل کتاب کو غایت صحت و اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۷ء میں شائع کر دیا۔ اور اس پر اشیاء ذیل کا اضافہ کیا:-

- (۱) شروع میں نہایت مفصل فہرست مضامین دی۔
- (۲) آخر میں نہایت مبسوط فہرست جال، و نثار، و اماکن و قبائل، و کتب وغیرہ مندرجہ و مذکورہ متن شامل کی۔
- (۳) فٹ نوٹ (حواشی ذیلی) بہت کثرت سے دئے۔ دونوں نسخوں میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں ان میں ہر جزئی اختلاف کو بھی ان حواشی میں درج کر دیا ہے۔

(۳) ساری کتاب کا مختصر ترجمہ انگریزی میں کر کے شامل کیا۔
 (۴) مصنف نے جو غریب ناما نوس الفاظ استعمال کئے ہیں، ان کی مفصل فرہنگ دی ہے، اور
 انگریزی میں ان کے معانی کو حل کیا ہے۔

(۵) فہرست مضامین انگریزی میں ہی دی ہے۔

(۶) جن اسامہ و اعلام سے متعلق کوئی اہم بحث کتاب اور اس کے انگریزی غلامہ میں موجود
 ہے، انکی بھی مفصل فہرست انگریزی میں شامل کی ہے۔

(۷) انگریزی مقدمہ میں مصنف تصنیف، اور موضوع تصنیف کو روشناس کیا ہے۔

(۸) ان چالیس صوفیہ کرام کی فہرست جن سے شخصاً یا جنکی تصانیف سے شیخ سراج نے استفادہ
 کیا ہے، مع ضروری تصریحات کے انگریزی میں شامل کیا ہے،

(۹) شیخ نے بہت سے ایسے صوفیہ کا تذکرہ کیا ہے، جبکہ نام دوسری کتابوں میں یا تو قطعاً نہیں
 آیا ہے، یا ناذراً آیا ہے۔ اس قسم کے ایک سو بیس صوفیہ کرام کی فہرست مع ان کے حالات کے
 جہان تک ہیں معلوم ہو سکے، انگریزی میں درج کی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد مفید اضافہ کئے ہیں۔ ان خصوصیات معنوی کے پہلو بہ پہلو نہایت
 اعلیٰ کاغذ اور حسن طباعت کے جملہ لوازم کے ساتھ یہ کتاب شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ رہی
 ہے۔ کتاب کا پورا نام کتاب اللع فی التصوّف ہے۔ ملا جامی کی نفحات الانس میں اسکا املا
 کتاب الموعودہ ہے، لیکن اور ہر جگہ اسکا املا بجائے الموعودہ کے اللع ہے۔ اور کلن نے بھی اسی
 کو قائم رکھا ہے۔

متن کتاب کی ضخامت ۴۲۶ صفحہ کی ہے۔ مقدمہ مصنف ۱۰ صفحہ تک آیا ہے، اس کے
 بعد منطقی ترتیب کی پابندی کے ساتھ کتاب حسب ذیل حصّوں میں تقسیم ہے :-

(۱) کتاب الاحوال والمقامات۔ اس کے تحت میں مقامات، احوال اور ان کے حقائق میں سے ہر شے پر الگ الگ ایک باب میں بحث کی گئی ہے مثلاً باب مقام التوبہ، باب مقام الودع، باب مقام الزہد، باب مقام الصبر، باب مقام التوکل، باب حال الخوف، باب حال المحبت، باب حال الشوق، باب حال المشاہدہ، باب حال یقین، وقہس علی ہذا۔

(۲) کتاب اہل الصفوۃ فی فہم والا اتباع لکتاب اللہ۔ اس کے تحت میں اس قسم کے ابواب ہیں۔ باب الموافقة لکتاب اللہ، باب ذکر تفاوت المستمیعین خطاب اللہ تعالیٰ و درجہ اہم فی قبول الخطاب، باب وصف ارباب القلوب فی فہم القرآن، باب ذکر اساتیقین والمقربین والابرار من طریق الفہم والاستنباط وغیرہ۔

(۳) کتاب الاسوۃ والافتادہ بر رسول اللہ صلعم، اس کے تحت انی ابواب کے عنوانات اس قبیل کے ہیں:- باب وصف اہل الصفوۃ فی فہم والموافقۃ والا اتباع للنبی صلعم، باب ماروی عن رسول اللہ صلعم فی اخلاقہ وافعالہ واحوالہ الی اختارہ اللہ تعالیٰ لہ، باب ماذکر عن المشایخ فی اتباعہم رسول اللہ صلعم وتخصیصہم فی ذالک۔

(۴) کتاب المستنبطات۔ اتباع قرآن و حدیث کے بعد ترتیباً انھیں احکام و شعائر کا ذکر آنا چاہئے، جو ان پر متفرع اور ان سے مستنبط ہوتے ہیں چنانچہ معین اسی فطری ترتیب کے مطابق چوتھے نمبر پر حصہ ملتا ہے۔ اس کے ذیل میں اس قسم کے مباحث مندرج ہیں، باب مذہب اہل الصفوۃ فی المستنبطات الصحیحۃ فی فہم القرآن والحدیث، باب فی کیفیۃ الاختلاف فی مستنبطات اہل تحقیقہ فی معنی علومہم واحوالہم، باب فی مستنبطاتہم فی معانی اخبار مرویہ عن رسول اللہ صلعم من طریق الاستنباط والفہم وغیرہ۔

(۵) کتاب الصحابہ رضوان اللہ علیہم۔ موفیہ کرام اتباع سنت نبوی کے بعد انہما صحابہ کی

پیر دی اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ اس لئے قدرۃ ایک مستقل حصہ انکی نذر ہی، اس کے ذیلی ابواب
بین خلفاء اربعہ پر، اصحاب مغیرہ پر، اور عام اصحاب نبوی، پر الگ الگ عنوان کے تحت میں گفتگو کی گئی

(۶) کتاب آداب المتصوف۔ اس کے تحت انی ابواب کے چند عنوانات یہ ہیں :- باب اداہم فی الوضوء

والطہارات، باب فی ذکر اداہم فی الصلوۃ، باب ذکر اداہم فی الزکوۃ والصدقات، باب فی ذکر اداہم فی

واداہم فیہ، باب ذکر اداہم فی الحج، باب فی ذکر اداہم فی الفقر بعضہم مع بعض، باب ذکر اداہم فی

اصحبتہ، باب ذکر اداہم عند مجاہدۃ ہلہ، باب ما ذکر من اداہم فی وقت الطعام، باب فی ذکر اداہم

فی وقت السماع والوجود، باب فی ذکر اداہم فی ستم اللہاں، باب فی ذکر اداہم عند الموت،

(۷) کتاب المسائل واختلاف اقاویہم فی الاجوبہ۔ اس حصہ میں صوفیہ کرام کی زبان سے ان سوالات

کے جوابات دئے ہیں، جبکہ اصل کرنا فقہاء و علماء ظاہر کے لئے دشوار ہے۔ مثلاً مسئلہ جمع و تفرقہ، مسئلہ فنا و

بقا، مسئلہ صدق، مسئلہ اخلاص، مسئلہ ذکر، مسئلہ روح وغیرہ۔ اس حصہ کو مختلف ابواب میں تقسیم

نہیں کیا ہے۔

(۸) کتاب المکانیات والصدور والاشعار والدعوات والرسائل۔ اس حصہ میں جیسا کہ اس

کے عنوان سے ظاہر ہے حضرات صوفیہ کے کتبوبات، رسائل، اشعار، دعوات، ووصایا کا ذکر کیا ہے

اور ہر ایک کو ایک علیحدہ باب میں لکھا ہے۔

(۹) کتاب السماع۔ صوفیہ و علماء ظاہر کے درمیان ایک اہم اختلافی موضوع، مسئلہ سماع ہی۔

یہ حصہ اسی مسئلہ کی توضیح و تشریح کے لئے وقف ہے، اس کے تحت چند ابواب کے عنوانات یہ ہیں

باب فی حسن السوت والسماع وتفاوت المستمعین، باب فی وصف سماع العاتقۃ و اباحتہ ذلک

باب فی وصف سماع الخاتمۃ و تفاوتہم فی ذلک، باب فی ذکر طبقات المستمعین، باب فی

وصف سماع المریدین والمبتدئین، باب فی وصف خصوص النصوص و اہل الکمال فی السماع،

(۱۰) کتاب الوجہ اس حصہ کے مباحث کا اندازہ ابواب تحتانی کے ان عنوانات سے ہوگا۔

باب فی ذکر اختلاف فہم فی ماہیۃ الوجد، باب فی صفات الواجدین، باب فی ذکر تواجد المشایخ الصادقین
باب فی الواجد الساکن والواجد المتحرک قیس مثل ہذا۔

(۱۱) کتاب اثبات الآیات والکرامات۔ کراہت ادبیار کا مفہوم صحیح، ان کے اثبات کے دلائل
معجزات انبیاء اکافرق، یہ سب مباحث بھی ضروری تھے، جو اس حصہ میں آگئے ہیں۔ عنوانات
الابواب کا نمونہ یہ ہے :- باب فی معانی الآیات والکرامات، باب فی الادلۃ علی اثبات الکرامات
للملادیار، باب فی ذکر مقامات اہل الخصوص نے الکرامات۔

(۱۲) کتاب البیان عن مشکلات۔ اس حصہ میں کل دو باب ہیں۔ پہلے باب میں ان الفاظ
کو جمع کر دیا ہے، جو صوفیہ کی زبان میں مخصوص اصطلاحی معنی رکھتے ہیں، مثلاً حال، مقام، مکان
وقت، مشاہدہ، سیر، کشف، فنا، بقا، توحید، تجرید، وغیرہ اور باب دوم میں ان اصطلاحات کی
تشریح کی ہے۔

(۱۳) کتاب تفسیر الشطیات والکلمات الہی ظاہرہا مستشفع وباطنہا صحیح مستقیم۔ یہ کتاب
کا آخری حصہ ہے، جو اور پوری تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اس میں شطیات صوفیہ کی توجیہ و توضیح
ہے، نیز ان غلط فہمیوں کی اصلاح جن میں سے اکثر علماء و ظاہر و صوفیہ ناقص مبتلا رہتے ہیں۔
چند ابواب کے عنوانات یہ ہیں :- باب فی معنی الشطی، باب تفسیر العلوم و بیان ما یشکل علی فہم
العلماء من علوم الخاتمۃ فصیح ذلک بالحوۃ، باب فی کلمات شطیات ثعلبی عن ابی زرید، باب فی
ذکر ابی الحسن النوری، باب فی ذکر من غلط من الترمذین بالتصوف، ومن این یقع الغلط
وکیف وجہ ذلک۔ باب فی ذکر من غلط فی الاحوال۔ باب فی ذکر من غلط فی النبوة واثباتہا
باب فی ذکر من غلط فی قمار البشریۃ۔ باب ذکر من غلط فی الانوار، باب فی ذکر من غلط فی الروح

ان عنوانات پر نظر کرنے سے معلوم ہوا ہو گا کہ تصوف سے متعلق جتنے ضروری پہلو نکل سکتے ہیں مصنف نے ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے، ہر فرد کی شعبدہ کو لیا ہے۔ اور اس پر تفصیل و تحقیق کے ساتھ انہار خیال کیا ہے۔ حضرت مصنف کی زبان میں یہی خاص سلاست و سادگی ہے اس لئے جو اشخاص عربی زبان سے (راہم طور کی طرح) بہت ہی سرسری واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ ذیل میں کتاب کے مختلف مقامات سے چند اقتباسات دئے جاتے ہیں، جن سے نوعیت و مرتبہ تصنیف کا پورا اندازہ ہو سکیگا۔

ایک غیر سونی کے دل میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود تصوف کیا شے ہے؟ اور آیا اسلام نے صوفیہ کو کوئی مرتبہ دیا ہے یا نہیں؟ حضرت مصنف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید (سورہ آل عمران، آیت ۹۰)

ثم ذكر الله تعالى فضل المؤمنين عند درجته	میں تمام مومنین سے بلند مرتبہ ان کا رکھا ہے،
في الدين رتبة فذكرهم بملائكة وشهد على	جو ان کو علم یا مقام بالقطع ہیں، اور حضور سرور کائنات
شهادتهم بالحدانية بعد ما بدأ بنفسه	مسلم نے بھی علماء کو بائین (انبار) ارشاد فرمایا
ففي ملائكة فقال عز وجل شهد الله انه لا	ہو۔ سورہ القاب ان لوگوں کے حق میں وارد
الاله الا هو وملائكة واو العلق فاما بالقطع	ہیں۔ جو کتاب اذکار سرشتہ مضبوط تھا منی
وردى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال العلماء ورثة	وائے اور رسول کریم کی متابعت کے پورے
الانبياء وعندى الله اعلم ان اولي العلم القائمين	کوشان اور صحابہ کے نقش قدم پر چلے وائے
بالقطع الذين هم ورثة الانبياء هم المقصود بآل	ہیں، ان اشخاص کو طبقات سرگازہ میں
الله تعالى المجتهدون في متابعة رسول الله	رکھا جاسکتا ہے، ایک طبقہ ارباب مدہ
المقتدون بالعلماء والتابعين السالكين	کا ہے، دو سلاطین فقہار کا، اور تیسرے طبقہ

سبیل اولیاء المتبعین وعبادہ الصالحین ہم ثلاثہ صوفیہ کرام کا ہے۔

اصناف، اصحاب الحدیث والفقہاء والعصافیۃ فقہاً کلام الثلثۃ الکامناۃ

من اولی العلم القامین بالقسط ہم ورتۃ الانبیاء۔ (مش)

بہت سے امور صوفیہ اور اصحاب حدیث و فقہاء کے درمیان مشترک ہیں مثلاً جو معتقدات ان کے ہیں وہی ان کے بھی ہیں اتباع کتاب اور سنت نبوی وہ اور یہ دونوں اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں علوم و فنون سے جس طرح وہ کام لیتے ہیں، یہ بھی لیتے ہیں۔

ثم انهم من بعد ذلك ارتقا الى درجہ عالیہ و... لیکن اس اشتراک کے بعد صوفیہ جن درجہات تعلقوا باحوال شریفہ ومنازل رفیعۃ من انواع علم عابد و منازل رفیعہ کو طے کرنے لگتے ہیں، البادات وحقائق الطاعات والاحلاق الجلیلۃ ولہم فی وہان ملک ملارہ فقہاء و اصحاب حدیث معافی ذلک تخصیص لیس لہم من العلماء... کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ (مثلاً)

صوفیہ کے یہ امتیازی خصوصیات جن میں دوسرے طبقات ان کے ساتھ شریک نہیں حسب

ذیل ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہو کہ

فاول شئ من التخصیصات للصافیۃ.... صوفیہ صرف خدا پر نظر رکھتے ہیں۔ انکا مقصد

ترک ما لا یعینہم وقطع کل علاقۃ عتھال و مطلوب تامل خدا ہی ہوتا ہے۔ اس واسطے

بینہم و بین مطلقہم و مقصودہم اذلیس اور لایفی مشاغل سے انہیں کوئی دہ

لہم و مطلب لا مقصود غیر اللہ تعالیٰ نہیں ہوتا۔

اس کا لازمی اثر ان کی زندگی پر یہ پڑتا ہے کہ

فن ذلک التقاء بغیض الدنیا عن کثیرہا و وہ قناعت کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں بغیر

الاكتفاء بالفتاۃ الذی لا یمنہ والاحتصا کو کثیر پر ترجیح دیتے ہیں، خدا، لباس اور

علی ما لا بد منه من مهنة الدنيا
 ہر قسم کے سامان و تیوی سے سرت ماہیج
 من الملباس والمفروشی المآكل
 کو اختیار کرتے ہیں اور بجائے تو نگری کے
 وغیر ذلک واختیار الفقر علی الثنا
 تنگ دستی بجائے سیری کے گرسنگی بجائے
 ومعا نفة القلثة ومجاینة الکثرة
 افزا کے قلت بجائے باہ و ترغ کے ہر
 وایشاد الجماع علی الشیع والقلیل
 چھوٹے بڑے کے مقابلہ میں اپنے لئے پسند
 علی الکثیر وترک العلو والترفع وبذل
 کرتے ہیں۔
 الجاهة والشهقة علی الخلق التواضع
 خدائے حسن ظن رکھتے ہیں تمام علانی
 للصغیر والکبیر (ص) .
 وحسن الظن بالله والاخلاص
 واسباب قطع نظر کر کے صرف اسی پر تکیہ رکھتے
 فی المسابقة إلی الطاعات وأ
 ہیں نیکیوں اور طاعتوں کی جانب
 المسارعة إلی جمیع الخیرات التوجه
 خلوص نیت کے ساتھ پیش قدمی و تیز روی
 إلی الله تعالى والانقطاع إلیه
 کرتے رہتے ہیں۔ بلائیے الہی پر صابر اور
 والاعتماد علی بلائیه والرضا عن قضاء
 قضائے الہی پر راضی رہتے ہیں ہمیشہ
 والصبر علی دوام المجاهدة ومخالفة الهوی
 مجاہدہ اور مخالفت خویش نفس میں مشغول
 ومجاہدۃ حفظ النفس والمخالفة لها إذ
 رہتے ہیں اور اس کو یاد رکھتے ہیں،
 وصفها الله تعالى إمارة بالسوء والنظر
 کہ کلام پاک میں نفس کو امارہ بالسوء
 إلیها بلها أعدی عدوİK التي بین جنیک
 سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث نبوی میں
 کما روی عن رسول الله صلعم۔
 ارشاد ہوا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا
 دشمن وہ ہے جو اس کے دونوں
 پہلوؤں کے درمیان ہے۔ (ص ۳۶۱)

مکرمین تصوف کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن شریف و حدیث میں یہ کہیں صوفیہ کا ذکر آیا ہے
 نہ تصوف کا، اس لئے اس مسلک کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ حضرت مصنف کہتے ہیں کہ قرآن
 مجید میں بہ کثرت ایسے الفاظ و عبارات موجود ہیں جن سے اہل تصوف ہی مراد ہیں مثلاً صادقین، صالحین،
 قانتین، قانات، خاشعین، موقنین، فاضلین، مجتہدین، عابدین، صابرین، راسخین،
 متوکلین، مجتہدین، اولیاء، مصطفین، مجتہدین، ابرار، مقررین، سابقین، مقتصدین، مسارعین الی آخرات
 نیز مشاہدین (مثلاً ادا فی السمع و هو شہید) و مطمئن (مثلاً لا یجد کس اللہ یطمئن
 القلب) اسی طرح متعدد احادیث میں بھی اسی طائفہ عالیہ کی جانب اشارات ہیں، مثلاً یہ حدیث
 ان من امتی مکلمون و محمد ثواب و ان عمیم منهم

یا یہ کہ

یدخل بشفاعتہ رجل من امتی الجنة مثل ربيعہ و مضہر یقال لہ اویس القرنی

یا پھر یہ کہ

یدخل من امتی الجنة سبعون الفا بلا حساب قیل من ہم یا رسول اللہ

قال ہم الذین لا یکتفون ولا یسترقون و علی ربہم یتوکلون (ص ۱۶)

مترجمین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ عہد رسالت پناہ میں کوئی شخص صوفی کے لقب سے یاد نہیں
 کیا جاتا تھا، اور یہ اصطلاح بہت بعد کو ایجاد ہوئی ہے، اس لئے اسے کوئی مذہبی وقعت نہیں
 دی جاسکتی۔

مصنف نے اس کا نہایت معقول و دلچسپ جواب یہ دیا ہے کہ

فقتل و باللہ التوفیق الصبیحۃ مع اصحاب رسول کے لئے کوئی دوسرا نہیں

رسول اللہ صلیم لہا حرامہ و تخصیص لفظ مستعمل ہو ہی نہیں سکتا تھا، اس لئے

من شمله ذلك فلا يجازان يعلق عليه
اسم علي انما شرف من العجبة وذلك شرف
رسول الله صلعم وحسن منه لا قسوى
انهم ائمة الزهاد والعباد والمساكين
والفقراء والراغبين والصابرين
والمتقين وغير ذلك وما قالوا جميع
ما قالوا الا ببركة العجبة مع رسول الله
صلعم فلا نسبوا الى العجبة التي هي اجل
الاحوال استحال ان يفضلوا الفضلة
غير العجبة التي هي اجل الاحوال (مستمع)

کہ ان کے تینے بھی فضائل تھے سب سے اہم
و اعظم ان کی غنیت سماہیت تھی، پنہا
زہد، فقر، توکل، عبادت، صبر، رضا، جو
کچھ بھی ان کے فضائل تھے، ان سب سے
انکا شرف سماہیت غالب تھا، پس جب
کسی شخص کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا
گیا، تو اس کے فضائل کی انتہا ہو گئی،
اور اس کا کوئی عمل ہی نہیں باقی رہا،
کہ اسے صوفی یا کسی دوسرے تنغیسی لفظ
سے یاد کیا جائے۔

باقی رہا یہ کہنا کہ یہ اصطلاح بغدادیوں کی رائج کردہ، اور متاخرین کی اختراع ہے، سو اسکا
جواب یہ ہے، کہ یہ قول بالکل غلط ہے، اس لئے کہ

واما قال القائل انما اسم محدث
احدثة البغداديين فقال لان
في وقت الحسن البصري رحمه الله عليه
كان يعرف هذا الاسم وكان الحسن
قد ادرک جماعة من اصحاب
رسول الله صلعم الخ

یہ لفظ حضرت حسن بصریؒ کے زمانہ میں
راجح تھا، و انما لیکہ حسن بصریؒ کا زمانہ
بعض صحابیوں کی معاشرت کا متاخر چنچہ
ان کے اور سفیان ثوریؒ کے اقوال
میں یہ لفظ صوفی سے مل جواہر، بلکہ کتاب
انبار کوہ کی ایک روایت کے مطابق یہ

لفظ ہما اسلام سے پیشتر بھی رائج تھا۔ (مستمع)

جو لوگ شریعت و طریقت میں نسبت تضاد قرار دیتے ہیں، انہیں یہ منکر حریت ہوگی۔ کہ خدا پر صوفیہ کے نزدیک طریقت شریعت ہی کی تکمیل کا نام تھا حضرت مولف فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں ظاہری و دہنی جب تک اس کا تعلق زبان و اعصار سے ہو اسے علم ظاہری سے تعبیر کرینگے، اور اسی کا نام علم شریعت ہی مثلاً عبادات میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ یا احکام میں طلاق، فرائض، قصص وغیرہ جب اس کا اثر ظاہر سے گزر کر قلب و باطن تک محیط ہو جاتا ہو، تو اسی کو علم باطن و طریقت سے موسوم کرنے لگتے ہیں۔ اور یہاں عبادات و احکام کی بجائے مقامات و احوال کی اصطلاحیں رائج ہیں مثلاً تصدیق، ایمان، اخلاص، مہر، تقویٰ، توکل، محبت، شوق وغیرہ۔ خود کلام مجید میں نعتی کی ظاہری و دہنی دو قسمیں قرار دی گئی و اسَبَّحَ عَلَیْکُمْ نِعْمَ تَظَاهِرٌ قَدْ بَا طِنَتْ (نعمان - آیت ۲۰) دنیا میں ہر شے کا ایک ظاہری پہلو ہے اور ایک باطن - قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، حدیث کا ایک ظاہر ہے ایک باطن - کتاب اللہ و سنت رسول کے اسی باطنی پہلو کا نام طریقت ہے۔ (۲۴-۲۵)

لفظ تصوف، و صوفی کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس کے جواب میں مولف علام نے مختلف اقوال نقل کر دیے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ”صوفی“ دراصل ”صفوی“ تھا۔ یہ لفظ ذرا ثقیل تھا، اکثر استعمال سے زبانوں پر صوفی، چڑھ گیا۔ ابو الحسن قناد کا خیال تھا، کہ صوفی، صفاء سے مشتق ہے، اور اس کا اطلاق اہل صفاء پر ہوتا ہے۔ ایک اور بزرگ کا مقولہ ہے، کہ جو لوگ کدورت بشریت سے پاک صاف کر دیے گئے ہیں وہ صوفی کہلانے لگے۔ کسی اور بزرگ کی رائے میں، ان لوگوں کا بطن انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں مشغول رہتا تھا۔ اس لئے یہ صوفی کہلائے، ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے، کہ احباب صفہ کے باقیات صاف صوفی کے لقب سے موسوم ہوئے۔ - وقیم علی ہذا - (۲۷)

مقدمین کے نزدیک فہم و اتباع احکام قرآنی کے بعد سب سے زیادہ اہم و مقدم شے اتباع سنت نبوی تھی۔ حضرت جنیدؒ فرماتے تھے، کہ ہمارا یہ سارا علم احادیث نبوی کا پتھر ہے، قرآن میں اتباع سنت نبوی

قلوب فقالها وقال النبي صلى الله عليه وسلم من عمل بما علمه رقه الله تعالى علم ما لم يعلم
 هذا العلم الذي ليس يغنيهم ذلك من اهل العلم افعال القلوب ما يقع على
 القلوب من الصدأ لكثرة الذنوب واتباع الهوى ومحبة الدنيا وطول الغفلة
 وشدة الحرص وحب الراحة وحب النساء والمحدث وغير ذلك من الغفلات والزلات
 والمخالفة والخبيثات فاذا كشف الله تعالى ذلك عن القلوب بصدق التوبة والندم
 على الخيبة فقد فتح الاقفال عن القلوب واستلزم الزوايد والفضايل من العيوب فيخرج عن
 وفي ايدها بترجمانه وهذا اللسان الذي يطلق بغير دليل الحكم وغلب العلم فاذا شجها هذا النقط المرين
 والقاصدون والطالبون من تلك الجحاه اذ ان داعيه وقلوبها خاضعة فاعشوا وانفقوا لئلا انفقوا
 (ص ۱۰۶۹) خلاصہ یہ کہ استنباط کا حق ان محققین و ارباب فہم کو پہنچتا ہو جو ظاہر و باطن ہر طرح کتاب میں
 وسنت رسول کے متبع ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جب اپنے علم و معلومات کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں، تو
 خدا انہیں وہ علم بھی دے دیتا ہے جو بیشتر انہیں نہ تھا، اور یہ علم انہیں کے ساتھ مخصوص رہتا ہے اور ان کے
 نفس میں ترقی اور قلوب میں جلا پیدا کر دیتا ہے، اور کثرت معاشی و شہوات و حب باہ، حرص و طمع
 خود پسندی، وغیرہ سے جو رنگ ان کے لوح دل پر جما ہوتا ہے وہ دھل جاتا ہے۔ اس وقت اسرار
 غیب ان پر منکشف ہو جاتے ہیں، اور ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرتے لگتی ہیں۔
 اس کے بعد مصنف قرآن مجید کی اس آیت سے واذ اجلواہم امر من الامن والنجف
 اذا دعا ابسول و ردوا الی الرسول والی اولى الامر منہم لعلہم للذین یتنبطونہ منہم
 یہ طیف استلال کرتے ہیں، کہ عام حقائق دین کے جاننے والے اولوالامر یا اہل علم میں، اور ان کے طبقہ میں سے
 ”اہل استنباط کو ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔“

اسوہ رسول کے بعد، صوفیہ کے نزدیک سب سے اہم باشندان اسوہ صحابہ ہیں۔ کتاب صحیح

ان کے اسی اعتقاد کی تفسیر ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب کا صحابہ کی عام طرح و تکویم کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات سے آغاز ہوا ہے۔ جو عظیم انھوں و اعظم الرجا تھے۔ یعنی خدا سے ڈرتے بھی بید تھے، اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی بید رہتے تھے، چنانچہ خود فرماتے تھے، کہ اگر آسمان سے یہ ندا آئے، کہ

لننادی مناد من السماء انزلن
یلج الجنة الا رجل واحد
ان اکون افاهص، و لننادی مناد
من السماء انزلایدخل النار
الا رجل واحد لحقت ان اکون
اناھم۔ (۱۳۷)

جنت میں بجز ایک شخص کے اور کوئی داخل نہ ہوگا، تو مجھے رحمت باری پر اتنا بھروسہ ہی کہ میں سمجھو گا وہ شخص واحد میں ہی ہوں۔ اسی طرح اگر آسمان سے یہ ندا آئے، کہ بجز ایک شخص کے کوئی دوزخ میں نہ ڈالا جائیگا۔ تو میں غصہ ابی سے اس قدر ڈرتا ہوں

کہ وہ شخص واحد بھی اپنے ہی تئیں سمجھو گا۔

ابو العباس بن عطار سے جب آیہ شریفہ کو نوامیہ بانیین کے معنی دریافت کئے گئے، تو انھوں نے کہا، کہ ”ابو بکر صدیقؓ کے مانند ہو جاؤ۔“ حضرت صدیقؓ ہی وہ شخص تھے جنہوں نے اپنا سارا مال و اسباب لا کر رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر کر دیا، اور جب اپنے دریافت فرمایا، کہ اہل و عیال کیلئے کیا چھوڑا، تو جرتہ جواب دیا، کہ خدا اور اس کے رسول کو، حضرت مولف کہتے ہیں، کہ یہ فقر توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، اور سب پہلا صوفیانہ ارشاد ہے، جو کسی زبان سے ادا ہوا ہی، حضرت صدیقؓ کی سب بڑی خصوصیات الہام و فراست تھیں۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کی نمایان خصوصیات ترک شہوات، اجتناب شہوات، اور تسک باطنی تھیں۔ اور حضرت عثمانؓ کی اہم خصوصیات تکلیف، ثبات، و استقامت تھیں۔ جناب امیر سلاسل تصوف کے شیخ الشیوخ تھے، آپ علم لدنی کے سب سے بڑے حصہ دار تھے۔ یہ وہی علم لدنی ہی، جو حضرت علیہ السلام کو عطا ہوا تھا، و علمناہ

من لدنا علماً اور جس کی بنا پر حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیر سے کہدیا تھا کہ آپ صبر سے میرا ساتھ نہ دے سکیں گے انکے لئے تسلیط معی صبرا اور یہیں سے بعض لوگوں نے غلطی سے ولایت کو نبوت سے افضل قرار دے لیا ہے جناب امیر مراتب توحید معرفت، ایمان، و علم میں کامل ترین تھے۔ ان اصحاب اربعہ کے آثار قدم صوفیہ کے لئے دلیل راہ ہیں۔

خلفاء اربعہ کے بعد قدرۃ اصحاب صفہ کا ذکر آتا ہے جن کی زندگی کا ایک ایک جزئیہ طالبان طریقت کیلئے درس ہدایت رکھتا ہے۔ یہ وہ مقدس گروہ تھا جو معاش دنیوی سے قطعاً بے پروا ہو کر شب و روز شمع نبوت کے گرد پروانہ وار تار ہوا کرتا تھا جس کے پاس نہ کھانے کا سامان رہتا تھا، نہ پہننے کا، نہ اونچے کا، اور جس کی زندگی تمام تر فقر و فاقہ، توکل و صبر، عشق و محبت کا ایک تسلسل تھی اس جماعت کی روح میں متعدد آیات قرآنی نازل ہوئی ہیں۔ مثلاً للفقراء الذین احسن فی سبیل اللہ (قرآیت ۲۷۳) ولا تطرد الذین یدعون دہم (انعام آیت ۵۲) واصبر لنفسک مع الذین یدعون دہم (کاف آیت ۵۸)

اس حصہ کے آخری باب میں عام صحابہ کی زندگی پر متعقبات حقیقت سے نظر کی گئی ہے، اور ان کے اقوال اس باب میں نقل کئے گئے ہیں۔ اصحاب ذیل کے اسماء مبارک اس حقیقت سے مستحضر کے ساتھ قابل توجہ ہیں طلحہ بن عبید اللہ، معاذ بن جبل، عمران بن حصین، سلمان فارسی، ابو الدرداء، ابو سعید بن ابی جراح، عبداللہ بن مسعود، برادر بن مالک، عبداللہ بن عباس، کعب احبار، عمارہ، ابو ہریرہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، خدیجہ بن ایمان، عبداللہ بن جحش، اسامہ، بلال، منصف بن عمر، عبدالرحمن بن عوف، حاکم بن حزام، عبداللہ بن رواحہ، عدی بن حاتم، رضی اللہ عنہم۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر صوفیہ کے آداب و معمولات بیان کر کے ضرورت مرشد پرست نور دیا ہے، اور اس ضمن میں یعنی بہت گہرے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ بہت سے مبتدیوں کا خیال یہ چھوٹا ہے کہ مخالفت نفس حصول مقصد کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اپنی ذاتی رائے سے وہ طرح طرح کے مجاہدات کی گئی

اختیار کر لیتے ہیں، غذا بہت گھٹا دیتے ہیں، لذیذ غذا میں بالکل ترک کر دیتے ہیں، پانی پینا چھوڑ دیتے ہیں، آبادی سے ٹھکرا کر صحرائیں رہنے لگتے ہیں، قیس علیٰ ہذا۔ حضرت مولف کا ارشاد ہے کہ جب تک مرشد یا شیخ اس قسم کے احکام نہ دے، ان چیزوں کو اختیار کر لیا قطعاً غیر مفید رہیگا، بلکہ مضرت کا اندیشہ ہے۔ مثلاً ترک غذا کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان فرائض، یومیہ، نماز، پنجگانہ وغیرہ لوری طرح نہ ادا کر سکیگا، نفس امارہ کو زیر کرنا آسان نہیں، کہ بغیر استاد کامل کی توجہ کے انسان تنہا یہ ہفتخوان ملے کر سکے۔ خود رائی کی تمام صورتیں اس راہ میں خطر و ہلاکت کی طرف لیجاں بولی ہیں۔ (۱۴۸، ۱۴۹) ان سب اعمال و مجاہدات کے لئے مخصوص آداب و شرائط ہیں، بغیر ان کے قدم اٹھانا سخت نادانی ہے۔

سماع کی بحث گروہ صوفیہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ طریقت کے اس شارح قدیم نے اس پر پوری تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، اس سلسلہ میں انھوں نے سب سے پہلے حسن صوت کو لیا ہے، اور اس کی مہج و توصیف میں متعدد احادیث نبوی نقل کی ہیں مثلاً

(۱) مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا أَحْسَنَ الصَّوْتِ -

(۲) زَيِّتُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ -

(۳) مَا أذنَ اللَّهُ تَعَالَى شَيْئًا كَاذِبًا لِسَبِيحِ الصَّوْتِ -

(۴) لَقَدْ أَعْطَى (ابو موسیٰ) مَزَامِيرَ آلِ دَاوُدَ مَا أَعْطَى مِنْ حَسَنِ الصَّوْتِ، وَغَيْرَ

اس کے بعد سماع کے مختلف معانی، سماع شعر وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اور قدام صوفیہ میں جو حضرات سماع کے شہداء ہیں، مثلاً حبیبہ بن عبدی، ابو الحسن فوری، حضری، وغیرہم، ان کے اقوال نقل کئے ہیں، آگے چلکر اباحت سماع عامہ کے عنوان سے جواب دیا ہے، اس میں عید کے دن سرور کائنات کے وفات کے ساتھ سے گانا سننے کا حوالہ دیا ہے

اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت بلالؓ، و دیگر صحابہ کرام کے اشعار پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔
 حضرت مالک بن انس، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر، امام شافعی نے شعر کو ترجم کے ساتھ پڑھنے
 کو جائز رکھا ہے، اور ان سب کی سند جواز سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ سماعِ عامہ کے ضمن میں مسندین
 کے تین طبقات کئے ہیں (۱) مریدین و متبعین، (۲) متوسطین و صدیقین، (۳) عارفین و
 اہل استقامت، اس کے بعد محقق مولف نے مسئلہ سماع کے مختلف پہلوؤں کو لیا ہے، اور متعدد
 ابواب میں ہر پہلو پر تفصیلی نظر کی ہے، جواز کے جو ادب و شرائط و قیود ہیں، ان سے کسی حال
 میں اغماض نہیں برتنا ہے، آخری باب میں ان حضرات کے خیالات کی ترجمانی کی ہے جو جوازِ سماع
 کے منکرین ہیں، یا اسکی کراہت کے قائل ہیں۔ ان چند ابواب کا مطالعہ موجودہ مشائخ کے لئے
 خاص طور پر سبق آموز ہو سکتا ہے۔

ان اقتباسات و تصیرکات سے نوعیت کتاب کا اندازہ ہو گیا ہوگا، جو شخص قدیم تصنیف
 سے باخبر رہنا چاہتا ہے، اس کے لئے اسکا مطالعہ ناگزیر ہے۔



اسلامی تہذیب کی علمی و ادبی

الدرة الثمينة ملا عبد الحکیم سیالکوٹی

اور

شاہجہان اور نواب سعد اللہ خان

از جناب مولوی حافظ احمد علی خان صاحب شوق ناظر کتب خانہ ریاست رامپور

کتاب خانہ ریاست رامپور میں مجموعہ ملک فن کلام عربی میں یہ مختصر جلد رسالہ ہے۔ تقطیع کتاب ۱۰ × ۶ ۱/۲ انچ۔ سطر ۳۱ انچ۔ تعداد سطر فی صفحہ ۱۹، خط مولویانہ شکست آمیز، صفحات ۲۷۷ ہیں۔ ششہ

کھا لکھا ہوا ہے۔ اس رسالہ کو شاہجہان بادشاہ کے نام پر مینون کیا گیا ہے۔ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی اس کے مصنف ہیں، آغاز رسالہ یہ ہے، ”اللہم یا سمیع البصائر، ونبور قدسک اہتدای“۔

رسالہ میں مسئلہ علم باری تعالیٰ اور سمجھ قدم عالم کو نہایت خوبی سے لکھا ہے۔ ملا صاحب کا انتقال ۱۰۶۶ یا ۱۰۶۷ھ میں ہوا ہے۔ اس لئے یہ رسالہ ان کی زندگی ہی کا لکھا ہوا ہے۔ ملا صاحب کے کمالات اور فضائل سے مدارس عربیہ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ ان کی شہرت آج نہیں بلکہ ان کی زندگی ہی میں ہندوستان سے ٹھکر عرب و روم میں پہنچ چکی تھی، چنانچہ آجکل انکی جس قدر کتابیں ہندوستان میں نہیں چھپی ہیں، اُس سے زیادہ ٹرکی اور قسطنطنیہ میں چھپی ہیں، ہندوستان سے ٹرکی ان کتابوں کے پہنچنے کی صورت یہ معلوم ہوئی کہ قدیم زمانہ میں جہان سلاطین باہم اور تحفہ تحائف اپنے ملک کی مصنوعات کا بھیجا کرتے تھے وہاں اپنے دربار کے شعرا کی غزلین، قصائد و دواوین اور علماء و فضلاء کی

تالیفات و تصنیفات بھی بجا کرتے تھے، چنانچہ شاہجہان اور سلطان محمد خان سلطان روم کے درمیان اس قسم کے تعلقات قائم تھے اور اس طرح شاہی تحائف کے ضمن میں ہندوستان کے اس مایہ ناز حکیم ملا عبدالحکیم سبالکوٹی کی تصنیفات ترکی، پنجابی، کنج، اسی سلسلہ میں ہم ملا صاحب کے رسالہ الدرۃ الثمینیہ کا تذکرہ کرتے ہیں،

عراق میں جان نثار خان شاہجہان کی طرف سے کسی خدمت پر مامور تھا۔ محمد فاروق سنہ ۱۰۰۰ اور محمد علی واقعہ نویس اس کے ہمراہ تھے۔ سلاطین مغربیہ کے ناذاں کا ایک رکن خلیفہ سلطان ایران سے لشکر عراق میں آباد ہو گیا تھا، پھر وہ ہندوستان چلا آیا تھا، شاہجہانی تاریخوں میں اس کا ذکر مستند مقامات میں ہے، یہ لائق اور صاحب علم امیر تھا اور وہ وزیر دانشور عراق کے نام سے مشہور تھا، شاہجہانی سفراء جب عراق گئے تو خلیفہ سلطان سے بھی ملے، ان شاہجہانی سفراء کو بھی اپنی جگہ پر دعویٰ نفوس و کمال تھا اور اوسکو قائم رکھنا گویا ہندوستان اور سلطنت ہند کی عزت وہ سمجھتے تھے، وزیر نے ان سے دریافت کیا کہ امام غزالی نے (تہافت الفلاسفہ) میں مسئلہ قدیم عالم اور نفی علم واجب تعالیٰ کے سبب سے شیخ ابو نصر فارابی اور ابو علی سینا کی تکفیر کی ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟۔ جانشان خان نے شاہجہان کو اطلاع کی۔ بادشاہ نے اپنے وزیر نواب سعد اللہ خان کو حکم دیا کہ ملا عبدالحکیم صاحب کو لکھو کہ اس کے متعلق دس پندرہ دن میں ایک رسالہ لکھ کر حاضر کریں کہ عراق کو بھیجا جائے۔ خدا جانے سلاطین کو اس مسئلہ سے کیا دلچسپی تھی، چنانچہ اسی کے پس و پیش زمانہ میں امام غزالی کی تہافت الفلاسفہ اور ابن رشد جو اس کا جواب تہافت تہافت الفلاسفہ کے نام سے لکھا ہے، سلطان محمد خان روم نے اپنے دربار کے بڑے فلسفی موجی نواردی سے اس پر محاکمہ لکھایا ہے جو کتاب الذخیرہ کے نام سے چھپ گئی ہے، پھر حال یہ مسئلہ بہت مہتمم باشان ہے۔ سیکڑون کتابیں اس سبب پر لکھی گئی ہیں۔ یہ معلوم ہے

کے شاہانِ معنیہ کے الفاظ کو احکام میں بعینہ نقل کیا جاتا تھا۔ شاہجہان کی علمی قابلیت کا یہ نمونہ ہے کہ اس نے اس مسئلہ میں جن امور پر رسالہ لکھوانا چاہا ہے اس کو چند جملوں میں ادا کر دیا۔ سعد اللہ خان کے خط کو پڑھ کر کہتا ہے کہ کلمات مکرر، تاویلات علماء، وجہ تخریج اہل اسلام، اقوال ملت، مباحثات، مناظرات، نیکوکی و شہادت، ازالہ اعتراضات، سوالات و جوابات، غایت تدقیق و نہایت تحقیق سے لکھے جائیں۔ در ہر باب و اساس سخن میں اہل کلام پر گفتگو ہو اور ہر جواب میں، براہین ہوں۔ احاطہ مسائل متعلقہ بطلب علم حصولی و حضوری کے مسائل متعلقہ کے بیان میں پورا احاطہ کیا جائے۔ اور نیز اس مسئلہ کو صحت کیا جائے کہ علم عین عالم ہے یا عین معلوم یا غیر۔ اور اس کا تعلق جزئیات سے بوجہ کلی ہے یا بوجہ جزئی وغیرہ،

سعد اللہ خان کی علمی استعداد تو مشہور ہی ہے لیکن شاہجہان کی علمی فیصلیت بھی اس فرمانِ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ کم نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی علم و فن سے واقف نہ ہو وہ کیا اس کو سمجھ سکتا ہے، اگر شاہجہان کی تاریخ کے ساتھ اس کے کمالات علمی کی بھی تلاش کی جائے تو کیا اچھا ہو۔

سعد اللہ خان وزیر نے شاہجہان کے حکم سے اس باب میں ملامت کو جو خط لکھا ہے وہ بھی اس رسالہ کے ساتھ شامل ہے۔ اور اس کی نقل حسب ذیل ہے،

مفاوضہ جملۃ الملکی مدار المہامی علّامی و فتامی نواب سعد اللہ خان
کہ بہ چہل گچا نہ مولنا بے الحکیم سیالکوٹی جتہ تالیف رسالہ الدرۃ الثمینہ
حسب الحکم شاہجہان بادشاہ تخریر نمودہ و فیاض مطور الصد در جواب
اکن رسالہ مذکورہ را ترتیب دادہ

انادت پناہ افمنت و شگاہ جامع معقول و منقول و مادی و فروع و اصول۔ وحید المعصفر فی اللہ
بادراک سعادت نسا تین و احراز کالات دارین کامیاب باشند۔ حسب حکم الاشراف می نویسد

که چون افراد وقایع ایران زمین مسرع حقائق جامع رسید که افادت پناه و افانیت دستگاه خلیفه
 سلطان وزیر دانشور عراق که علم علما آنجا است - از محمد فاروق شریف و محب علی واقع نویس که بامادی
 ماب - جان شارفان تعیین شده اند و پس از غوی اینان بفضل و کمال پرسید که امام محمد غزالی در
 مسند قدم عالم و نفی علم واجب تعالی ثناء: عما یفعل الظالمون فی حق النفسهم
 الخائبین بالله و کبریات و نفی حشر و احسا و تکیه بر شیخ ابو نصر فارابی و شیخ ابو علی سینا و
 و جمیع تاویل کلام حکما که فرماید این مراتب را بقیه - باید نمود که مدعیان بے خروج از مسلک متعولیه
 و در در مانده - لهذا بکترین مریدان حکم شد که بان فضائل و کمالات دستگاه - سطر بے چند بر نگارد
 و بر آن آرد که آن افادت و افانیت مرتبت را درین مسائل مختصر جامع مفیده که بجمع کلمات حکما
 و تاویلات علماء و وجه تسمیه اسلامیین و اقوال ملین و مباحثات و مناظرات و شکوک و شبهات
 و ازالات و اخراجات و اصول و اجوبه و غایت مدقیقات و نهایت تحقیقات و اسل کلام در هر باب
 و اسس سخن در هر جواب و آنچه بر آن طفره فیه باشد و بر آن بر آن فائده شده باشد و املاء
 مسائل متعلقه بمطالع علم از حصولی و حصولی بودن و علم عین و عین معلوم است یا غیر و متعلق
 آن بکبریات ابو جلی است یا بوجه جزئی - ذکر بر آنکه کلیه و جزئی معلوم و مانع مدبرک و مانع مدبرک
 است و نسبت الواجب جزئی است یا نه و بیان آنکه ادراک متعلق است نه احساسی و معمول علم غنیاً
 و شخصیات از آن زمان و غیر آن و بقای علم یا تغییر معلوم و تبدیل زمان و حضور زمان و جمیع
 اجزاء من اذل الازل الی ابد الاباد مع کی نه غیر قایل و جز آن باشد نوشته
 حضرت خلافت در عرصه ده و پانزده روز باید فرستاد که بایران فرستاده شود و آنچه آن باید نوشت
 که قابل فرستادن و لائق اضافت بان فضائل دستگاه بود و بر درگاه رازان آثار گویند و
 در تاریخ بهر نوشته آید - والد عار و اسلام - نقطه

ہندوستان اور اسلامی عہد حکومت

رائل سوسائٹی آف آرٹس، انگلستان میں فنون لطیفہ مشعلی ایک اہم علمی انجمن ہے۔ اس کے شوبہ ہندیہ کے ساتہ ہر سال ایک کچھ سرچارج برڈ وڈ کی یادگار میں ہوتا رہا ہے۔ ابکی سال یہ کچھ سرنامس از لنڈ نے دیا، اور اس میں اسلامی ہند کی اس تاریخ پر روشنی ڈالی جو قدیم قلمی تصاویر کے ذریعہ سے ہمارے علم میں آتی ہے۔

سرار لنڈ کہتے ہیں، کہ اسلامی ہند میں فقراء و صوفیہ کا بیدار اثر و اقتدار تھا۔ ان کے معتقدین کی تعداد ہمیشہ ہوتی تھی، اور ہر طبقہ آبادی پر اس کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ مختلف سلاسل کے بزرگوں کی تصویریں اس وقت بہ کثرت موجود ہیں۔ بہت سی تصاویر میں یہ منظر دکھایا گیا ہے، کہ سلطان وقت یا شاہی خاندان کے دوسرے ارکان، یہ کمال تعظیم و احترام ان حضرات کی خدمت میں حضری دیتے رہے ہیں۔ شہنشاہ اورنگ زیب ایک مرتبہ اپنی مملکت کا دورہ کرتے ہوئے، ایک مقام پر وارد ہوئے، جہاں کسی شخص بزرگ کا قیام تھا، اور ان کے پاس اپنا اشتیاق ملاقات کہلا بھیجا۔ اس تاجدار فقر و غنا کا جواب آیا کہ میں اپنا غلہ نہ تھیں چھوڑ سکتا، بادشاہ کو اگر ملنا ہے تو خود حاضر ہوتے۔ بادشاہ نے تعمیل کی، اور حسب قاعدہ اسلام پورے آداب احترام کو ملحوظ رکھا۔

یہ مسلمان فقراء و درویش، اکثر ہندوستانیوں کی طرح، آبادیوں اور بستیوں سے دور وشت نور دی و محرابیائی میں مصروف رہتے تھے۔ ایک مشہور درویش میان قائم سنہلی کی بابت روایت ہے، کہ کامل دس سال تک برہنہ پا برہنہ سردشت نور دی کرتے رہے، اور اس ساری مدت میں ایک مرتبہ بھی بستر پر نہیں سوئے۔ ایک دوسرے درویش شیخ محمد غوث جن کا مزار گوالیار میں

بارہ برس تک چٹا کی پہاڑیوں میں غاروں کے اندر اور درختوں کی پتیوں پر گزرتے رہے۔ صحراؤں اور دی کے بعد یہ صوفیہ اگر کہیں سکونت بھی اختیار کرتے تھے، تو سنان حجروں یا ویران جنگلوں میں۔ آخری اسلامی دور میں بعض مزارات، اجتماع معتقدین کے مراکز بن گئے تھے، لیکن تضاد بر میں عموماً بن گیا ہے فقر اہی پر زیادہ توجہ کی گئی ہے۔

قلبی تضاد بر میں وجد و مال کے بھی بہت سے مناظر دکھائے گئے ہیں، بحال سے مراد وہ کیفیت رقص ہے، جو اوقات جوش میں مرشدوں پر طاری ہو جاتی تھی۔ علماء ظاہر نے ان مظاہر کو بہت سختی سے روکا ہے، اکابر صوفیہ میں سے بھی بعض نے اس کی اجازت دی ہے، اور بعض نے کمرہ جانا ہی، تاہم ہندوستان کے درویشوں میں یہ طریقہ بہت عام رہا ہے، خصوصاً بعض مسلکوں میں جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں، وہ اسکی سند صحابہ کے آثار سے لاتے ہیں، مثلاً ایک صحابی کی بابت یہ روایت ہے کہ ان کے کان میں جو نبی آیت قرآنی *إِنَّ عَذَابَكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَمْ يَدْفَعُ* کی آواز آئی، انھوں نے زور سے چیخ ماری، اور غش کہا کر گر پڑے۔ اسی طرح کی روایات اکابر صوفیہ کی بابت بہ کثرت مشہور ہیں۔

اسلامی عہد حکومت کے ایک اور پہلو پر بھی ان تضاد بر سے روشنی پڑتی ہے۔ اسلامی حکومت کا ابتدائی دور بہت پرست ہندوؤں کے حق میں ایک سخت عذاب تھا۔ لیکن جو نبی مسلمان ہندوؤں کو اپنا وطن بناتے گئے، بہت سنی و منافرت میں قدرۃ کی آتی گئی، تاہم اسکی تفصیل، یعنی اسلام نے کس حد تک ہندوؤں کے ساتھ رواداری برتی؟ اصولاً کہاں تک اسے جائز قرار دیا، اور عداوت کہاں تک اسے بنایا؟ حکومت اور حکام کا طرز عمل کیا رہا، اور عداوت کے عام افراد باہم کیونکر پیش آتے رہے؟ اس قسم کے سوالات کا جواب دینا ابھی مورخ کو باقی ہے۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں داراشکوہ کی شکست فاش کی سرگزشت

ایک دردناک داستان ہے۔ داراشکوہ مثل اپنے پردادا اکبر کے اس فکر میں تھا کہ ہندومت اور اسلام کے درمیان مصالحت کا راستہ نکالے تبوہ ہے کہ اس شہزادہ کی مستقل سوانح عمری پر اب تک کسی مورخ نے توجہ نہیں کی ہے۔ اسے اپنی روشن خیالی و رواداری کا جس کے لئے ملک تیار تھا، کفارہ اپنی جان سے دینا پڑا۔ اگر داراشکوہ کو اپنی تجاویز اتحاد میں کامیابی ہو گئی ہوتی تو ہندوستان کی تاریخ آج بالکل مختلف ہوتی۔ اس کو مسلمان فقراء اور ہندو سنیاسیون، دونوں سے یکساں عقیدت تھی اور اسلام کا تصوف کی نظریے مطالعہ کر کے وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ہندوؤں کا وحدت وجود اور اسلامی توحید معنی بالکل ایک ہی۔ دونوں مذاہب کے اصول کے اتحاد و اشتراک پر اس کا ایک رسالہ بھی مجمع البحرین کے نام سے موجود ہے۔

جن ہندو جوگیوں سے اسے عقیدت تھی ان میں سے بابا لال کا نام تاریخ میں محفوظ ہے۔ یہ جوگی سرہند (پنجاب) کے قریب رہتا تھا، اور اس کے گرد مریدین و متعقدین کا ایک مجمع رہتا تھا۔ شہزادہ داراشکوہ جب کی عمر اس وقت ۳۴ سال کی تھی، اس کی شہرت سنکر اس کی خدمت میں پہنچا اور اس سے بارہ مذہبی مذاکرہ رہے، ان مذاکروں کو شہزادہ کے دو ہندو ملازمین قلمبند کرتے گئے تھے چنانچہ اس وقت تک یہ محفوظ بین اگرچہ کبھی طبع نہیں ہوئے ہیں۔ دو مختلف مذہب والوں کے درمیان، اور مذہب بھی ایسے جن کے درمیان خون کی ندیاں حاکی رہی ہیں، اس قسم کی مصالحت و اشتی کی گفتگو ہندوستانی مذہبی تاریخ کا ہمارا حقا و افتخار قلمی تضاد جس باہمی رواداری کا قیاس پیش کرتی ہیں، اس کے ضمن میں پنجاب کے دو بزرگوں، ایک ہندو، دیال بمون، اور ایک مسلمان جمالی سلطان کی دوستی اور ان کی پہلی ملاقات کا دلچسپ واقعہ قابل تذکرہ ہے۔ گروت میں دیال بمون پہلے سے سکونت گزین تھے جب جمالی سلطان نے قدم رکھا، تو دیال بمون نے ایک پیالہ دودھ سے بابا بھرا ہوا ان کو تحفہ بھیجا عقیدہ یہ تھا کہ یہ شہزادہ دن اور فقیروں کے برتری آپ کے لگن بخش نہیں جمالی سلطان اس فرکو سمجھ گئے جواب میں یہ کہا کہ آئی جھڑ پڑا یہ میں گلاب کی ایک ٹکڑی ڈال کر جو اس کی سطح پر ترقی تھی، واپس کر دیا۔ (زمین پوہ)

شاهان اسلام

اور

شوق حیوانات

از مولوی ابوالفرید احمد بھوپالی

آج یورپ بکرا ایشیا تک کاشمکش سے کوئی ایسا متمدن شہر ہوگا جہاں زندہ یا مردہ جانور کو کاغذ کا ٹکڑا نہ ہو، اس کے قصور انسانوں کے علم میں اضافہ اور عجیب و غریب حیوانات کے خواص اور عادات کا مشاہدہ اور مطالعہ ہے، لیکن زمانہ قدیم میں چونکہ سلطنتیں شخصی تھیں اس لئے، سلاطین کا ذاتی شوق ان جانور خانوں کے قیام کا اصلی سبب ہوتا تھا، اور اس سے علم و مہر کے دوسرے فوائد بھی حاصل ہوتے تھے، اس زمانہ میں جانوروں کے پالنے کے مقاصد مختلف ہوتے تھے، یا تو امرا اور سلاطین اپنی بیکاری کے اوقات ان کے ساتھ کھیلنے یا ان کے کھیل تماشے دیکھنے یا ان کے عجیب و غریب حرکات و خصوصیات کے مشاہدہ میں کاٹا کرتے تھے یا وہ ان کو خاص قسم کی تعلیم و تربیت دیکر ان سے خاص خاص کام لیتے تھے، چنانچہ کتے اور بندر اور شکاری پرند وغیرہ بکثرت اس غرض سے سدھائے اور سکبائے جاتے تھے،

ان اسباب کے علاوہ گذشتہ سلاطین اور امرا کے اس شوق کا مقصد ایک اور بھی رہا ہے اور وہ یہ کہ کھیل تماشوں کے علاوہ دربار میں قوت و سطوت و دبذہ شاہی کا اظہار اور لوگوں کے دلوں میں ہیبت اور رعب بٹھانا۔

خلفاء و شاہان اسلام میں سب سے پہلا شخص جس کے اس قسم کے شوق کا تاریخ میں تذکرہ ہے یزید ابن معاویہ ہے۔ یہ پہلا خلیفہ ہے جو جانوروں کے پالنے کا شوق رکھتا تھا۔ اسکو سب سے زیادہ

شوق نکا کا تھا اس کے بہان بندر چیتے، گئے اور شکاری پرند بکثرت تھے۔ ابن طباطبائی نے اپنی کتاب
انفخری میں کہا ہے:

وكان ليس كلاب الصيد الا ساد من اور وہ کون کو سونے کے طوق پہنا تا اور

الذهب والجلال المنسوجة من الذهب سنہرے کام کی جھولیں انھیں اڑھاتا اور ہر

وجوب لكل عبد ان يخدمہ کئے گئے ایک غلام مقرر کرتا جو اس کی خدمت کرتا تھا

ابن طباطبائی نے اس کے متعلق ایک طویل و ظریفانہ حکایت لکھی ہے جسکو خون طوالت سے

ہم بہان بیان نہیں کرتے، جسکو دیکھنا ہو وہ کتاب مذکور کی طرف رجوع کر لے،

خزید ابن معاویہ کے متعلق جو عجیب بات بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اسکا ایک بندر تھا جسکی

کنیت "ابو قلیس تھی۔ یہ اسکی اکل و شرب کی مجلسوں میں موجود رہا کرتا اور اس کے ساتھ بیٹھا کرتا

تھا۔ اور دوڑ میں گھوڑوں اور شہسواروں پر سبقت لیجا کرتا تھا اسوقت وہ ایک جنگلی گدھی پر سوار

ہوتا اور پیش قیمت اور فافرو لباس پہنے ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور دیگر مضحکہ خیز اور عجیب عجیب

روایتیں اس کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔ مسعودی نے مروج الذهب میں لکھا ہے:

"اسکا ایک بندر تھا جس کی کنیت "ابو قلیس تھی وہ اسکی اکل و شرب کی مجالس میں

موجود رہتا تھا اور ایک ہوشیار و شریر بندہ تھا۔ وہ "ایک وحشی گدھی پر سوار ہوتا تھا

جو عمدہ بانی ہوتی تھی اور زمین و گام کے ذریعے اسکی مطلع رہتی تھی۔ وہ اس کے ساتھ

"گھوڑ دوڑ کے دن "گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کرتا اور بعض مرتبہ آگے نکل جاتا اور گھوڑوں

پیلے گھوڑ دوڑ کی حد تک پہنچ جاتا اور جھرمین داخل ہو جاتا۔ ابو قلیس کے سرخ

اور زرد رنگ کے شہسوار دشمن کی قبایض تن ہوتی تھی اور اس کے سر پر رنگ بزرگ

لے دیکھو انفخری نے الآداب السلطانیہ والذول الاسلامیہ صفحہ ۹۴ و ۵

کی دہاریون دار رشیم کی فوجی ہوتی تھی۔ اور اسکی گدھی پر حریر سرخ کا زین ہوتا تھا جو قسم قسم کے رنگوں سے بچکا در نقش ہوتا تھا اسی کی نسبت کسی شاعر نے کہا ہے:

تمسک اباً قلیس لبعفل عنانہا فلیس علیہا ان سقطت صمان
الامن راعی القرد الذی سبق جیاد امیر المؤمنین اتان لی

خلفائے نبی امیہ و بنی عباس میں سے اکثر نے باوجود اختلاف مذاق کے اس جانور پر دردی میں یکسان توجہ ظاہر کی ہے ان کو عمدہ اور بیش قیمت کپڑے پہنائے جاتے تھے زیورات سے ان کو آراستہ کیا جاتا تھا، بہانہ تک کہ سیکیات بھی اسکے اثر سے نہیں بچ سکی بہن چنانچہ مورخین نے ذکر کیا ہے کہ ام حنفیہ زبیدہ خاتون زوجہ خلیفہ ہارون الرشید کا ایک بندہ تھا جس کی خدمت کے لئے تیس آدمی ملازم تھے وہ اسے انسانوں کا لباس پہناتے اور تلوار اس کے زین لکر کرتے اور جب وہ سوار ہوتا تو سب اس کے پیچھے پیچھے چلتے تھے اور جب اس سے ملنے جاتے تو اسکا ہاتھ چومتے۔ ایک مرتبہ زبیدہ ابن مزید اپنے سفر سے پہلے زبیدہ خاتون کو الوداع کہنے کے لئے آیا تو وہ بندہ اس کے نزدیک لایا گیا اور اس سے اسکا ہاتھ چومنے کو کہا گیا زبیدہ ابن مزید کو یہ بات نہایت شاق گذری اور تلوار نکال کر اس کے دو ٹکڑے کر دئے اور چل دیا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسکو بلایا اور اس پر خفا ہوا اس نے جواب دیا کہ: اے امیر المؤمنین! کیا خلفا کی خدمت کے بعد میں بندرو کی خدمت کروں؟ نہیں! قسم ہے خدا کی یہ ہرگز نہیں ہو سیکے گا! خلیفہ نے یہ جواب سن کر اسے معاف کر دیا۔ اسی طرح سے تمام خلفاء عباسیہ، فاطمیہ اور امویہ اندلس اور ان کے علاوہ دیگر سلاطین مثل سلجوقیہ اور ایوبیہ کے متعلق بھی یہی قیاس کرنا چاہئے۔ چنانچہ ابن طباطبائی نے ذکر کیا ہے کہ سلطان مسعود سلجوقی کو بھی اسکا سجدہ شوق تھا وہ کتوں کو نقش طلسم کی جھولین اڑاتا تھا اور سونے کے طوق پہناتا تھا اور کبھی

امین الدولہ کی طرف کہ جو نصرانی طبیب کے شاگرد کا بیٹا اور ایک ظرفیت فاضل تھا اتفاقات کم کر دیتا تو وہ کہتا ہے

من کان یلین کلبہ وشباً و یقع لی بجلدی
فانکلب خیر عندہ منی وخیر منه عندیؑ

لیکن سانپوں چیتوں اور ہاتھیوں وغیرہ کا بادشاہوں اور خلفاء کا اپنے مجلسوں کے دروازوں پر بندھوانا جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے کہ یہ ان کے اُسی قسم کے شوق سے تعلق رکھتے جو وہ اپنی ہیبت و رعیب اپنی رعایا کے دلوں میں جاگزین کرنے اور اپنے ملک و قوت کے بڑے اور سطوت و قدرت کے اظہار کے لئے رکھتے تھے۔ سب سے پہلا شخص جس نے خلفائے عباسیہ میں سے اس کی جانب توجہ کی خلیفہ منصور تھا جو بہت کچھ اہتمام ہاتھوں کے جمع کرنے میں کیا کرتا تھا کیونکہ ہندوستان و ایران کے اگلے بادشاہ ہاتھی کی سواری کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ خود خلیفہ ہارون الرشید نے بہت سے بچے (تفس) تھے جن میں سانپ، چیتے اور شیر وغیرہ بندھے تھے۔

عرصہ تک خلفاء اور اراکین کے شوق کا یہی حال رہا یہاں تک کہ دارالخلافہ اقسام اقسام کے درندوں چیتوں اور کتوں سے بھر گیا جب خلیفہ المہدی نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو وہ چونکہ زہد پیشہ اور متقی تھا اس نے ان درندوں کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں حوادث ۲۵۵ ہجری کے بیان میں لکھا ہے کہ:

امیر المہدی العباسی باخراج خلیفہ المہدی نے تمام گویوں کو ساحرا
المعتن من ساحر و نفاہم عنہا نکال دیا اور وہاں سے ان کو جلا وطن کرکے

۱۔ وہ شخص جس کا نام منقش کپڑوں سے ملبوس کیا جاتا ہے مجھ سے سیری کمال پر ناعت کرتا ہے۔ پس اس کا
۲۔ اس کے نزدیک مجھ سے بہتر ہے اور میرے نزدیک اُس سے بہتر ہے۔ الغرضی مضمون علی عقیدہ الفردیہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۰

وامر ایضا بقتل السباع التي كانت
ببدا الحلافة وطرد الكلاب

لیکن یہ روک عرصہ تک قائم نہیں رہی۔ جب خلیفہ المتمدی نے انتقال کیا تو امراء و خلفاء و بابر
ان شکاری جانوروں کو جمع کرنے لگے یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے ان کو اپنے درباروں تک
میں بند ہوا یا خصوصاً اسوجہ سے ادبی کہ ان زمانوں میں چلتی ہوئی سیاسی تدبیر (پالیسی) رعب و
ہمیت کو رعایا کے قلوب میں جاگزیں کرنا اور اس کے ذریعہ سے ناموس مملکت کی حفاظت کرنا متبعی
چنانچہ اسی نظریہ سیاسید کی تشریح میں ابن طباطبائی نے کہا ہے:

..کہ ہمیت ہی نظام مملکت کی حفاظت کرتی اور رعایا کے طمع اور لالچ کی نگرانی کرتی ہے اسلئے
بادشاہ قیام ہمیت و ناموس میں اُرد ہوں، چلیوں اور ہاتھیوں کو باندھ کر بڑے بڑے بگل اور نقار
بجوا کر اور ان کے سروں پر چمبڈے بند کر کے مبالغہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ رعب قائم کرنے کے لئے
ہوتا تھا۔ جیسا کہ عقد الدولہ بن بویہ جب اپنے تخت پر بیٹھا تو اُڑھے، چلیے اور ہاتھی زخمیروں میں بکرنے
ہوئے حاضر کئے گئے تاکہ اس سے لوگوں پر خوف و وحشت طاری ہو،

یہ سیاسی تدبیر تمام پھیلی ہوئی تھی اور اس قسم کے جانوروں کا انتخاب صرف مشرق ہی میں ہوا
نہ تھا بلکہ اسکا اثر اندلس تک پہنچ چکا تھا مگر فی نے کہا ہے:

وقد اتخذ الخليفة الناصر الاموي
في مدينة النهراء محلات للوحش
والسباع واسعة الارحاء
منابع السباح

اور خلیفہ ناصر اموی نے شہر زہرا میں وحشی
جانوروں اور درندوں کیلئے بڑے بڑے
گرداؤں کے محلات بنوائے تھے جنکی چار دیواریاں
دور دور پھیلی ہوئی تھیں۔

اس سے بھی زیادہ دلچسپ خاویہ ابن طولون کا وہ شوق و توجہ ہے جو اسکو ان شکار چلنوں کے جمع کرنے اور انکی تربیت و تعلیم میں تھی یہاں تک کہ اس نے ان کے لئے ایک خاص مکان بنوایا تھا جسکا نام ”دارالسباع“ رکھا تھا جس کے اوصاف و انتظامات کے دلچسپ حالات مقرریزی نے اس طرح بیان کئے ہیں:-

”اس ”دارالسباع“ میں طویل طویل مکانات تھے اور ہر مکان میں ایک درندہ اور اسکی مادہ کے رہنے کی گنجائش تھی۔ ان مکانوں میں دروازے تھے جو ان کے اوپر سے حرکت دینے سے کھولے جاتے تھے اور ہر مکان میں ایک چھوٹا سا دیگہ تھا جس میں سے وہ آدمی جو اس مکان کی خدمت پر مامور تھا داخل ہوتا اور اس میں زبل کا فرش کرتا۔ ہر مکان میں ایک جانب سنگ مرمر کا ایک حوض تھا جس میں ایک تانبے کے نل سے پانی آتا تھا۔ ان مکانوں کے سامنے ایک عرضی وسیع میدان تھا جس میں ریت بھی ہوئی تھی اس میدان کی ایک جانب ایک بڑا سنگ مرمر کا حوض تھا جس میں ایک بڑے نل سے پانی آتا تھا۔ جب ان درندوں میں سے کسی درندے کا بھران اس کے مکان کو صاف کرتا یا اس کے کھانے کے لئے گوشت کی خوراک رکھنا چاہتا تھا تو مکان کے اوپر کسی ترکیب سے دروازہ کھول دیتا اور جانور پر چلا تا تو وہ جانور میدان مذکور کی طرف نکل جاتا اور پھر وہ اوپر سے دروازہ لگا دیتا۔ جانور بھی اسکو جان گیا تھا پس چون ہی بھران دروازہ کھولتا تھا اس میں داخل ہو جاتا اور گوشت سے جو کچھ اس کے لئے مہیا کیا جاتا اسے کھاتا یہاں تک کہ سیر ہو جاتا اور ضرورت کے مطابق پانی پی لیتا۔ یہ تمام مکانات درندوں سے بھرے ہوئے تھے اور ان کے اوقات مقرر تھے جن میں ان درندوں کے تمام مکانات کھولے جاتے اور جانور اس میدان کی طرف نکالے جاتے اور اس میں چلائے جاتے پس وہ نکلے اور کھیتے اور ایک دوسرے پر دیکھتے تھے وہ اس میں اسی طرح سے دن بھر

رات تک رہتے یہاں تک کہ ان پر نگران پھر چلا آتو ہر ایک جانور اپنے مکان میں داخل ہو جاتا اور دوسرے مکان میں جا چکی غلطی نہ کرتا ہے۔

خارویہ کے ان جانوروں میں سے ایک جانور تھا جو اس سے بہت مانوس ہو گیا تھا اس کا نام اس نے زریق، رکھا تھا۔ یہ جب خارویہ سو جاتا تو انکی حفاظت میں پہرہ دیتا اور مکان میں کھلا ہوا آزاد پھر کرتا مگر کسی کو نہیں سنا تھا۔ مقرر نے اسکی نسبت بیان کیا ہے :-

”اور ان تمام درندوں میں ایک درندہ تھا ازرق چشم جکوہ زریق کہتے تھے۔ یہ خارویہ سے مانوس ہو گیا تھا اور مکان میں آزاد پھر کرتا کسی کو سنا تا نہیں تھا۔ اسکو اس کی خواہش کی رو سے کی غذا میں سے دیکانی تھی جب خارویہ کا دسترخوان پھرایا جاتا تو زریق اس کے ساتھ آ جاتا اور خارویہ کے سامنے بیٹھ جاتا۔ خارویہ اس کے سامنے مرغی پر مرغی اور بکری کے نوعمر بچے کو گوشت کا اچھا اچھا فخذ یا اسی کے مانند اور جو دسترخوان پر موجود ہوتا چھینکتا جاتا اور وہ اسکو مزے کے ساتھ کھاتا جاتا۔ اسکی ایک مادہ تھی جو اسی مانوس نہ تھی جیسا کہ وہ تھا جس وہ اپنے ہی مکان میں بند رہتی تھی اور ایک خاص وقت تھا جس میں یہ اس کے ساتھ اس میں رہتا تھا جب خارویہ سو جاتا زریق آتا اور اُسپر پہرہ دیتا، اگر وہ سخت پر سو جاتا تو یہ سخت کے سامنے بیٹھ جاتا اور اس کی نگہبانی جب تک کہ وہ سوتا رہتا کرتا رہتا۔ اور اگر وہ زمین پر سو جاتا تو وہ اس کے پاس رہتا جو شخص داخل ہوتا اور خارویہ سے ملنے کا ارادہ رکھتا اسکو وہ آگاہ کر دیتا اور اس سے ایک لفظ کے لئے بھی غافل نہیں رہتا یہی اسکی عادت تھی اور وہ اس سے مانوس اور اسکا خوگر ہو گیا تھا۔ اسکی گردن میں سونگا ایک طوق پڑا رہتا تھا۔ کوئی خارویہ کے قریب جینک کہ وہ سوتا رہتا رہتا زریق کی

تجھانی اور پردہ داری کی وجہ سے نہیں جاسکتا تھا حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے قمارویہ کی موت کا حکم نافذ فرمایا تو قمارویہ دمشق میں تھا اور زریق اس سے علیحدہ مصر میں ملے۔
بعض امرا اور سلاطین کو دوسرے جہلک جانوروں مثلاً تواریخ میں اس عشق و شوق کے واقعات بکثرت مدون ہیں، چنانچہ مقرر نے خططین اور صلاح الکلبی نے "فوات الوفیات" میں وزیر جعفر بن قفل بن فرات کی نسبت کہ بواحتیاد المعروف بہ ابن خراہہ کا مصر میں وزیر تھا زوات کی ہے کہ:-

"وہ شہرات الارض مثل سانپ، بھجوا، اردے، انگکھجورون یا اس کے مانند دیگر حشرات کے دیکھنے کی بہت ہوس رکھتا تھا: دوسرے میں اس کے مکان میں نہایت عمدہ سنگ مرمر کے فرش کا دو میدان تھا اس میں بہ سانپ سوراخوں میں رہتے تھے اور ان کے لئے بگچان فرش اور منتردان مقرر تھے جو حکم ملنے پر ان سانپوں کو "ادبرے" اور نہانے اور منتقل کرنے پر نوکرتے۔ اور ہر ایک منتردان مصر میں جس قدر بھی اس سے ہو سکتا تھا سانپوں کو بکڑتا تھا اور وہ لوگ زیادہ تر انکی ان اقسام میں سے بکڑتے تھے جو پسندیدہ، بڑے، اور عجیب ہوتے تھے۔ اور وزیران کو اس پر بڑے بڑے انعام اور بہت کمال دولت دیتا کہ وہ ان کے حصول میں کوشش کریں۔ اور اسکا ایک خاص وقت تھا کہ اسوقت میں وہ ایک بلند چوڑے پر شیشا تھا اور پھر یہ نوکر اور منتردان وہاں داخل ہوتے تھے اور سانپوں کو ٹر داتے تھے اور وہ اس سے خوش ہوتا اور پسند کرتا تھا۔"

اس کے علاوہ کثرت سے ایسی مثالیں موجود ہیں جو تاریخوں کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں جن کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح سے مختلف بادشاہوں کو مختلف زمانوں میں خاص

خاص اقسام کے حیوانات سے شوق رہا ہے اور نہ صرف خاص خاص اقسام کے بلکہ بعض بادشاہوں کو تو جمیع اقسام کے حیوانات کا شوق رہا ہے۔ جیسا کہ ابن خلکان نے خلفائے ٹنسیہ میں سے حلیفہ فیروز باغذ فرما کر لائے مھر کی نسبت بیان کیا ہے:

وكان عند الامن غرائب الحيوانات اور اس کے نزدیک انواع و اقسام کے
ما السمح يقيم عند غيرة وذكروا حیوانات تھے جو کسی دوسرے کے نزدیک
بينهم المنقاء جمع نہ ہوئے اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان

حیوانات میں "عقار" بھی تھا۔ " " " " " "

ہندوستان کے تیموری سلاطین میں اکبر اور جہانگیر کو حیوانات کا بہت شوق تھا۔ اکبر جو ابتدا سے بڑا دلیر بہادر اور جفاکش تھا حیوانات سے عموماً اور کبوتروں، گھوڑوں، ہاتھیوں اور چیتوں سے خصوصاً بے انتہا شوق رکھتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے دنیا کے فانی سے کوچ کیا تو اس کے ذاتی متروکات میں سے حیوانات کا ایک بڑا ذخیرہ بھی تھا، جیسا کہ فانی خان نے منتخب اللبسا میں لکھا ہے:

”در وقت وفات محمد اکبر بادشاہ زیارہ از پنج ہزار فیل کہ گاہ قریب شش ہزاری رسد فیل شاہ
او موجود بود و دوازده ہزار سپ در طویلہ و ہزار یوز در چتہ خانہ داشت“

اکبر نے اپنی زندگی میں ہر خدا اس امر کی کوشش کی کہ چیتوں کی تعداد کسی طرح ہزار تک پہنچائے لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس کو کبھی اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ جب کبھی اس نے کوشش کر کے انکی تعداد پوری کی، ان میں سے دو چار میاں ہو کر ضرور مر گئے چنانچہ فانی خان نے آگے چل کر لکھا ہے کہ:

» واما گویند کہ ہر چند خواست ہزار چہ تہ شود میسر نی آمد یک دو دیو ز آفت رسید
 یہ تمام جیتے، باقی، اور دیگر جانور نہایت سد ہے ہوئے تھے۔ اشاروں پر کام کرتے تھے، زرد
 کھجور و غل کے لباسوں میں ملبوس رہتے تھے اور سونے چاندی کے طوق و زنجیریں ان کے گلوں
 میں پڑی رہتی تھیں۔

اکبر ہاتھیوں، اور گھوڑوں، اور چیتوں کا بڑا ہی دلدان تھا جس ان کہیں ملے فوراً لے لیتا تھا
 شیر جیتے، بارہ نگے، ہرن، اور کبوتر وغیرہ وغیرہ ہزاروں جانور اس نے بڑے شوق سے پالے تھے۔
 جانور دن میں مست ہاتھیوں، شیروں اور ہاتھیوں، ارنے بھیسوں، گنبدوں اور ہرنوں
 کی لڑائی دیکھنے کا بڑا ہی شائق تھا با زبیری، جرے اور باشے بھی اس نے پال رکھے تھے ان کو بھی
 وہ اڑاتا تھا۔ اکثر جانوروں کے نام اس نے انکی کیفیت لڑائی و سیرت کے مطابق رکھے تھے۔

ان میں سے ہر قسم کے جانوروں کے لئے اس نے علیحدہ علیحدہ مکانات بنوائے تھے۔ چنانچہ
 فخر سیکری میں ان میں سے بعض کے آثار تک باقی ہیں۔ ان میں سے ایک اصطبل خانہ ہے جو
 بیربل کے محل کے قریب سنگین بنا ہوا ہے۔ اس میں شرقا و غربا تیس تیس دروازے دو دالان
 اور جنوباً، د والا ایک دالان بنا ہوا ہے۔ اور ہر درمیں دو گھوڑوں کے تھان کی جگہ ہے۔ صحن میں گھوڑوں
 کے پانی پینے کے لئے ایک پختہ و سنگین نالی اور ہر گھوڑے کے لئے گھاس کے واسطے دیوار میں کچھ
 بلندی پر ایک الماری بنی ہوئی ہے۔ اس میں خاصہ کے نایاب و بہترین گھوڑے ہر وقت موجود
 رہتے تھے۔ اسی سے ملا ہوا ایک شتر خانہ ہے جس میں خاصہ کے اونٹ رہتے تھے۔

نیز فخر جوری میں سکھتال (خوض ثیرین) کے سامنے نگر کی شرک کے شمالی جانب ایک
 نل خانہ بنوایا تھا۔ افسوس کہ یہ اب بالکل مہدم ہو گیا اور اس کے آثار میں سے اب صرف

چند ستون باقی ہیں۔

اکبر کو کبوترون کا بھی کچھ کم شوق نہ تھا چنانچہ اس نے اُن کے لئے ایک علیحدہ کبوتر خانہ بنوایا تھا جس میں انواع و اقسام کے کبوتر دور دور سے منگوا کر رکھے تھے عبداللہ خان اُذبک والی توران کو لکھکر اکبر نے وہاں سے گرہ باز کبوتر منگوائے تھے۔ اس کبوتر خانہ کے آثار فنجوری میں ہتیا پول اور سنگین جرج کے پُرس اب تک باقی ہیں۔

آئین اکبری میں جہان دیگر مختلف امور کے ضوابط و آئین کھٹے گئے ہیں وہاں کبوترون کے بھی ہیں۔ اور ابو الفضل نے انہیں ”آئین نشاط بازی“ کے عنوان سے لکھا ہے۔ تیر اکبر نامہ میں ابو الفضل نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے کہ ”ایک دن کبوتر اڑ رہے تھے اور بازیان کر رہے تھے اور اکبر انہیں بچو رہا تھا ایک خاصہ کے کبوتر پر ایک بھری گری۔ اکبر نے لٹکار کر آواز دی کہ خبردار! بھری بھینا مارتے مارتے ٹک کر پھٹ گئی اور پھرنے لگی۔“ رقعات ابو الفضل میں بھی ایک فرمان عبدالرحیم خانقاہ کے نام درج ہے جس میں شروع سے لیکر آخر تک کبوترون ہی کا تذکرہ ہے اور نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ایک کبوتر کا نام بنام حال لکھا ہے،

علامہ سید فیروز کے اکبران جانوروں سے اظہار و دبہ اور شان و شوکت کا بھی کام لیتا تھا۔ جب اسکی سواری نکلتی تو اس کے ساتھ ان میں سے اکثر جانور سونے چاندی کے زیور و ہون سے آراستہ اور قہر برق کپڑوں میں ملبوس نکالے جاتے تھے۔ دربار اکبری میں مولوی محمد حسین آزاد مرحوم نے اپنے مخصوص طرز بیان میں سواری کا حال خوب بیان کیا ہے :-

”اب دو لحائے سامنے عروس دولت کی بارات گذرتی ہے۔ نشان کا ہنسی آگے اس کے

لے آثار اکبری صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰ ایضاً صفحہ ۱۴۱ دیکھو آئین اکبری صفحہ اکبرنامہ

دیکھو ابو الفضل دفتر اول صفحہ ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱

بعد اور ہاتھوں کی قطار۔ پھر اسی مراتب اور اور نشانوں کے ہاتھی، بگلی، ہاتھوں پر فولادی پاکڑیں
 پیشا یوں پر ڈھالیں۔ بعض کی منکوں پر دیو زادی نقش و نگار۔ بعض کے چہروں پر گینڈوں،
 آرنے بھینسوں اور شیروں کی کھالیں کٹون سمیت چڑھی ہوئی۔ ہیبت ناک صورت دُر اونی
 صورت۔ سوئڈون میں گرز، برچیان، تواریں لے۔ ساندیون کا جن کے سو سو کوکچم سلسلہ گز، کھنچ
 سیلے تخی میسے نقابو تر، پھر گھوڑوں کی قطاریں عربی، ایرانی، ترکی ہندوستانی آراستہ پیراستہ
 ساز و یراق میں غرق۔ چالاک میں برق اچھلتے، پھٹتے، کھیلنے، کودتے شوخیاں کرتے چلے جاتے
 تھے۔ پھر شیریں گاہیے گینڈے بہترے جنگل کے جانور سدھ سدھائے شایستہ۔ جلیوٹکے
 چمکڑوں پر نقش و نگار گل گلزار۔ آنکھوں پر زرد دوزی غلاف۔ وہ اور بیل کھمیری شاہین
 مغل وزر بفت کی جھولیوں آڑھے۔ سروں پر کھنیاں اور تاج۔ سنگ مصور وکی قلکاری
 سے قلم دان کا شمشیر پاؤں میں چھانچن گلے میں گھنگر وچم چم کرتے چلے جاتے تھے۔

پھر خاصے کے ہاتھی آتے ان کی زرق و برق کا عالم اندازاً آنکھوں کو چکا چوندی
 آتی تھی، موتی اور جواہر نکلے۔ زیور وں میں لدے پھندے قوی ہیکل سینوں پر سونسیکی
 صیکلین لگی سونے چاندی کی زنجیریں سوئڈون میں ہلاتے۔ جھومتے جھامتے خوشیاں
 مستیاں کرتے چلے جاتے تھے۔

اکبر خود اس قدر دلیر تھا کہ بسا اوقات جنگوں میں شیر کا تلوار سے مقابلہ کرتا تھا اور مست
 سرکش اور خونی ہاتھوں کو جن کے زیر کرنے سے سب عاجز آچکے تھے وہ اُن کی آن میں زیر کر لیا
 کرتا تھا چنانچہ جاگیر نے ترک میں لکھا ہے:

شجاعت و دلیری و دلاوری ایشان بنایتے بود کہ بر فیلان مست و سرکش سوار

ی فردند و بعضی فیلان خونی را کہ مادہ خود را نزد خود نمی گذاشتند با آنکہ ہر چند فیل بد خویش نہ تعرض
بمادہ فیل و فیل بان نیز رساند در حالتی کہ فیل بان و مادہ فیل را کشتہ باشد و او را نزد خود نگذازد و
قید اطاعت در می آوردند و بردہ یوارے یا درختی کہ برگزدان فیل ہماوت را کشتہ از قید اطاعت
آن بر آں می بود و از پہلوئے آن دیوار یا درخت می گذشتند تا بوقتیکہ بر طاعت ایزدی نمودن خود را
بر پشت اومی انداختند و مجدداً سوار شدن او را بقید ضبط آوردہ رام می نمودند مگر این معنی
مشابہ شد.

غرضیکہ اکبر کو حیوانات کا بے انتہا شوق تھا اور اس نے ہر قسم کے جانور چرند پرند وغیرہ جمع کئے
تھے جبکہ مفصل حال ابوالفضل نے آئین اکبری میں ایک عمدہ باب کے تحت میں درج کر دیا ہے جسے
ہم خوف طوائف اور قوت گنجائش کی وجہ سے یہاں نقل نہیں کر سکتے ناظرین کتاب مذکور میں ملاحظہ
فرما سکتے ہیں۔

جہاں تک جی بی بیغوائے "الولد سرلابیہ" حیوانات کا کچھ کم شوقین نہ تھا لیکن اسکا میلان
زیادہ تر نادر و عجیب مخلقت جانور دن کے جمع کرنے کی جانب تھا اس لئے اسکا جانور خانہ حقیقت
میں ایک عجائب خانہ تھا اگرچہ مورخین نے اپنی کتابوں میں اس کے اس شوق کے متعلق اس
تفصیل کے ساتھ حالات کو یکجا جمع نہیں کیا ہے جیسا کہ اکبر کے متعلق مگر تاہم اس کے متعلق بہن جستہ جستہ
حالات خود جہانگیری کی زبانی ترک جہانگیری میں ملتے ہیں۔

جہانگیر کو مضمون "دجوندہ یا بندہ" جانور بھی ایسے مل جاتے تھے جو بالکل عجیب و نادر اور
غیر معمولی خلقت کے ہوتے تھے چنانچہ سٹہ جوس میں راجہ نرسنگ دیو نے ایک سفید چیتا پیش
کیا تا جس کے متعلق وہ لکھتا ہے:-

لے عزک جہانگیری مطبوعہ نوکشور صفحہ ۱

”راجہ رنگ دیویوز سفیدے آور وہ گڈ رائیڈ اگرچہ دیگر انواع حیوانات پرندہ و چرندہ

جنس سفید کہ ان راطو فیان گوئید پیلای شود فانیوز سفید دیدہ نہ شدہ بود۔

نیراس کے علاوہ اس کے چڑیا خانہ میں شاہین۔ باشہ۔ شکر۔ کنجشک۔ کوا۔ میٹیر۔ پودنہ۔

طاؤس اور باز بھی خلاف معمول سفید رنگت کے موجود تھے۔

اس کے جانور خانہ میں ایک عجیب و غریب بکرا تھا جو ایک چائے کے پیالہ کی مقدار کے بکرا

ہر روز دو دم دیتا تھا جہاں گیر اسے اس طرح بیان کرتا ہے:

”یکے از بزبانان کہ قبیلہ مقرر اند برخصی نظر گڈ رائیڈ کہ بطریق بزادہ پستان داشت و مقدار

یک پیالہ قبوہ خوری ہر روز شیری داؤ۔

اسے قریباً طوطی کے برابر وزیر آباد سے ایک ایسا پرندہ ملا تھا جس کے عجیب و غریب خواص تھے

مثلاً وہ پانی مطلق نہیں پیتا تھا کیونکہ پانی اس کے حق میں زہر قاتل کا کام کرتا تھا۔ اور وہ رات بھر

دخست کی شلخ سے الٹاٹک کر چھانار ہتا تھا اور صبح سیدھا ہو کر بیٹھ جاتا تھا۔

اس کے فیل خانہ میں ایک سبب بندہ تھی تھا جسکو اکبر نے پکڑ دیا تھا اس ہاتھی کا نام کجراج

تھا۔ جہاں گیر نے اسکا قد سات گز شرعی اور آٹھ انگل بتلایا ہے (ایک گز شرعی ۲۴ انگل کا ہوتا تھا)

اگرچہ اکبر کو بہ نسبت جہاں گیر کے جانوروں کا شوق زیادہ تھا اور اس نے کثرت سے نزاد

مادہ جانور اس تمنائیں جمع بھی کئے کہ اس کے جانور خانہ ہی میں وہ بچے جنین لیکن باوجود اسکی اس

کوشش و تمنائے شیرینی نے اور حتمی نے کبھی بچے نہ دئے مگر جہاں گیر کے زمانہ میں شیرینی اور تہنی دونوں

نے بچے دئے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

۱۵۷۷ء تزک جہاں گیری مطبوعہ نوکلشور نمبر ۶۔ ۱۵۷۸ء تزک جہاں گیری نمبر ۱۵۷۹ء

۱۵۷۹ء تزک جہاں گیری نمبر ۱۵۸۰ء ۱۵۸۱ء تزک جہاں گیری مطبوعہ نوکلشور نمبر ۱۵۸۲ء

.. مادہ شیر سے آہستہ شد و بعد از سہ ماہ سبب زائید و این ہرگز نہ شدہ کہ شیر کجلی بعد از گرفتاری بہنت خود جج شدہ باشد

حقنی کی نسبت لکھتا ہے:

شب یکشنبہ مادہ فیلہ از فیل خانہ خاصہ در حضور من زائید۔ مکرر فرمودہ بودم کہ تحقیق بہت
عمل نمایند آخر لا محظاہر شد کہ بچہ مادہ یک سال و شش ماہ و بچہ نوزد ۵ ماہ و دہ شکم مادی ماند
نجات تولد آدمی کہ اکثر بچہ از شکم مادہ بہ سر فرومی آئند بچہ فیل اکثر از پابری آید

یہ تمام شیر دہائی وغیرہ اکثر تربیت یافتہ اور سدھائے ہوئے تھے اور اس طرح سے مانوس طبع
کرنے لگے تھے کہ آدمیوں میں چھٹے پھرتے تھے لیکن کسی کو مضرت نہیں پہنچاتے تھے چنانچہ جاکگیر لکھتا ہے:
.. شیران بہ نوسے رام گشتہ اند کہ بے قید و بے زنجیر گلا گلہ در میان مردم میگردد و ضرر

ایشان بہ مردم نمی رسد

اس کے چیتہ خانہ میں ایک ایسا شیر بھی تھا جو بالکل خلاف امید ایک بکری سے اس قدر
مانوس تھا کہ بلا اس کے بسر نہیں کر سکتا تھا چنانچہ وہ دونوں اس لئے ایک ہی خیرہ میں بند کئے جاتے
تھے جہاں گیرنے اس کے متعلق بیان کیا ہے کہ:

.. بانبر الفت گرفتہ دیک نفس می باشد و بان بر نہایت الفت و محبت ظاہری سازد۔

و بہ دستورے کہ حیوانات جنت می شود ہزارہا در آغوش گرفتہ حرکت می کند حکم کردند کہ ان
ہزار مفعی داشتند فریاد و اضطراب بسیار ظاہری ساخت

نیز ایک بکری تھی جو ایک لنگور سے مانوس تھی حتیٰ کہ اگر وہ اس سے جدا کیا جاتا تھا تو وہ بکری
اسکی جدائی کی وجہ سے نہایت درد کے ساتھ جلاتی تھی علیٰ ہذا ہی حال اس لنگور کا بھی ہو جاتا تھا،

لہٰذا ترک جہاں گیری مطلوبہ نو لکشتہ مفعولہ ۱۵ ایضا مفعولہ ۱۲ ایضا مفعولہ ۲۰ ایضا ایضا مفعولہ ۲۲

غریبیکہ چاہیے کہ حیوانات کے پالنے کا کامل شوق تھا چنانچہ جب کوئی اسکو سلطنت کے امراء و رؤساء میں سے اس قسم کی کوئی چیز پیش کرتا تو وہ اس سے بہت خوش ہوتا تھا ساتھ ہی اسکے وہ اپنے اس شوق کے پورا کرنے میں بے دین روپیہ بھی صرف کرتا تھا چنانچہ مقرب خان کو بند کھبیاں میں بچا تو ناکید کیا کہ:

”ہر نقائے کہ در آن جا بدست آید جنت سرکار غامضہ رفیعہ خیراری نمایاں حسب حکم باستعداد
تمام کمبود رفت و مدتی در آنجا بود نغایے کہ در آن بندر بدست افتاد اصلا روئے زرتندید ہر
قیمت کہ ز گنجیان خواستند زردا وہ گرفت یلہ

زمانہ کا ابتدا سے یہ دستور رہا ہے کہ حاکم وقت کا حیطہ رجحان و میلان ہوتا ہے، جن چیز و نگاہ شوق کرتا ہے تمام امراء و رؤساء اور رعایا بھی اسی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور سبھی چیز و نگاہ شوق کرنے لگتے ہیں عربی کی مشہور مثال انسان علی دین طوکھو کے یہی معنی ہیں چنانچہ اس زمانہ میں بھی تمام امراء و رؤساء و حکام اسی قسم کا شوق رکھتے تھے۔

لیکن آج جبکہ زمانہ کے انقلابات سے سلطنت مغلیہ اس طرح سے مٹ چکی ہے کہ اس کے حالات و احوال دریافت کرنے کیسے بجائے اسکے کہ ہم اس کے شاہی خاندان کی کچھ کچھ نسل سے سنیہ سنیہ آئیوالی روایات سنتے ہیں کتابوں، پرانی عمارتوں اور کھنڈروں کی جانب متوجہ ہونا پڑتا ہے جنکی باں حال انکے بانیوں کی عظمت و بزرگی کی شہادت دے رہی ہے، اس ٹھکانہ لاکھ پلے میل کی سطح پر اب بھی شاذ و نادر بعض ایسے مناظر موجود ہیں کہ جو باوجود بادغزان کے پے در پے آنیوالے طوفان کے کسی نہ کس طرح اب تک پہنچے ہوئے ہیں۔ لکھنؤ کا پٹیا گھر اب بھی بہن مرحوم و اعلیٰ شاہ اور زمرت و اعلیٰ شاہ بلکہ عہد مغلیہ کے صوبہ داروں کے شوق و خفت کی یاد دلارہا ہے چلیوڑ کا عجائب گھر اب بھی ہمارے دلوں میں مغلیہ خاندان شاہی کے اس فیضان محبت کی یاد تازہ کر رہا ہے جس نے وایان چلیوڑ میں اسکے قائم کرنے کا شوق پیدا کیا،

تَلْخِیصُ تَبْکِیْہ

پید وایونورسٹی اور ہندوستان

سال ہی میں انہی کی قدیم ترین جامعہ پید وولنے ۱۴۱۱ء سے، آجک اپنی ساتویں صدی کی بری منائی، اس موقع پر ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں اور مشرقی انجمنوں کو دعوت دی گئی تھی، یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اطالوی و ہندوستانی یونیورسٹیاں ایک دوسرے سے قریب تر ہوتی جاتی ہیں۔ ہندوستان کے نام رقعہ دعوت سنسکرت میں تھا، کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سراسوتوش مکرجی نے اس دعوت کی اہمیت اور اس کی بین الاقوامی خصوصیت دیکھ کر اپنی یونیورسٹی کے تین فرزندوں کو اپنی مادر علمی کی نمائندگی کے لئے نامزد کیا، تاکہ وہ پید واکلی علی و تانہ جی مجلس میں، جس میں تقریباً چالیس ملکوں کی علمی مجالس کے نمائندے موجود تھے شریک ہوں، یہ تین بزرگ ڈاکٹر ڈی۔ این ملک، ڈاکٹر پچتندرن و تانہ گھوش پروفیسر طبیعیات اور پروفیسر سنتی کمار چٹرجی، پروفیسر اسٹہندیتھے، یہ تینوں بزرگ لندن، برلن اور پیرس میں موجود تھے اور انہوں نے دنیا کی سب سے تطہیر مجلس میں کلکتہ یونیورسٹی اور ہندوستان کی نمائندگی کی۔

اگرچہ تمام کام سہمی تھے، لیکن یہ بات قابل غلط ہے کہ یورپ کی ایک قدیم ترین یونیورسٹی نے دنیائے علم میں، ہندوستان کو بھی مساویانہ درجہ کے قابل سمجھا ہے۔ خاص رسوم جن میں خود شہنشاہ انہی شریک تھے، اسی کو ادا کیا، لیکن، نمائندوں میں منتخب لوگوں کو پید واکو مبارکباد پیش کرنے کا موقع دیا گیا تھا، ان کے لئے مختلف جامعین دنیا کی گئی تھیں اور ہر جماعت میں کئی کئی ملک شامل تھے

اور ہر مقرر ان تمام ملکوں کی نمائندگی کرتا تھا، (۱) ایشیا (ہندوستان و چین) (۲) لاطینی اقوام (فرانس، طہیم، سپین، پرتگال، رومانیہ اور جنوبی امریکہ کی ریاستیں)، (۳) شمالی و مشرقی یورپ کی اقوام (ہالینڈ، ڈنمارک، ناروے، سویڈن، فنلینڈ، استونی، لیتھونیا، لیتھونیا اور ہنگری) (۴) حکومت برطانیہ کی انگریزی بولنے والی اقوام (انگلستان، اسکاتلینڈ، ولس، کناڈہ، اسٹریلیا، نیوزیلینڈ اور جنوبی افریقہ)، (۵) جرمنی، (۶) ریاستہائے متحدہ امریکہ، (۷) سلوویک اقوام (رومانیہ) پولینڈ، زکیو سلاویک، بوگو سلاویک اور بلغاریہ (۸) جامعہائے اطالیہ،

ہر مقرر کو اپنی زبان میں تقریر کرنی پڑتی تھی اور اس مجلس کی بین الاقوامی خصوصیت کے شایان شان یہ بھی تھا، مقرروں کی ترتیب قرعہ کے ذریعے طے کی گئی اس میں سب سے پہلے ایشیا پڑا، اور ہندوستان کو ایشیا کی نمائندگی کا فخر عطا کیا گیا، چنانچہ اولین مقرر ملک تھائیونورسٹی کا نمائندہ تھا، مناسب موقع ایک اڈریس تیار کیا گیا تھا اس میں پیڈاکو مبارکباد دینے کے علاوہ یہ بتایا گیا تھا کہ ہندوستان کی یونیورسٹیاں جہاں ملک کے قدیم ذوق و شوق علم کی ظہر ہیں، وہیں انکا یہ بھی خیال ہے کہ موجودہ سائنس اور جدید تعلیم کو بھی اپنے یہاں روشناس کر کے اپنی نمائندگی کے ذریعہ اس کی طرح پھر طالبان علم کو اپنی طرف متوجہ کریں اڈریس انپنڈنکی شہور دعا کے الفاظ ”سہانواد اتو دوہ کے الفاظ پر ختم ہوتا ہے، اس کے ثنا اس بات کی بھی امید ظاہر کی گئی تھی کہ مشرق و مغرب کی یونیورسٹیوں کے نمائندوں کے اس اجتماع سے جو علم کی زیارت گاہ کے مساوی زائرین، دنیائے علم و حکمت میں بہت کچھ مفید نتائج پیدا ہونگے کیونکہ یہی وہ ملک ہے جس کے حدود مقررین اور حقیقی معنوں میں بین الاقوامی کی بنیاد قائم کرتی ہے۔

نمائندوں کا خیال تھا کہ ہندوستانی اڈریس سنسکرت یا ہندوستانی میں ہونا چاہئے لیکن

جب یونیورسٹی کا رقعہ دعوت سنسکرت میں ملا تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا اور پروفیسر پرپرام سنسکرت دے دیا۔ جو فرگن کالج پونا کے پروفیسر سنسکرت اور کلکتہ یونیورسٹی کے پالی زبان میں ایم اے ہیں اور اندون پر پروفیسر ویلا ویلی فونسن کے ساتھ بدھ ہی فلسفہ کے مطالعہ میں مشغول ہیں، اڈریس کو سنسکرت کا جامہ پہنایا۔ یہ اڈریس دیوناگری خط میں لکھا گیا اور تمام نمائندوں سے پہلے پروفیسر چٹرجی نے، ہندوستانی یونیورسٹیوں کی طرف سے اسے پڑھا۔ لاطینی، فرانسیسی، اطالوی، انگریزی اور جرمن زبانوں میں تقریریں ہوئیں اور سنسکرت کی شمولیت نے ایک خاص اثر پیدا کر دیا۔

مختلف یونیورسٹیوں کے نمائندوں نے ہندوستان کے متعلق بہت کچھ دلچسپی کا اظہار کیا اور طلبہ تو بہت ہی یادگوار دیدہ نظر آئے، وہ ڈاکٹر ٹیگور کے بڑے ملاح ہیں، طلبائے یورپ کے دلوں میں جگہ پانے کے لئے ٹیگور کا نام پاس پورٹ (پروانہ زاہداری) ہے، تمام لوگوں نے اس علمی مجلس میں تین ہندوستانی پروفیسروں کی شرکت کو بڑی خوشی سے دیکھا، ڈاکٹر ملک، گھوش اور چٹرجی کو پروفیسروں اور طالب علموں سے ہندوستان کی علمی سیداری اور موجودہ علمی مجالس کے کارناموں پر گفتگو کر سیکا موقع ملا، اکثر طلبائے بہت کچھ سرگرمی کا اظہار کیا اور ان پروفیسروں کو ان طلبہ کے لئے سینکڑوں مرتبہ دیوناگری یا رومن میں ہندی حروف تہجی لکھنے پڑے، بکا خیر مقدم نہایت پر جوش تھا، پیڈوا کے ایساتندہ، طلبا اور باشندوں نے جوانی یونیورسٹی کی قیادت کو فخرانہ نظر سے دیکھتے ہیں خوب دل کو لکڑا اس میں شریک ہوئے، یونیورسٹی کے کٹر ڈاکٹر لوئیس جو اس مجلس جن کے سکریٹری بھی تھے اور پروفیسر بلینی (پیڈوا کے استاد سنسکرت) مجسم اخلاق و سربا تواضع تھے، پروفیسر بلینی علم ہندیات کے ماہر کامل ہیں اور ہندوستانی تمدن کی تمام خوبیوں کے معترف ہیں، بعض نمایندوں کو پیڈوا یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹریٹ کا اعزاز بھی دیا گیا اور ہندوستان کے نمائندہ کی حیثیت سے ڈاکٹر ٹی۔ این گھوش کو سب سے زیادہ

ہندوستان میں ایسے لوگ بہت کم ہیں، جو اس بات سے واقف ہوں کہ اہل اطالیہ کے لئے ہندوستان میں کس قدر کش ہے، مشہور مشرق گویشو کے وقت سے جس نے گزشتہ صدی کے نصف آخر میں، رمان کو اطالوی زبان کا جامہ پہنا کر پیش کیا ڈاکٹر ٹیسی ٹوری کے وقت تک، جنگی بے وقت، موت نے ہم سے الٹے ہندو ہندیات کا بہترین ماہر چھین لیا، اٹلی میں جو یورپ کا ہندوستان ہے کتنے ہی طالبان ہند پیدا ہوئے ہیں، جبرنی کے علاوہ مینی جگہ اٹلی میں سنسکرت کی تعلیم ہے شاید ہی کسی دوسرے حصہ یورپ میں ہو، پروفیسر لٹانی (پیڈوا) پروفیسر لٹانی (پیسا) پروفیسر سولی (فلورنس) ڈاکٹر ویلوری اور ڈاکٹر ٹوسی وہ چند اہل علم ہیں جو جامعہ روم کے سنسکرت کے ماہر ڈاکٹر کلاوفا امبشی کے زیر ہدایت تعلیم پا کر علم ہندیات کے مطالعہ و تحقیقات میں مشغول ہیں، ڈاکٹر کارلونی نے جنہوں نے اپنے کو ہندوستان کی ادبیات اور وہاں کی سائنس کے لئے وقت کر دیا ہے، ۱۹۲۲ء میں رومن کا ڈی کے علم الاہنہ کی اعلیٰ ترین اعزاز ڈی ڈگری حاصل کی ہے، ایس ہاری یونیورسٹیوں اور علمی مجالس کے لئے یہ بہت آسان ہے کہ وہ اس اتحاد مذاق کی بنا پر اطالیہ سے علمی ارتباط و اتفاق پیدا کر لیں یہ اس مشہور قدیم اطالوی یونیورسٹی کی وہ روداد قومی جو ماڈرن ریلوئے شائع کی ہے یہں روداد کا ایک ایک حرف سلسلہ نون کے لئے درس عبرت ہے، یہ وہ یونیورسٹی ہے، جہاں سب سے پہلے اسلامی فلسفہ کا خیر مقدم ہوا تھا، ابن رشد کے فلسفہ کی تعلیم کا یورپ میں یہ واحد مرکز تھا، اور ابن رشدی ہونا میان کے اساتذہ کا فخر تھا، ان خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر ہم مذہبیاں ابن رشد کیلئے آج یہ کس قدر حسرت و افسوس کا باعث ہے کہ آج یہ یونیورسٹی کے شرکار اور مدعوین کی فہرست میں ان کا ایک فرد بھی شریک نہ تھا، اور ایشیا کے مشہور اسلامی ملکوں کا کوئی نمائندہ نظر نہیں آتا،

فَلَيْتَ الْاَيَّامَ نَدَاؤُكُمْ بَيْنَ النَّاسِ.

قدیم تاریخ ہند کے دو مسئلے

ہندوستان کی تاریخ قدیم کے دو مسئلوں میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے اور اب تک ان کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں ہو سکی ہے۔

ایک تو آریوں کی آمد کے متعلق ہے کہ انھوں نے شمال مغربی حدود کو فتح کرنے کے بعد کس طرف پہلے رخ کیا، بعض کا خیال ہے کہ وہ پانچ یا سات دریاؤں والی زمین جو اب پنجاب کے نام سے موسوم ہے، میں آباد ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ انھیں وہ وسط ہند میں آکر رہی،

دوسرا مسئلہ رگ وید کے متعلق ہے بعض کا خیال ہے کہ یہ مناجاتیں ہندوستان میں آنے کے بعد عالم وجود میں آئیں، اور بعض کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان آنے کے پہلے ہی اسکا انکشاف مرتب ہو چکا تھا اور آریں اسکو اپنے ساتھ لائے تھے۔

لیکن اب مسٹر گرگنیر (Mr. G. G. Gignier) نے ان دونوں مسئلوں کے متعلق نئے نظریے (Hypothesis) پیش کیے ہیں، مسٹر گرگنیر ایک شہرست شرق اور عہد پران کے ستند

عالم ہیں، ۱۹۱۵ء میں انھوں نے پران سے یہ ثابت کیا تھا کہ رگ وید میں جس چند ریشمی جاندار کا ذکر ہے وہ پریاگ (الاداد) میں رہتا تھا، حالانکہ دوسرے ذرائع اسکی تردید کرتے ہیں، مہیشی (مہیشی)

ایشیاک سوسائٹی جرنل میں اس کے متعلق ایک تردیدی مضمون بھی نکلا تھا۔
تاریخ ہند کے شائقین کے لئے ان دونوں نظریوں کی تفصیل چھپی سے عالی نہوگی

مشرکپٹرنے اپنی مفصل تاریخ ہند قدیم میں دونوں عام راولوں سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ آریں جو دراصل ایل (دھند) ہیں، تقریباً مشرق میں کوہ ہمالیہ کے وسطی راستوں سے ہندوستان آئے، اور پرباگ (ادب آباد) میں متوطن ہوئے۔ یہاں سے نکل کر انھوں نے جنوب مغربی مغربی اور شمالی حصوں کو فتح کیا اور وہاں رہ گئے، چنانچہ ہمارا جہ کجی کے عہد تک یہ مفتوحہ ممالک مدھیادیش (وسط ہند) آریہ ورت (آریوں کا ملک) کے نام سے مشہور ہو چکے تھے۔

مشرصوص کی یہ بھی رائے ہے کہ ہند قدیم کے متعلق جس قدر کتابیں موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی جنوب مغربی سرحد کی زمین کو قدیم ترین اہمیت دیتی ہے اور نہ اس کے تقدس کی مظہر ہیں، البتہ کیلاش اور کدآر کے مقامات ایسے ہیں جنکو ابتداء سے مقدس سمجھا جاتا ہے اور یہی دو جگہیں ایسی ہیں جو ہندوستان کی عام سرحد سے پرے ہیں۔ یہ ایلوں کے مقدس مولد ہیں اور ہمالیہ کے کوہستانی حصہ میں واقع ہیں۔ یہی وہ جگہیں ہیں جہاں رشی اور راجہ زیارت کے لئے آتے تھے۔ انھوں نے کبھی اس خیال سے (یعنی زیارت کے خیال سے) جنوب مغربی حصہ تک کا رخ نہیں کیا۔ مشرصوص اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں چند دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ویدی تصانیف میں کہیں بھی جنوب مغربی سمت سے آئینکا تذکرہ نہیں ہے۔

دوسرے مسئلہ کے متعلق ان کا خیال ہے کہ لوگ وید کے ریچاؤن (مناجاتوں) کو نہ تو آریوں نے تصنیف کیا اور نہ برہمنوں نے۔ وہ غیر آریں رشیوں اور راجاؤں کے نتائج افکار ہیں۔ کسی ایک نظم کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کو جنوب مغربی حصہ کے کسی شخص نے لکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نظمیں منوؤن اور ان کے رشیوں کی لکھی ہوئی ہیں۔

اس کے ماسوا ان کا تعلق تمام تر مذہب و نسل (وسط ہند) سے ہے اور پنجاب سے انکو
 کچھ بھی لگاؤ نہیں ہے اس کے بعد انھوں نے ریچاؤن کو نقل کر کے یہ دکھایا ہے کہ وید وید
 آیین اور برہمنی مذہب سب کے سب غیر آریہ اقوام کے اثرات کے نتائج ہیں، ان کو
 ایلون یا ان کے تمدن سے کسی قسم کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

قوت حافظہ کی ایک حیرت انگیز مثال

بنگال علمی حیثیت سے موجودہ ہندوستان کا سب سے زیادہ مردم خیز خطہ ہے، راجہ رام موہن بکس
 ڈاکٹر بوس ہی نہ دے، پور ڈاکٹر ریا، ڈاکٹر لاش پھاری گھوش، سراسو توش کجری اور لالہ سنہا سی خط کی خاک پر لکھا
 ان میں کوئی فلسفہ کا استاد ہے، کوئی ریاضیات کا، کسی کے ہاتھ میں سررشتہ قانون ہر دوسرا بنگالی
 سیاست کا مرد میدان، کوئی کیمیا کا ماہر ہے، کوئی طبیب کا عالم، ایک کشورادب کا مکران ہے
 تو دوسرا قلم سخن کا تاجدار، الغرض اس وقت ہندوستان کا کوئی صوبہ بنگال کا حریف نہیں، حال
 میں ہلکواس قوم کے ایک فرد کا ہمیشہ چندربوس کی مافوق الفطرت قوت دماغی کا علم ہوا ہے
 جو حساب و اعداد کے بڑے بڑے مسائل کو زبانی لحون میں حل کر دیتا ہے، وہ بلا کسی خارجی شے کی
 مدد کے بڑی بڑی تعداد دن کو ذہن ہی میں فوراً ضرب دے لیتا ہے اس قوت حافظہ کی مثالیں
 شاید دنیا کے معدودہ چند ہی افراد پیش کر سکیں،

لج کل بابو ہمیش چندربوس اپنے چند احباب کے اصرار پر لندن گئے ہوئے ہیں، چنانچہ خود
 وہاں کے اخبارات کو انکی آمد کا علم ہوا، انھوں نے ان سے ملاقاتیں کیں اور انکا امتحان لینا شروع
 کیا، اس ضمن میں انگلستان کے مشہور اخبار ایوننگ نیوز (EVENING NEWS) کا نمائندہ

جی ان سے ملنے گیا اور ان کی حیرت انگیز قوت حافظہ کا امتحان لیا، نامہ نگار مذکور لکھتا ہے، کہ بوس کے کمالیت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ساٹھ عدد کو ساٹھ عدد سے زبانی ضرب دے سکتے ہیں، اخبار مذکور کے نمائندہ نے سب سے پہلے دریافت کیا کہ کیا آپ (۶۲۲۴) کو (۲۷۵) سے ضرب دیں گے؟ انھوں نے چند سکند تک غور کیا، ان کے ہون کو خنثی ہوئی الیکٹریٹ سے کم عرصہ میں نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ (۲۳۲۷۷۵۰)۔

بعد ازاں نمائندہ نے اربعہ قلمبہ کا ایک سوال پیش کیا چند لمحوں میں اسی متانت کے ساتھ اسکا بھی جواب مل گیا۔

نمائندہ نے دریافت کیا کہ ۸۷۵۰۱۲۲۵۰۹۱ کا کعب کیا ہوگا؟
بوس نے سوال کو اس طرح سنا جسے کوئی ان سے انکی عمر دریافت کر رہا ہے اور فوراً اس کا صحیح جواب دے دیا۔

نمائندہ نے پھر پوچھا کیا آپ (۳۶۹۵۴۲۲۷) کو (۹۸۲۷۷۵) سے ضرب دے سکتے ہیں؟
مشروبس اس ضرب کو دماغ میں حل کر رہے تھے اور نمائندہ اپنے ایک رفیق سے زور زور سے باتیں کر رہا تھا، اس گفتگو میں خود بوس بابو بھی چند مرتبہ شریک ہوئے اور ان کی شرکت سے ذرا برابر بھی اس بات کا پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس سے ان کے عمل حساب میں کچھ خلل واقع ہوا، اور وہ پھر نہایت اطمینان سے اپنے عمل دماغی میں مشغول ہو جاتے تھے، تقریباً دو منٹ میں جس میں گفتگو کا وقت شامل نہیں ہے انھوں نے جواب دیا، ۳۶۹۵۴۲۲۷۷۵۰۹۱۲۲۵۰۹۱، نمائندہ نے متحیر ہو کر پوچھا کہ آپ کس طرح شریک گفتگو بھی ہوئے اور حساب کے اعداد بھی آپ کے دماغ میں محفوظ رہے، تو انھوں نے جواب دیا کہ میں ہر عدد کو اسکی جگہ میں اس طرح سے دیکھتا ہوں کہ گویا وہ تختہ پر میرے سامنے لکھا ہوا ہے،

مشروبس کا قول ہے کہ ضرب شکل ترین شے ہے، اور تقسیم، کسور، مربع وغیرہ آسان

ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ وہ یہ بھی زبانی بتا سکتے ہیں کہ کسی تاریخ کس دن پڑی تھی یا پڑی، چنانچہ لکھتے اور لکھنے کی تاریخوں کے متعلق جواب دینے کے بعد انھوں نے ذیل کے جوابات بھی دئے :

۴ جنوری ۱۹۸۷ء چہار شعبہ کو،

۴ جنوری ۱۹۸۷ء پینچ شعبہ کو،

ہر شخص پر اپنی جہتیوں سے ان جوابات کی تصدیق کر سکتا ہے،

ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان کو وہ تمام اعداد و یاد ہیں جو انھوں نے ۱۲ ماہ کے اندر صرف لکھیں گئے گذشتہ چار سال سے بوس ایک فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں، ان کے احباب کا بیان ہے کہ وہ ہفتہ میں صرف پانچ مرتبہ کھاتے ہیں، ان کی خدائا مترباتی ہے اور اس کو وہ خود پکاتے ہیں، اس سے اگرچہ وہ جہاں کمزور ہو گئے ہیں، لیکن انکا دماغ صاف رہتا ہے، (مدلیٹ)

معززلہ کی تفسیر

اسلام کے فرقہ معززلہ نے عقل و نقل اور فلسفہ شریعت کی تطبیق میں جو بڑی بڑی تفسیریں لکھی ہیں، انھوں نے کہہ سب دنیا سے ناپید ہیں، ان میں بہترین تفسیر ابو مسلم افغانی کی تھی، یہ کتاب بھی اب ناپید ہے، مگر اسکا جتنا حصہ غزوہ اہل سنت کے نزدیک قابل قبول تھا امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں اس کو درج کر دیا تھا، مولوی سید صاحب انصاری نے دارالمحققین کی طرف سے نہایت محنت و باقتضائی کے ساتھ تفسیر کبیر سے تفسیر افغانی کے وہ تمام حصے یکجا کئے ہیں، اور وہ خوبصورت نمائش میں چمکرتا ہے، ہوئے ہیں، مصر، لندن اور فرانس میں اس کتاب نے وقت حاصل کی ہے، قیمت عنار نمبر

اخترِ عجمیہ

یوہیامین کیوٹیر گلاس ٹیکری کے نام سے شیشہ سازی کا ایک کارخانہ ایک صدی سے زائد عرصہ سے قائم ہے۔ اس کے موجودہ منیجر ڈاکٹر ہورک نے ایک عجیب قسم کا شیشہ بنایا ہے، جو نہایت سخت و مضبوط ہے۔ اب تک شیشہ اپنی نزاکت کے لئے ضرباً مثل رہا ہے، مگر یہ شیشہ اس قدر مضبوط ہے، کہ اس کا گلاس بنا کر اس کے اندر لکڑی بھر دی گئی، اور اسے دھکتی ہوئی آگ کے چوٹے پر رکھ دیا گیا، آگ اس قدر تیز تھی کہ گلاس کے اندر لکڑی جل کر کوئلہ ہو گئی، لیکن گلاس جون کا توں محفوظ رہا۔ اسی گلاس کو زمین کے پختہ فرش پر زور سے پٹکا گیا، پھر بھی کوئی گزند نہیں پہنچا۔ (انڈین ریویو)

برطانیہ میں عورتوں کی اتنی کثیر تعداد نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی ہے، کہ حکام کو سخت اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ کہ اتنی لیڈی ڈاکٹروں کے لئے گجاش کیونکر نکل سکیگی۔ ۱۹۱۵ء سے اب تک دس ہزار طالب علم داخل ہو چکے ہیں، اور ان میں تعداد غالب عورتوں ہی کی ہر اس وقت اندازہ کیا گیا ہے، کہ تقریباً دو ہزار خواتین خانگی مطب (پرائیوٹ پریکٹس) کر رہی ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں مرد طلبہ جو ڈاکٹری کے مدرسوں میں داخل ہوئے، انکی تعداد کل ۲۲۸۲ تھی، برعکاس اس کے عورتوں کی تعداد ۶۶۶ تھی! (انڈین ریویو)

مغربی ساحلِ افریقہ کے علاقہ میں عرصہ سے ایک خطرناک مرض، مرضِ انوم کے نام سے پھیل رہا تھا۔ شروع شروع میں کوکابی و اضمحلال محسوس ہوتا، اور نیند زیادہ آنے لگتی، یہاں تک کہ کچھ روز کے بعد سوتے سوتے ختم ہو جاتا۔ حال میں ڈاکٹر ڈیل نے ریل انٹینیوٹن (ریل)

کے سامنے ایک لکچر میں بیان کیا، کہ جرمنی کے مشہور کھیاوی کارخانہ موسوم بہ آرنے اسکا ایک قطعی
دکھی علاج دریافت کر لیا ہے۔
(انڈین ریویو)

جاپان سے خبر آئی ہے، کہ وہاں کے لوگوں نے ایک درخت کی اندرونی جھال سے چربا بنا کر
کیا ہے۔ یہ چرم بناتا ہے جو انی سے مضبوطی میں کم نہیں۔
(ماڈرن ریویو)

کاغذ جس قدر مضبوط ہوتا ہے، اور قبضہ وزن سنبھال سکتا ہے، اسکا ایک حیرت انگیز تجربہ
ابھی حال میں یہ کیا گیا، کہ ایک لکڑی کے ڈھانچہ کو کاغذ کے ایک بڑے تختہ کے ذریعہ سے چیت میں لٹکا
دیا گیا، اور اس لکڑی پر پانچ نوجوان عورتیں سوار ہو گئیں، جنکا مجموعی وزن مع لکڑی کے وزن
کے ۶۹ پونڈ (۱۱ من سے زائد) تھا۔ کاغذ کا تختہ یہ سارا وزن سنبھال لے گیا۔ (ایضاً)

جس طرح ہمارے ملک میں دیک اپنی بانی بناتی ہے، بعض ملکوں میں چیونٹوں کے
بھی گھر اسی طرح کے ہوتے ہیں یعنی مٹی کے چھوٹے چھوٹے تودے۔ لیکن جنوبی افریقہ خصوصاً راولڈ
کے علاقہ میں یہ بائیان اس قدر عظیم الشان ہوتی ہیں، کہ انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ بعض بائیان
کی لمبائی ۲۵ فٹ کی ہوتی ہے، اور بعض کی اس سے بھی زیادہ، جس مٹی کی یہ بنی ہوئی ہیں، وہ
بہت سخت اور شل اینٹ کے پختہ ہوتی ہے۔ طول و عرض بھی انکا بہت زائد ہوتا ہے، اور گنی
سال کی مدت میں تیار ہوتی ہیں۔ (ایضاً)

امریکی صوبہ ایونیس کے شہر پوریا میں ایک آہنگرنے ایک بڑی گھڑی (کلاک)

اسی ایجاد کی ہے جس کے سارے پرزہ، گمانیان وغیرہ ہرگز لکڑی کی ہے۔ اور مزید صنعت یہ کی ہے کہ یہ لکڑی علاوہ وقت بنانے کے تاریخ، ماہ، موسم، وغیرہ تقویمی اطلاعات بھی دیتی رہتی ہے۔ یہ لکڑی تین برس کی مدت میں تیار ہوتی ہے۔
(ناڈن ریویو)

ہوائی جہازوں کی ایک کمپنی اس وقت قائم ہو رہی ہے، جو انگلستان، ہندوستان، واسٹریلیا کے درمیان سلسلہ آمد و رفت رکھے گی۔ ہندوستان و انگلستان کے درمیان ہر دست ہفتہ میں دو بار جہازوں کی روانگی ہوگی، اور ہندوستان و واسٹریلیا کے درمیان ہفتہ میں ایک بار۔ اور آئندہ اس تعداد میں حسب ضرورت اضافہ ہوتا رہے گا۔ لندن سے بمبئی تک موجودہ بحری راستہ ڈاک کے جہاز کا ۱۰ دن کا ہے، ہوائی راستہ اس کا ایک ٹکڑا یعنی ۱۰ دن کا رہ جائیگا، انگلستان اور واسٹریلیا کا موجودہ راستہ چار اور پانچ ہفتے کے درمیان کا ہے، ہوائی راستہ ۱۰ دن کا رہ جائیگا۔

(ایضاً)

آج سے تیس سال پیشتر لارڈ کلران نے حساب لگا کر بتایا تھا، کہ کرہ ارض کو وجود میں لے ہوئے دو کروڑ سال سے زائد نہیں ہوئے۔ علماء ارضیات و حیوانیات اگرچہ اس مدت کو بہت ناگافی بتاتے رہے، تاہم طبعین کے نزدیک یہ تخمینہ کم و بیش صحیح تھا، اور اب تک وہ اسی کو ماننے پر مجبور ہیں۔ لیکن حال میں ریڈیم و یورینیم کے طریق کار کی بابت جو تجربات ہوئے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کرہ ارض کی عمر اس تخمینہ سے یقیناً بڑھ چکا ہے۔ چنانچہ اب قدیم ترین اجار کی عمر کا اندازہ ۹۲ کروڑ سال کا ہے۔ اور یہ مسلم ہے، کہ زمین کا قشر چٹانوں سے کمپن زائد قدیم ہے۔ اس کی عمر کا تخمینہ معلومات موجودہ کے لحاظ سے ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ سال سے کم کا نہیں ہوتا۔
(ایضاً)

گوشت خوری سے انسان کے قد و قامت میں اضافہ ہوتا ہے، اسکا تجربہ یون ہوا، کہ جاپانی سپاہیوں کی غذا میں جب گوشت داخل کر دیا گیا ہے، اسوقت سے ان کے طول و قامت کے اوسط میں بہ قدر دو انچ کے اضافہ ہو گیا ہے۔
(ماڈرن ریویو)

لندن کے طبی حلقوں میں یہ واقعہ بہت حیرت کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے کہ ایک وز ایک فوجی کپتان اندر بہ نامی ایک موٹر سائیکل پر جا رہے تھے کہ سائیکل ایک درخت سے ٹکرائی۔
ستھام بہت سخت تھا، لیکن کپتان صاحب سائیکل سے نیچے نہیں گرے، بلکہ اپنی جگہ پر ہوش بیٹھے ہوئے پائے گئے۔ اس وقت سے اب تک تین مہینہ ہو چکے ہیں، اور یہ ساری مدت یہ ہوشی میں گزاری ہے۔
کبھی کبھی صرف اتنا ہوش آجاتا ہے، کہ سوالات کے جواب میں ”ہاں“ ”نہیں“ کہہ دیتے ہیں۔ باقی
اور جتنی سے ہر وقت یہ ہوش رہتے ہیں۔ رقیق غذا خارجی ذرائع سے پہنچائی جاتی رہتی ہے۔ اتنی طویل
مدت کی یہوشی طبائک کے لئے حیرت انگیز ہے۔
(ڈبلیو سیل)

لندن کے ایک اسپتال میں ایک نوجوان مریض جارج کوئی نامی کا آپریشن (عمل خراجی) ہو رہا تھا، کہ اسکی
حرکت قلب رک گئی مصنوعی ذرائع سے تنفس جاری کیا گیا۔ اور قلب کی ماش کی گئی، یہاں تک کہ پچاس
منٹ کے بعد قلب میں از سر نو حرکت پیدا ہو گئی۔ لیکن بالآخر مریض زندہ نہ ہو سکا، اور ۴۴ گھنٹہ کے
بعد وفات پا گیا۔

لندن کا کارخانہ چائے، جسکی شہرت تمام دنیا میں ہے، پچھلے دو برسوں میں اسے تعداد ذیل
میں منافع ماسل رہے۔

منافع خالص	منافع تجارتی	
۱۹۲۰-۲۱	۲۲۸۰۱۸ پونڈ	۱۹۲۰-۲۱
۲۱۸۷۵۵ پونڈ		
۱۹۲۱-۲۲	۵۵۵۱۳۸	۱۹۲۱-۲۲
۲۱۱۷۱۰		
(ٹیلی میل)		

(۱۰)

یورپ میں جہاں اور ہر قسم کے مقابلہ ہوتے رہتے ہیں، اور ہر قسم کی "بازیوں" میں جتنے والے کو انعام ملتے رہتے ہیں، وہاں اسکا بھی مقابلہ شروع ہوا ہے، کہ دنیا میں دائمی سب سے بڑی کسکی ہو اس امتحان میں سب سے اول برائین کا ایک ہشتہ سہلی جان نیز آیا ہے، جسکا برس ۸۴ سال کا ہے۔ اسکی دائمی کا طول پورے نو فٹ کا ہے، یہ شخص پچاس برس سے دائمی بڑھانے کی فکر میں لگا ہوا ہوا تھا، اور اسکا آرزو مند تھا، کہ دنیا میں سب سے بڑی اسکی دائمی نکلتے۔ دس برس ہوئے جب اسکی دائمی چھ فٹ تک پہنچ گئی تھی، پانچ برس ہوئے جب اسکا طول آٹھ فٹ کا تھا، اسوقت پورے نو فٹ کا ہے۔ نیز کی دلی تمنا یہ ہے کہ اسکی عمر اتنی وفا کرے، کہ دائمی کا طول پورے بارہ فٹ کا ہو (ٹیلی اکسپرس)

(۱۱)

یورپ کی جدت خود کشی کے بھی نئے نئے طریقہ ایجاد کر رہی ہے، خصوصاً فرانس کے دار الحکومت پیرس اور اس کے اطراف میں۔ کچھ روز ہوئے ایک خوشحال زمیندار صاحب نے جو بدھنی کی سلسل شہادت سے تنگ آگئے تھے، ایک دوکان پر جا کر ایک تشکیر مادہ خرید کیا، اور اسے اپنے سر پر رکھ کر اوپر سے وہ ریشمی مہیٹ پہن لی، جو چالیس سال پیشتر شادی کے موقع پر استعمال کی تھی۔ اس کے بعد مہیٹ کے اوپر زور سے ایک ہتھوڑی ماری، بہت زور کا دہماکا ہوا، اور پڑوسیوں نے آکر دیکھا، زور سے پرچے اڑ چکے تھے۔ ایک نو عمر خاتون اپنے سنگیتر کی بیوفائی سے اس قدر دلگرفتہ ہوئیں، کہ ڈیرہ سویل کا سفر کر کے اسٹراسبرگ تک آئیں، اور یہاں کے کلیسا کے بندھنار سے

نیچے کو دکر جان دی۔ اسی طرح کے اور بیسیوں طریقہ خود کشی کے برابر ایجاد ہوتے رہتے ہیں۔

انگلستان دو ملین مین تعلیم پر آج سے آٹھ دس برس پیشتر متنازع ہوتا تھا، اور اب جس قدر خرچ ہوتا ہے، اسکا اندازہ اعداد ذیل سے ہو گا۔ البتہ یہ واضح رہے، کہ ان اعداد میں زرعی، حربی، بحری، اور بعض حرفتی مدارس کے مصارف شامل نہیں۔ ان کے ملانے سے یقیناً ان اعداد میں بہت کافی اضافہ ہو جائیگا:-

۱۸۶-۱۹۱۳	۲۲۲,۳۰۰ پونڈ
۱۹۱۸-۱۹	۳۰۲,۵۱۰
۱۹۲۱-۲۲	۶۵۹,۳۸۲

سویزر لینڈ میں کل ۲۲ ریاستیں شامل ہیں، جنکو کنٹینس کہتے ہیں، ان میں سے چار پرانے کینیڈین مین جمہوری فرقہ کے ممبر زمانہ قدیم سے اپنے ارکان اور حکام کا انتخاب کھلے میدان میں کھڑے ہو کر کرتے ہیں، چنانچہ یہ رسم اب تک چلی آتی ہے، سال میں ایک دفعہ تمام ممبر جا کر سال روٹا کے لئے ارکان منتخب کر لیتے ہیں، یہ انتخاب ہر سال کے اپریل کے آخری سنیچر یا سنی کے پہلے سنیچر میں کیا کرتے ہیں۔

ہندوستان کے حلقہ طب میں یہ خبر خوشی کے ساتھ سنی جاگی کہ بنگال و بہار میں ایک بوٹی ملی ہے جسکا لاطینی نام ٹوکس پید و کولارس رکھا گیا ہے، یہ بوٹی میرا بنجارا اور کالا آزار کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئی ہے اس کے استعمال سے خون طیرا کے جراثیم سے بہت جلد صاف ہو جاتا ہے، اس نئی دوا کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ یہ کونین کی طرح تلخ نہیں ہے، امید ہے کہ یہ دوا بہت جلد کونین کی جگہ لے لیگی۔

ایستیا

فیض زندان

ہوتی ہو روز بارش عرفان مرے لئے گویا بہشتِ عشق ہے زندانِ مرے لئے
 ناکامیئے طلبِ مین کہ ہے جان عاشقی گنجینہ مراد ہے نہانِ مرے لئے
 علمِ رخصتے یار سے جو رو جفا کے یار مشکل ہے سب کے واسطے آسانِ مرے لئے
 رہتی ہو فردا کس ستم تازہ کی تلاش بچپن ہے وہ فتنہ دورانِ مرے لئے
 میرا یہ حسنِ ظن کہ تغافل ہے التفات دل کی یغذ کہ درد ہے درمانِ مرے لئے
 قربانِ قتل ہو جو نہین اذنِ پاکِ بوس آخر ہو کچھ تو اسے شہِ خوبانِ مرے لئے
 نزدیک ہے کہ شوقِ سننے و عنِ محال لبِ ہائے نازیبا رہنِ لرزانِ مرے لئے
 عشقِ تباہ و ذوقِ سماع و ہوا کے لئے زاہد کے حقِ مین کفر ہے ایمانِ مرے لئے

حسرت کوئی مدد نہ کرے کیسا مضائقہ

کافی مین غوثِ اعظم جیلانِ مرے لئے

غزل

جنابِ عزیزِ لکھنوی

پہلے تو غلو نکلیں کا بھلو محرم کر دیا رفتہ رفتہ راز دارِ ہر دو عالم کر دیا
 پاسِ آدابِ وفا نے بھلو محرم کر دیا سانس لینا بھی تری محفلِ مین اب کم کر دیا
 منزلِ ہستی کو سمجھے تھے بہت دور و دراز روک کر سانسو نکو ہم نے فاصلہ کم کر دیا

قدرت اشکِ ندامت کی ہو کوئی انتہا
 غم نشوونگی فروازل میں جب تم ہو نیلگی
 سر داگ آنسو نے بازارِ چشمِ کم کر دیا
 دور گردون سے کہو ساقی کی چشمِ مست
 جھکواؤں فہرست میں سب سے مقدم کر دیا
 ذرہ ذرہ خاک کا میری کہیں کا داستان
 اب مجھے رونقِ فزائے مسدِ جسم کر دیا
 آپ سمجھے ختمِ مین نے قصہِ غم کر دیا
 تم نے اگر اور بھی یہ رازِ بہم کر دیا
 علقہ لعلِ قی مجھ سے سخت جاگنی جاگنی
 مایہ افزائش اسبابِ عالم کر دیا
 دل کے ہر ذرہ کو میں نے نگاہِ خاک میں
 خاک کے پتے کو جسوقت اُس نے آدم کر دیا
 یسے دل نے وہ سامان بھی فراہم کر دیا
 غم کی یہ مقدارِ خلقت ایذا کا فی نہیں
 میں نے اب ہر موئے تن کو ثمنہِ غم کر دیا
 جب حریمِ ناز سے آئی مدائے دورِ شب
 اضطرابِ دل نے بڑھکر مجھ کو محرم کر دیا
 دیکھ کر گورِ غریبان دم مرا گھٹنے لگا
 ایذا کیا اس بھری بھفل کا عالم کر دیا
 دل نہوتا جب بھی تیرا عشق ہوتا جی کو
 اس گروہ نے اور بھی رشتہ کو محکم کر دیا
 دل کے اجزا میں نہیں ملنا کوئی جزوِ نشا
 اس صحیفے سے کسی نے اک ورق کم کر دیا

خاکدانِ دہر کی بنیا دہی کیا قی عزت
 میری ہستی نے فقط عالم کو عالم کر دیا

اوراق پارسیہ

مجمع گنج

اتفاق سے مجھے اپنے وطن (دینہ بہار) کے کتب خانہ کی ردی کتابوں میں مجمع گنج کے نام سے ایک
چھوٹی سی اردو کتاب مل گئی، جس سے آج ناظرین کو روشناس کرایا ہے، اس کتاب کا نام جیسا کہ
ابھی کہا گیا مجمع گنج ہے، اس نام کے نیچے حسب ذیل عبارت لکھی ہے،
عقل روشن کرنے والی تعلیموں کا

اور

دانائی سکھانے والی تلقینوں کا

اس میں

اکثر ملکوں کی ہستی اور شہر اور آدمیوں کے احوال کا بیان

ہندوستانی لڑکوں کے لئے

انگریزی سے زبان اردو میں ترجمہ کیا گیا

۱۹۰۵ء میں یہ کتاب کمپنی کے عہد میں کلکتہ میں ”کلکتہ اسکول بکس سوسائٹی پریس“ میں چھپی
یہ کتاب کمپنی کے قائم کردہ ابتدائی اسکولوں میں پڑھائی جاتی تھی اور اسکول کے طلبہ کو انعام
میں دی جاتی تھی، چنانچہ یہ نسخہ بھی ہمارے وطن میں اسی ذریعہ سے آیا، ۱۹۰۹ء میں یعنی غدر سے
دو سال پہلے ہمارے یہاں کے سب سے پہلے طالبِ علم جو انگریزی اسکول میں داخل ہوئے،

(حاجی وزیر الدین صاحب مرحوم) نے ان کو گویا اسکول کے مشرقی صحنہ کی طرف سے انعام میں ملی تھی، اور اس نسخہ کے سر صفحہ پر پرانی انگریزی میں قائم مقام ہیڈ ماسٹر کے قلم سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے، ۲۱ صفحات میں ہے اور اس میں ۲۸ مضامین اور عنوانات ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی تاریخی، جغرافی، اور طبی باتیں بیان کی گئی ہیں، زبان عموماً صاف ہے مگر کہیں کہیں انگریزوں کی زبان کا نمونہ موجود ہے، مثلاً، ”دینے نہیں سکتا“ مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے تین باتیں صاف معلوم ہوتی ہیں،

۱۔ مقصود یہ ہے کہ ہندوستانی طلبہ کو جدید معلومات سے روشناس کیا جائے، اس لئے جو باتیں اس وقت نئی معلوم ہوتی تھیں انکا ذکر ہے،

۲۔ چونکہ ہندوستان میں اس وقت تک مسلمان طاقتور غصرتھے، اس لئے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں اور عیسائی بادشاہوں کے درمیان تعلقات جنگ و صلح بہت پرانے ہیں، جنگ جلیبی کا ایک باب ہے، فتح اندلس کا ذکر ہے، سلطان روم کا بیانیہ ۲۔ اس وقت تک انگریز زیادہ عقلمند یا متکبر نہیں ہوئے تھے اس لئے پہلے اپنی واپسے ملک اور اپنے بزرگم یورپ کی جہالت کا ذکر کر کے پھر اپنی عقلمندی اور انشوری اور ترقی کا ذکر کیا ہے، چنانچہ انگلستان کے گذشتہ عہد جہالت پر بھی ایک باب ہے۔

اس کتاب کا سب سے زیادہ دلچسپ حصہ ہم کو وہ معلوم ہوتا ہے جہاں اس وقت کے ہندوستان کی کیفیت لکھی ہے، مثلاً ہندوستان کے ملکوں کے نام حسب ذیل لکھے ہیں:

ہندوستان کی سرحدوں میں جتنے ملک اور شہر ہیں انکے نام

ہند کے دکن میں جتنی مہمان اور شہر ہیں ان کا بیان

اور یہ تلنگ، دروار، میور، حیدرآباد، تروان کوٹ، حیدرآباد، مکت پیشوا

یائیں مرہٹہ پوتہ، ناگپور سے سب ملک ولسا میساجین کپہنی کے دخل میں آئے،

ہند کے اتر کو جو سیستان اور آبادیان ہین ان کا بیان،

بنگالہ، ہمدیا، بہار، بنارس، بوندیل کھنڈ، گجیل کھنڈ، متسیلا یا ترہت، خوش، اور

سترا، ہریانہ، میان دو آب، روہیل کھنڈ، جے پور، بیکانیر، ریاست سیدھا، ریاست

ہلکر، پنجاب، ملتان، سندھ گجرات، سوائے ان کے اور بھی ملک ہین،

آج کل کے "ڈنڈے" انگریز یہ نئے حیرت کر گئے، کہ اس کتاب میں اہل یورپ کا یہ نقشہ دیا ہو،

"گورارنگ اور بری ڈارمی" اور کوکلبس کے امریکہ کے اصلی باشندوں کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے "ہب

کے سب لکھے، اور ڈنڈے تھے۔"

اہل ہند کے لئے اس کتاب کا سب سے زیادہ عبرت ناک باب وہ ہے جہاں ہندوستان کی

پیداواروں اور تجارت کی چیزوں کا ذکر کیا ہے، اور اسکی دولت مندی کو دکھایا ہے، یہ اس وقت کا قدیم

ہندوستان ہے جب وہ بہت کچھ برباد ہو چکا تھا۔

ہند کی سوداگری کے بیان میں

ہند میں جو چیزیں پیدا ہوتی ہین دوسرے ملک میں لجا کے بیچنے سے بہت فائدہ

ہوتا ہے اور ہند میں دولت مند ہو سکا بڑا وسیلہ سوداگری ہے جو چیزیں آدمی کو ضرور

ہین ان کی بہتایت سے پیدا ہونے کے سبب ہند کے رہنے والوں کو غیر ملک سے

کوئی چیز لانے کی احتیاج کم ہوتی ہے بلکہ ملک سے بہت چیزیں جو اور ملکوں کے

رہنے والوں کو ضرور ہوتی ہین خواہ کھانے کی چیز ہو، جیسا دہان چاول گیہوں

خواہ کسی صنعت کے لئے ہو جیسا ریشم روئی دوسرے ملک میں لجاتے ہین،

اور اسی سوداگری کے وسیلے سے بہت دولت و وسوسہ ملکوں سے اس ملک میں آئی

اس کے بعد انگریزوں کے عدل و انصاف اور گذشتہ بادشاہوں کے مظالم کا ذکر ہے،

انگلہ بادشاہوں کے وقت میں انھوں نے ظلم سے لوگوں کے مال اور ملک میں امن میں نہ تھا اور جس ملک میں امن میں نہ تھا اور معاملہ مد سے میں حق انصاف نہ ہو بلکہ آسامی قریادی میں سے ایک کی طرف داری ہو تو کون آدمی اپنا روپیہ اور اسباب کے لئے اس ملک میں جائیگا اسی سبب سے اور ملک کے سوداگر اس ملک میں کمتر آتے تھے اور یہاں کے رہنے والے یورپ کی اپنی اپنی مکت اور کاریگری سے بے نصیب تھے،

انگریزوں کے وقت میں ہندوستان کی سوداگری خوب چمک گئی اور بہت فائدہ ہوئی اور اسی سوداگری سے بہتر سے غریب و لقمہ ہوئے اور اکثر دولت مند بہت روپے والے ہوئے، سچ ہے انصاف کے درخت میں بھی پھل ہوتا ہی اور امن و امان عدل سے ہوتا ہے اور خلائق اور رعیت خواہ نزدیک کے ہوں خواہ دور کے سب خوشی سے گزاران کرتے ہیں،

اس عبارت سے معلوم ہو گا کہ انگریزی اسکولوں کی تعلیم میں یورپ کی فوقیت اور برائی اور ایشیا کی پستی اور برائی کی تبلیغ (پروپگنڈا) کا کام شروع ہو چکا تھا، یہ کس قدر جھوٹ ہے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے غیر ملک کے سوداگر یہاں نہیں آتے تھے، انگریزوں سے ہزاروں برس پہلے سے یہاں کی سوداگری فروغ پر تھی، اور مسلمانوں کے عہد میں ایران، ترکستان، روم، مصر، عرب، عراق، جزائر ہند اور چین سے برابر کاروان اور جہاز چلے آتے تھے، اور سندھ سے لیکر گجرات تک کے تمام سواحل ہندوؤں سے آباد تھے، جہاں ہر وقت جہاز آتے اور جاتے رہتے تھے، ہاں یہ سچ ہے کہ یورپ کے تاجر براہ راست یہاں نہیں آتے تھے،

کیونکہ خشکی کے راستہ پر مسلمان سودا گروں کا قبضہ تھا اور تری کا راستہ اہل یورپ کو معلوم نہ تھا اور جب معلوم ہو گیا تو ظالم بادشاہوں ہی کے عہد میں یورپ کے تاجروں اور سودا گروں کا یہاں تانا باندھ گیا، اور رفتہ رفتہ ہندوستان کی تمام تجارت پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد ہندوستان کی چھ پیداواروں کی کیفیت لکھی ہے، یعنی نیل، روئی، افیون، مہل اور کپڑے، رشیم شورہ اس باب کی تلخیص سننے کے لائق ہے،

۱۔ نیل

نیل برس سے نیل کی کھیتی بہت ہوتی ہے اور نیل تیار کرنے کے کارخانے بھی انگریزوں کے عمل میں ہیں اس سے بنے ہین، کپڑا رنگنے کے لئے نیل بڑا کام آتا ہے اس ملک میں اسی ہزار من کے قریب ایک برس میں نیل پیدا ہوتا ہے اگر ایک من نیل کی قیمت ایک سو پچاس روپے ہوں تو ایک کے محال ایک کروڑیس لاکھ روپے ہونگے، یہاں سے بہت نیل انگریز کے ملک میں جاتا ہے اور وہاں سے اور اور ملکوں میں جاتا ہے

۲۔ روئی

آگے بگائے میں روئی بہت پیدا ہوتی تھی لیکن اب دو آٹے نیل کی کھیتی بہت ہوتی ہے... بہت روئی چین کے ملک میں جاتی ہے لیکن تین چار برس سے انگریزوں کی ولایت میں بہت جاتی ہے اور وہاں سے اس روئی سے کپڑے بنے جاتے ہیں اور بہترے لوگ اسی وسیلہ سے روئی کما کھاتے ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ کپڑا بننے کا کاروبار انگلستان میں ششہائے شروع ہوا اس لئے اس سے پہلے وہاں ہندوستان سے خام روئی نہیں جاتی تھی، بلکہ کپڑے بنکر جاتے تھے، اور

معارف: یعنی لنگا جنہا کے بیچ کا ملک اراک آباد ملک،

اب اس روٹی کے جانے سے اور کپڑا بننے سے وہاں بہترے لوگ "روٹی کما کھانے لگے۔"

۲۔ افیون

صوبے بہار اور بنارس میں بہت افیون پیدا ہوتی ہے، اور کمپنی کے سوا کوئی آدمی پوتہ کما کھیت کرنے اور افیون مول لینے نہیں سکتا ہے مگر کمپنی کے حکم سے جب کلکتہ میں افیون آتی ہے سوداگر سب مول لیکے چین اور ملائی بھیجتے ہیں

اب چوتھی پیداوار کا حال سنئے، اور دیدہ عبرت سے آشک حسرت بہائیے۔

۳۔ ٹیل اور کپڑے

ہند کے ملکوں میں ہر برس مل بیات سے تیار ہوتا ہے خصوصاً ڈھاکے کی ٹیل اور گنگا کے اتر کا خاصہ اور کھٹی پور کے دکن پورب کا بافتہ اور میدنی پور اور دلیہ کا صحن اور مرہٹہ ملک کا اسلوع (شاید اٹلس ہو) اور پرمبوم کا گھڑا (یعنی کاٹھا اور کھدر) بہت ہی خوب ہوتے ہیں۔

چونکہ امریکہ ملک میں اکثر آدمی کھیت کرتے ہیں وہاں سوئی یا ریشمی کپڑا کم ہوتا اس لئے اس ملک کے سوداگر بہت کپڑا کلکتہ سے مول لیجاتے ہیں اور کپڑا بچکے دہان سے ڈال لاتے ہیں، لیکن تھوڑے دنوں سے یورپ اور امریکہ کے لوگ کپڑا تیار کرنے میں بڑے مشغول ہیں۔

۴۔ ریشم

راپور بولے کے کارخانے میں اور کراکالی میں اور مالہ اور قاسم بازار میں اور دوسری جگہوں میں ریشم تیار ہوتا ہے،

۵۔ معارف: یہ قارئین کا عدل و انصاف،

۶۔ شورہ

شورے سے باروت بنتی ہے کہنی کے باروت خانے میں بہت خرچ ہوتا ہے اور
برطین کی ولایت (انگلستان) میں بھی بیجا جاتا ہے،

ہند کی افین چم چیزوں سے سوداگری کرتے ہیں، (کون! انگریز!) اور ایک
ملک دوسرے ملک میں بیجا کے بہت سے فائدے حاصل کرتے ہیں،

اس کتاب کا ایک اور باب ہم ہندوستانیوں کے پڑھنے کے لائق ہے،

خاص ملک ہندوستان میں جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور نباتات کی قسم سے جو ہند
میں کثرت سے ہوتی ہیں اور انگلینڈ میں نہیں نکلیا جاتا،

اس عنوان کے تحت میں پانچ چیزیں گنائی ہیں، گنا، تنباکو، ردی، نیل، اور سن،

پہلے گنا جس سے چینی اور قند بامصری اور گڑ بنتا ہے، انگلینڈ میں گنا ہوتا نہیں

اس لئے جب قند چینی دہان خرچ ہوتی ہے اکثر ہند غربی یعنی بچان سے بیجا ہے

اس ملک کی چینی بھی انگلینڈ میں بیجا سکتے اور دہان کے لئے کفایت بھی کر سکتی ہے

لیکن یہاں کے لوگوں کو چینی صاف کرنے میں سلیقہ کم ہے بچان کی چینی انگلینڈ

میں بیجانے سے جب قند فائدہ ہو گا یورپ کی چینی سے اس قدر نہیں،

دوسرا تنباکو، انگلینڈ میں تنباکو نہیں پیدا ہوتا ہے اگلے زمانہ میں یہاں کے لوگ

ابھی بھی تنباکو کیا چیز ہے اور کس طرح کھیت کرتے ہیں اس سے واقف نہ تھے،

امریکہ ہٹنے کے بعد ہر گنیز لوگ دہان سے جلد یہاں لائے، امریکہ ہٹنے کے آگے

کسی ملک میں تنباکو نہ تھا،

تیسری ردی، ہند میں ردی بہتات سے پیدا ہوتی ہے اور انگلینڈ کی

سرحد میں اہل انہین ہوتی ہے، اس واسطے بہت روٹی یہاں سے وہاں لیجاتی ہیں
 چوتھائی، انگلینڈ میں نیل اصلاح پیدا نہیں ہوتا ہے لیکن امریکہ ملک میں اس کا
 کھیت ہوتا ہے جب ہندوستان میں نیل کم تھا تب امریکہ سے انگلینڈ میں لیجاتے
 تھے، لیکن چونکہ ان دنوں ہندوستان میں نیل بہت اور اچھا ہوتا ہے اس
 واسطے امریکہ ملک میں نیل کا کاروبار اٹھ گیا اور اسکی آمدنی موقوف ہوئی،
 پانچواں سن، انگلینڈ میں سن نہیں ہوتا ہے اس لئے ہر سال یورپ کے ہر
 بہت سن انگلینڈ میں لیجاتے ہیں سن بھی ہندوستان کی سوداگری کی چیزوں
 میں سے ایک چیز ہے۔

کتاب کا ایک ہنگندریہ کے مشہور کتب خانہ کے جلائے جانے کے متعلق ہے، اور جس کا ملزم مسلمانوں کو
 ٹہرایا ہے، چونکہ اس وقت اہل ہند کی تعلیم کی اسکیم کلرکوں کی جماعت پیدا کرنا نہیں تھا، اس لئے
 اس کتاب کے مصنف نے مشنری میں اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ہندوستانیوں کو چاہئے کہ یورپ
 کے علوم و فنون کو اپنی مادری زبان میں منتقل کریں،

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارسیہ را

سید سلیمان

مِصْبُوحُ عَابِدِ

تفسیر سورۃ والتین، سورۃ والتین میں مسئلہ خیر و شر اور جزائے اعمال جس مؤثر اور مدلل طریقہ سے ادا ہوا ہے وہ ہر انسان کے غور و فکر کے لائق ہے، اہلالِ یمن مولانا مظہر الدین صاحب شیرکوٹی اور مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے قلم سے اس سورہ کی تفسیریں شایع ہوئی تھیں، بکتخانہ محمد سر عبدالغنی نے ان دونوں تفسیروں کا مجموعہ شائع کیا ہے اور آخرین مکمل فائدہ کی غرض سے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی اردو تفسیر بھی ملحق کر دی ہے، یہ مجموعہ ہر مسلمان کے پڑھنے کے لائق ہے، تقطیع چھوٹی، صفحات ۸۱، قیمت ۸ روپے، بکتخانہ محمد شریف عبدالغنی تاجران کتب، کشمیری دارالافتاء، انتخاب زرین، جناب سید اس سعود صاحب ناظم تعلیمات حیدرآباد کی ذات سے قوم کو بڑی بڑی توقعات قائم ہیں، آج پہلا موقع ہے کہ ان توقعات کی پہلی قسط قوم کے سامنے آتی ہے، انتخاب زرین، اردو شعرا کا حقیقت ایک مختصر سا تذکرہ ہے، جس میں بہ ترتیب زمانہ دہلی کو سے بیکر موجودہ زمانہ تک کے شعراء کا کس قدر حال لکھ کر کم سے کم انکی ایک غزل یا نظم پوری نقل کی گئی ہے، شعرائے حال کے سوانح بھی جو کچھ لکھے گئے ہیں انکی اہمیت کا اندازہ اس عہد کے بعد لوگوں کو ہوگا، شعرائے قدیم کے سوانح بھی گو مختصر لیکن حادی لکھے گئے ہیں، تذکرہ کی زبان بھی قابلِ داد ہے، انتخاب کا عام مروجہ طریقہ تو یہ ہے کہ غزل کی غزل اگر اچھی ہے تو پوری غزل منہ ایک ایک شعر دو دو شعر مختلف غزلوں سے لے لیتے ہیں، سید صاحب نے اپنے مذاق کی بنا پر اس کو زیادہ پسند کیا ہے کہ ہر شاعر کا جو کلام منتخب کیا جائے وہ کامل ہو، اس لئے انھوں نے ہر شاعر کے مختصر سوانح کے بعد اس کی کامل ایک غزل جو ان کو پسند آئی ہے منتخب کر لی ہے، انتخاب کا مسئلہ

ایسا نازک ہے کہ اختلاف ذوق کی بنا پر ایک کا انتخاب دوسرے کے لئے مشکل پسند یہ ہوتا ہے، اور یہ فطرت کی معذوری ہے، کل ۱۶۲ اشعار نے اس انتخاب میں جگہ پائی ہے، آخر میں دو فہرستیں شامل ہیں، ایک شعرا کی ہے اور دوسری کلام کی، حروف بجا کی ترتیب سے تمام غزلوں کے مطلقوں کے سر الفاظ کے لحاظ سے فہرست بنا دی گئی ہے، جس سے بآسانی ہر غزل مل سکتی ہے، چھوٹی موزون تقطیع، جلد خوبصورت، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ضخامت ۲۹۴، قیمت

از ہمارا العرب جامعہ، علیہ السلامیہ کے علمی کارناموں کی پہلی قسط آج ہمارے سامنے ہے، یہ آسان عربی منظوم کا ایک مجموعہ ہے جو کہ جامعہ کے مبتدی عربی طلبہ کے لئے، مولانا محمد سورتی صاحب استاد ادبیات عربی جامعہ ملیہ نے ترتیب دیا ہے، اور جامعہ کے مطبعہ ملیہ نے اسکو خوبصورت ٹائپ میں شائع کیا ہے، اشعار کے انتخاب میں آسانی کے علاوہ اسکا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ان کے مضامین اخلاقی، ناصحانہ اور مذہبی ہوں، امید ہے کہ قوم کے ارباب نظر اور اہل تعلیم جامعہ کے اس کام کو محکمہ تحسین سے دیکھنے، ہم کو معلوم ہوا ہے کہ جامعہ کی طرف سے آئندہ مفید تصنیفات و تراجم کا ایک مستقل سلسلہ قائم کرنے کے لئے بار آور کوششیں کی جا رہی ہیں، پیش نظر مجموعہ امید ہے کہ عام عربی مدارس میں بھی رواج پائے گا، ضخامت ۸۰ صفحات، قیمت ۸/، تہ: شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ ملیہ علی گڑھ،

اتحاد اسلام، اس عنوان سے مسلم اوٹ لک لندن میں ایک ترک اہل قلم نے جس نے اپنا نام نہیں ظاہر کیا ہے، بلکہ صرف ایک "انا طولی مسلمان" لکھا ہے، سلسلہ مضمون شائع کر آیا ہے، جس میں نہایت تدبر اور کامل معلومات کے ساتھ مسئلہ اتحاد اسلام، ترکی اور ہندوستان، مسئلہ انتظام حج اور ترکی، جازا اور ترکی، انگلستان کا رویہ مسئلہ حج، کے ساتھ بغیر ترکی متین ہندوستان اور سراج کما ہندوستان، تہ: ترکی اور مصر ترکی اور ایران، اور انگریزی مداخلت وغیرہ

اہم مسئلہ کے چہرہ سے نقاب کشائی کی ہے، متعدد وجوہ کی بنا پر ہم اس راز کی پردہ دری کرتے ہیں کہ یہ مضمون شہر ترک مصنف خلیل خالد بے ہشت بلال و صلیب وغیرہ کے قلم سے نکلا ہے، موصون جنگ بلقان کے پس و پیش زمانہ بین ہندوستان میں سفیر رہ چکے ہیں، اور ان کے یہ تمام معلومات ان کے ذاتی تجربہ اور واقفیت پر مبنی ہیں، ہماری کونسلوں کے ممبروں کو اور خصوصاً جو سرکاری حج کیٹی کے ممبر ہوں ان کو خصوصیت کے ساتھ یہ رسالہ پڑھنا چاہیے، جامعہ ملیہ کے شعبہ تالیف و تصنیف نے اسی انگریزی مضمون کا یہ اردو ترجمہ اس نام سے شائع کیا ہے، قیمت ۴۰ روپے، بدرالدین حسین، جامعہ ملیہ علی گڑھ،

قرنیۃ المیراث، اردو میں علم فرائض پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں، یہ کتاب بھی اسی علم میں ہے، اور مولوی فتح الدین صاحب خوشابی اس کے مؤلف ہیں، اس کتاب کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علمی طریق سے علم فرائض کی تعلیم کی گئی ہے، مسائل کی ہر ممکن صورت کو فرض کر کے اس کے جوابات کے عمل بتائے گئے ہیں، شروع میں اصطلاحات کی تصریح اور ہر حصہ دار شرعی کی مختلف حالتوں کی تفصیل کی گئی ہے، کتاب مفید ہے، قیمت ۴۰ روپے، محمد اسماعیل صاحب کشمیری دروازہ لاہور۔

حیات کامل، مولانا منہر الدین صاحب شیر کوٹی ادیرالامان نے حیات کامل کے نام سے مرحوم مصطفیٰ کامل پاشا، مصر کے قوی فرقہ کے بانی و رہبر کے حالات زندگی ترتیب دئے ہیں، اس عہد میں جب مسلمان قومیں تجدید ترقی کیلئے بجان و دل کوشاں ہیں، اس مصری رہبر کی زندگی سبق آموز ہوگی، مولانا نے ہنریت تفصیل سے مصر کے سیاسی حالات اور کامل مرحوم کے کارنامے لکھے ہیں، اسی ضمن میں مسئلہ مشرقیہ کی تشریح بھی آگئی، بہتر ہوتا اگر مولانا اپنی عربی مآخذ و نگاہیں و بیابان میں تذکرہ فرمادیتے، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۱۱۲، قیمت ۴۰ روپے، دفتر الامان گل قاسم جان دہلی،

مجلد دہم ماہ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۲ء عدد پچیسم

مضامین

۲۲۲-۲۲۹

شذرات

۲۲۰-۲۲۴ سید سلیمان ندوی

دنیا کے اسلام میں ذہنی انقلاب

۲۲۵-۲۵۶ جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب شریعت

فارسی کے دنیا بآب دیوان

۲۵۷-۲۶۲ جناب مولوی عبدالمجید صاحبی اے

”ہنوز دلی دور است“

۲۶۳-۲۶۵ جناب ایم ضیاء الدین صاحب قیامی

موجودہ تعلیم کے نقائص

۲۶۶-۲۶۹ مولوی سید علی مہر گزری فلم انارکلیہ

اجستہ کی تصویر

۲۸۰-۲۸۱

فرقہ اہل حق

۲۸۱-۲۸۲

جمعیت انسداد جنگ

۲۸۲-۲۸۳

مدارس میں نقاشی اور موسیقی کی تعلیم

۲۸۵-۲۹۰

اخبار علمیہ

۲۹۱-۲۹۲ مولوی اقبال احمد صاحب سہیل بی اے

نغمہ بہنیت

۲۹۵-۲۹۸ قاضی عبدالودود صاحبی اے

تاسی کا تذکرہ اردو

۲۹۹-۳۰۰

مطبوعات جدیدہ

منشکسترا

الہ آباد یونیورسٹی کے مسلم ہوشل کے طلبہ نے ایک انجمن اردو کی بنیاد ڈالی ہے جس کا مقصد اردو زبان کے علوم و ادبیات کی ترقی ہے، اس تحریک کا جس قد رجوش سے خیر مقدم کیا جائے وہ کم ہے کہ اس صوبہ کی یونیورسٹی میں جہان کی اردو زبان صحت کا معیار ہے، اور جہان وہ بلا استثنا ہر فرقہ کی مادری زبان ہے اور اس کا اعتبار اور احترام سب سے زیادہ کم ہے، گو کہ طلبہ اور چند پروفیسر دن کی یہ توجہ شخص ادن کی ذاتی حیثیت اور ذاتی شوق کی بنا پر ہے تاہم توقع بندھ سکتی ہے کہ شاید وہ زمانہ بھی آئے جب خود یونیورسٹی سرکاری حیثیت سے بھی اس زبان کی دستگیری کی طرف التفات کرے۔

و انعاماً پس قدر حیرت اور حیرت سے حسرت کا مقام ہے کہ اردو زبان کی قدر اور اس کی ترقی کی کوشش ہندوستان کے ادن صوبوں نے کی جہان وہ نسبت کم رواں چہ پڑھتی، اردو کی طرف سب سے پہلے توجہ کلکتہ نے کی، اس کے بعد پنجاب نے کی، اور اس قدر اس کی خدمت کی کہ اسی کے ذریعے سے اردو پنجاب کی مادری زبان بن گئی، پنجاب یونیورسٹی نے اردو مصنفین کی ہمت افزائی کی، جدید علوم و فنون پر اردو میں کتابیں تصنیف کرائیں، اردو کے ارکان خیمہ میں سے حالی اور آزاد کو اسی نے چمکایا، عمدہ تصنیفات پر انعامات دیے، حتیٰ کہ مدراس اور ممبئی کی یونیورسٹیوں نے اس کی طرف توجہ کی، لیکن توجہ نہ ہوئی تو اس صوبہ کے تعلیمی ایوان میں جہان کی یہ اصلی زبان ہے، ایک سے دیکر سروریم میویر کا عہد ہے اس کو چھوڑ دیجئے تو سرکار الہ آباد کی ادبی تاریخ کا ہر صفحہ آپ کو سادہ نظر آئیگا، شکر ہے کہ لکھنؤ یونیورسٹی نے ایک حد تک اس کی تلافی کی، اب مجوزہ آگرہ یونیورسٹی پر نظر ہے، جہان کی سرزمین کو

تیسرے اور غالب کے پیدا کرنے پر ناز ہے،

مشہور محدث امام خطابی جن کی تصنیفات روایت اور درایت، لغت و ادب، فقہ و تاریخ کا بہترین سرمایہ ہیں، حدیث میں ذہنی و مشہور تصنیفین میں ایک اعلام السنن اور دوسری معالم السنن، ان دونوں کتابوں کی ہم کو سخت تلاش ہو، اگر اب تک ادن کا کوئی نسخہ ہم نہیں پہنچا، مصر کے سید رشید رضا (المنار کے ایڈیٹر) مصر کے مشہور محدث اور عامل باحدیث ہیں، انھوں نے ہمارے ذریعہ سے یہ کتاب ہندوستان میں تلاش کرائی ہو، معالم السنن جو سنن ابو داؤد پر تعلق ہے اوس کی پہلی جلد جو پنور کے مشہور عالم خاندان مولانا ابوبکر محمد ثیلث صاحب کے کتب خانہ میں دستیاب ہوئی ہو، یہ نسخہ نہایت عمدہ بخط عرب ہے، اور یمن سے یہاں آیا ہو، اس جلد کو دیکھ کر امام خطابی کی تصنیفات کی حرص اور زیادہ بڑھ گئی ہے، اگر ہمارے ناظرین یمن سے کوئی صاحب علم اس گوہر شجر مرغ کا پتہ لگا سکیں تو فایت عنایت!

عمدن ایجوکیشنل کانفرنس نے چند مہینوں سے اپنی زندگی کا پھر ثبوت دینا شروع کیا ہے، اوس کا قابل تعریف ماہوار تعلیمی رسالہ کانفرنس گزٹ پھر شائع ہونے لگا ہے، اسی کے ساتھ اصلاح تمدن کا مہینہ جو مروجہ خواجہ غلام الثقلین کی وفات کے ساتھ مر گیا تھا، اب پھر اوس کو "نشأۃ ثانیہ" دینے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کے دفتر کی طرف سے ایک فارم مع ایک معاہدہ نامہ کے اس غرض سے شائع ہوا ہے کہ مسلمان اس معاہدہ نامہ پر دستخط کر کے یہ عہد کریں کہ وہ آئندہ سے سادہ زندگی بسر کریں گے اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ پس انداز کریں گے، اور دیگر اقتصادیات کو مد نظر رکھیں گے، لیکن اگر کہیں ان اشتہارات سے قوم کی عملی زندگی اور اخلاق ماسخہ میں فرق پیدا ہو سکتا تو آج ہماری قوم کمان سے کمان پہنچ گئی ہوتی، ہم تربیت کا کام ایک عارضی اشتہار و اعلان سے لینا چاہتے ہیں، خوش قسمتی سے ہماری کانفرنس کے

ساتھ میں سالہا سال سے ایک بہترین تربیت گاہ ہے، قوم کے لئے کس قدر مفید ہوتا اگر اس کی عملی دعوت پہلے وہاں سے شروع کی جاتی،

معارف کے پھیلنے میں شانتی ٹکٹان پر ایک مسلسل مضمون شائع ہوا ہے، اوس میں جان کتب خانہ کا ذکر ہے، یہ شکایت کی گئی ہے کہ اوس میں عربی اور فارسی کی کتابیں نہیں، مدرسہ مذکور کی طرف سے ایم ضیاء الدین صاحب اس شکایت کی تردید کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کتب خانہ میں عربی و فارسی زبانوں کی کتابوں کی طرف بھی توجہ کی جاتی ہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں ادون چالیس پچاس عربی و فارسی کتابوں کے نام لکھ کر بھیجے ہیں جو کتب خانہ مذکور میں موجود ہیں، یہ کتابیں زیادہ تر بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی مطبوعات ہیں، بہر حال اگر یہ چالیس پچاس نسخے وہاں موجود نہ بھی ہوتے تو یہ قصور شانتی ٹکٹان کا نہیں بلکہ ہمارا ہے، اگر اوس درگاہ میں مسلمانوں کی علمی یا تعلیمی شرکت مستعد نہ ہوتی اور پھر بھی اودھو توجہ مبذول نہوتی تو جائے شکایت تھی، اگر اب بھی بالفرض وہاں ان زبانوں کی بڑی تعداد میں کتابیں جمع کر دی جائیں لیکن وہاں ان کے پڑھنے والوں کا وجود نہ ہو تو چند روز میں یہ بھی مساریان پھر خالی کی خالی نظر آئیں گی ! علاوہ ازیں کتب خانہ مذکور میں زیادہ تر وہ کتابیں ہیں جو لوگوں نے وہاں بطور ہدیہ بھیجی ہیں، اگر ان زبانوں کے محدث وہاں یہ اپنے قومی تحفے بھیجے تو شکریہ کے ساتھ قبول ہوتے، اور ہمارے پیٹرم ویشاہر، کو وہ نظر آسکتے، اسی سلسلہ میں یہ بات بھی سننے کے قابل ہو کہ ڈاکٹر ٹیگور کو جرمنی اور فرانس سے جو کتابیں ہدیہ ملی ہیں اوزن میں عربی و فارسی مطبوعات یورپ کا بھی خاصہ ذخیرہ ہے،

ہمارے خدمت مولنا حبیب الرحمن خان شروانی نے مدت کے بعد معارف کو یاد فرمایا، لیکن میں خوشی ہو کہ یاد تو فرمایا، مولنا ایک خاص طرز تقریر کے مالک ہیں، جو سوز و گداز اور شوخی و تاشیر کا

مجموعہ ہے، اور ان کی تحریر کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ باہم رنگینی اور شوخی بزرگوں کے ساتھ ادب و وقار اور عقیدت کا ایک خاص جذبہ نمایاں ہوتا ہے، وہ قدیم زمانہ کی حسرتناک یاد کے ساتھ جدید زمانہ کے عبرتناک نظر کو ہمیشہ سامنے رکھتے ہیں، چنانچہ آج اور ان کا جو مضمون مقالات میں شائع ہوا ہے وہ خود ان خصوصیات کی مثال ہے، قدیم اور نادر کتابوں کے ساتھ ادب کا شغف و ذوق حدِ عشق تک پہنچا ہوا شاید ہی کسی دن کا آفتاب وہ کسی ناوِ علمی تحفہ کے بغیر دیکھتے ہوں، اور ہر سال ادب کا اچھا خاصہ سرمایہ اور ان کے اس شوق پر صبر ہوتا ہے، اس وقت ہمارے خیال میں پانچ چھ ہزار عمدہ کتابیں اور ان کے کتابخانہ عجیب گنج، ادبی گدھے، میں فراہم ہونگی، جن میں بہت سے علمی و ادبی تحائف اور تاریخی آثار جمع ہیں، خصوصاً قاری ادبیات کا جتنا نادر اور عمدہ مجموعہ اس کتابخانہ میں ہے اور کمین نہ ہوگا،

یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ

سُن رکھو تم، فسانہ ہیں یہ لوگ

مساجد، اشاعت و توحید دین حق کی نمایاں ترین علامات ہیں، ان کی تعمیر و ان کی آبادی، اور ان کی خدمت گزاروں کے فضائل احادیث نبوی میں بہ کثرت وارد ہوئے ہیں، حقانیت اسلام کی جہانگیری کا ایک اثر یہ بھی ہے، کہ اہل بیت و تلمیذ پرستی کے بڑے بڑے ظلمت کدہ تک شعاع انوار ہدایت سے منور ہو جاتے ہیں، یورپ کو اسلام سے عیسائی کچھ محبت و دوستی ہے، ظاہر ہے، البتہ یہ سرزمین بھی اکتساب فیض سے بالکل محروم نہیں، چنانچہ جرمنی میں ایک شاندار مسجد، مضافات برلن میں، یہ مقام ڈنڈر سڈورٹ میں سے موجود ہے، جس کی تعمیر حکومت کی جانب سے ہوئی تھی، اور جس کے معارف عالیہ کا بھی خزانہ سرکاری ہے، کیس ہے، پچھلی عید الفطر کے موقع پر یہاں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ نماز ادا کی گئی، اور مسلمانان ہند اپنے برادران ترک و ایران، مصر و افغانستان کے ساتھ اپنے خالق کے آگے سر نیاز جھکایا، حال میں فرانس

خبر آئی ہے کہ وہاں بھی حکومت کبھی زیرِ اہتمام پیرس میں ایک عظیم الشان مسجد اپنے تمام متعلقہ احکام، کتب خانہ وغیرہ کے تعمیر ہو گئی ہے،

جرمنی کے زیرِ حکومت ایک رحمت بھی مسلمان نہیں، فرانس کے ماتحت چار کروڑوں مسیحیان بستی ہیں، یہ حکومتیں اسلامی جذبات کا اس قدر پاس رکھتی ہیں، لیکن انھیں کی مبعصر ایک اور پُر قوت ”صاحبِ جبروت“ سلطنت بھی ہے، جو اپنے تئیں سب سے بڑی اسلامی حکومت کہتی ہے جس کے ماتحت واقعہً دنیا کے اسلام کی سب سے بڑی تعداد آباد ہے، اور جسے حجاز و عراق، مصر و ہند، افغانستان و ایران سب کسین اسلام و پیروانِ اسلام سے قدم قدم پر سابقہ رہتا ہے، با اینہم اسے جذباتِ اسلامی سے اکتفا کرنے کی بجائے اس قدر بھی توفیق نہیں ہوئی ہے!

اسلام اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر و تحفظ کے لیے بیگانوں کا محتاج نہیں، دوسری اقوام کا دستِ نگر ہونا اس کے لیے باعثِ ننگ ہے، اس کا کھلا ہوا فرمان موجود ہے کہ

مَا كَانَ لِلْمُشْكِنِينَ أَنْ يَتَّخِذُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شُرَكَاءَ
عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ
وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ
مَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَ
آتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشَ إِلَى اللَّهِ،

ہیں، جو خدا اور جزائے آخرت پر ایمان رکھتے اور نماز

پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور جو خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے،

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

البتہ جو قوم غلو میں خوش نیت سے یہ کار خیر انجام دینا چاہتی ہیں وہ ٹکڑیہ سے محروم نہ رہیں گی،

اسلام نے معابد کے باب میں وہ رواداری ملحوظ رکھی ہے جس کی نظیر دنیا کا کوئی دوسرا مذہب نہیں پیش کر سکتا، انتہا یہ ہے کہ دوسری قوموں کی عبادت گاہوں کی حرمت بالکل مساجد کے مساوی مد نظر رکھی ہو، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

وَلَوْ كُنَّا دَفَعْنَا اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
فَهَدَيْتُمْ صَوَامِعَ وَبِيَعَ وَصَلَوَاتٍ وَمَسَاجِدَ
يُذَكِّرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا،
(حج - ع ۶)

اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ بچاتا رہتا تو
عیسائیوں کے صومعہ اور کلیسا اور یہودیوں کے
عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں بکثرت
ذکر خدا ہوتا ہو، سب ڈھائے جا چکے ہوتے،

اور سب عبادت کے طریقوں کے کسان احترام کی تعلیم دی ہے کہ
لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسَكًا هُمْ فَمَا سَكُوا فَلَا
يُنَازِعُكَ فِي الْاَمْرِ،
(حج - ع ۹)

ہم نے ہر قوم کے لیے ایک طریقہ عبادت تعلیم دیا،
کہ اس پر چلتے رہیں، تو ان کو چاہیے کہ تمہارے طریقہ
عبادت (اسلام) میں جھگڑا نہ کریں،

سرور انبیاء صلعم و خلفاء راشدین کے عہد میں اس تعلیم پر جس پابندی کے ساتھ عمل ہوتا رہا، اس کے تذکرہ دن سے سیر و تاریخ کے دفتر لبریز ہیں، لیکن شکر ہے کہ اس دور انحطاط میں بھی مسلمان اپنے مذہب کے اس حکم کی تعمیل میں بدستور ثابت قدم ہیں، ٹکڑی کی رواداری، اس حیثیت سے، اب مخالفین تک کو تسلیم ہوتی جاتی ہے، سلطان مصر نے حال ہی میں ایک کلیسا کی تعمیر کے لیے ایک وسیع قطعہ زمین مرحمت کیا ہے، ریاست ہندوستان کی حدود میں شاید گنتی کے چند سیاح رہتے ہوں، لیکن ان کے لیے چند روز ہوئے ریاست کے خزانہ سے ایک وسیع کلیسا تیار ہوا ہے، اور ملکت آصفیہ حیدر آباد لاخراہ عامہ کو

ہر سال لاکھوں کی رقم سبھی کلیساؤں اور ہندو مندروں پر صرف کرتا رہتا ہے، ایک طرف یہ واقعات و حالات ہیں اور دوسری طرف یہ حقیقت پیش نظر ہے کہ مساوات پسند، مذہبی معاملات میں ناظر قرار، حریت و دست، جمہوریت نواز، معدلت پرور، حکومت برطانیہ ہر سال تیس لاکھ کی رقم ہندوستان کی رعایا سے وصول کر کے ہندوؤں، مسلمانوں، بدھوں، پارسیوں، سکھوں، کے معبود پر نہیں، بلکہ تامل ہندوستان میں پچاس لاکھ بننے والے عیسائیوں کے کلیسا پر بے دریغ صرف کرتی رہتی ہے!

مولانا حالی مغفور کی قدردانی خود اودن کی قوم میں تو یہ ہوئی تھی کہ "خالی"، "خیالی"، "ظفالی" جیسے سنجیدہ حریت اودن کے زیر کرنے کو اکھاڑہ میں اتارے گئے، اور علی گڑھ، لکھنؤ و گورکھپور سے مہینوں بلکہ برسوں اودن کے نام پر آوازے کسے جاتے رہے، لیکن دوسری قومیں، اسقدر تنگ نظر نہ تھیں، اودن کی رہائیاں کا ترجمہ مدت ہوئی انگریزی میں ہو چکا ہے، اودن کی تصانیف نشر پر انگریز محققوں نے تبصرہ لکھے ہیں، اودن کی مناجات بیوہ کا ہندو بیرون ہند کی کل دس زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، حال میں ان کی شاعری پر ایک مستقل کتاب ہندی زبان میں پنڈت جوالادت شرما کے قلم سے انڈین پریس الر آباد سے شائع ہوئی ہے، جس میں اودن کے کلام کے بہ کثرت اقتباسات دیئے ہیں، میں اسی زمانہ میں گرتھ بھنڈار لیڈی ہارڈنگ روڈ، ممبئی نے اودن کی مناجات بیوہ کو بھی دو حوا پر ارتھنا کے ہندی عنوان سے شائع کیا ہے،

قابل ذکر امر یہ ہے، کہ یہ کتاب مولانا حالی کی نظم کا ہندی ترجمہ نہیں، بلکہ عبیدہ اوسی نظم کو

دیوناگری رسم الخط میں شائع کر دیا ہے، لطف یہ ہے کہ ہندو اخبارات ریویو میں زبان کی سلاست و صفائی کی داد دے رہے ہیں، گویا ہمارے ہندو احباب کے نزدیک بھی ملک کی اصل زبان وہی ہے جو اس کتاب کی زبان ہے، جسے اردو و دیوناگری دو طرح کے رسم الخط میں لکھا جاسکتا ہے، یہ ملکی زبان عربیت کی آمیزش سے جس قدر پاک ہے اوس کا اندازہ نظم کے پہلے شعر سے ہوگا۔

اے سب سے اوّل اور آخر جہان تہان حاضر اور ناظر

الفاظ زیر خط کھلے ہوئے عربی زبان کے ہیں، جو احباب ملکی زبان کو عربی و فارسی اثرات سے یہ کھلت بے تعلق کر لینا چاہتے ہیں، کاش وہ اب بھی انصاف سے کام لیں،



مقالہ

دنیاۓ اسلام میں ذہنی انقلاب

گذشتہ چند برسوں کے اندر دنیاۓ اسلام میں جو سیاسی انقلاب ہوا ہے، اس پر تو سب کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں مگر اس ہمہ گیر مادہ آئین کے نیچے، ذہنی انقلاب کی جو بار و دہچر رہی ہے، کیا اور کئی بھی آپ نے دیکھا ہے قوم افراد سے مرتب ہوتی ہے، ہر فرد انسان اپنا تجربہ پیش کر سکتا ہے، کہ وہ اوسی وقت سرگرم عمل ہوتا ہے، جب اس کے دل و دماغ میں کسی خاص جدوجہد کا خیال ہنگامہ آرا ہو تا ہو، ہمارے گذشتہ تعلیمی مصلوٰن سنج سنج کرفوم کو جگایا کہ اگر وہ اپنی ذہنی حالت درست نہ کر لگی تو اس کو فساد کا سامنا کر جو عوام افراد، متفرق افراد کے برابر عاقبت اندیش اور آخر میں نہیں ہوتا، اسلئے قوم نے عموماً آنے والے سائنس زوال کی پوری اہمیت محسوس نہیں کی، مگر گذشتہ جنگ عظیم پر پردہ گرنے کے بعد تمام دنیاۓ اسلام کو اپنی فنا اور تباہی کا جو ہولناک سامان نظر آیا، اس نے اس کے توائے جہانی کی طرح اس کے توائے داغی کو بھی عید متاثر کیا، اور سیاسیات کے اشتعال نے اپنے ساتھ دنیاۓ اسلام کے توائے ذہنیہ کو بھی مشتعل کر دیا،

دنیاۓ اسلام کے اس ذہنی انقلاب کے حسب ذیل چہرے ملی مظاہر ہیں :-

۱۔ اتحاد اسلامی یا اتحاد مشرقی، یہ نظر آتا ہے کہ ہر اسلامی اور ہر مشرقی ملک کے اندر یہ احساس اس کی رگ و پے تک میں سرایت کر گیا ہے، کہ بغیر اتحاد کے ہماری تہما زندگی معرض خطر میں ہے، اسلئے کابل، طہران، بخارا، باکو، انگور، قاسرہ، دمشق، بیت المقدس، ابجرائر، فارس، ریف، سب ایک

زنجیر میں بندے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اور اس ترائے محبت کے آرگن اتحاد اسلام مزار شریف، اتفاق سکھ
 ہرات، اتحاد شرقی جلال آباد، اللوارقاہرہ، المنارقاہرہ، الفجرتونس، توحیدفکارناطولیہ
 اور اسلام قسطنطنیہ، نئی العرب دمشق، الحقیقہ بیروت آزادی شرق جرمنی، مسلم اسٹینڈرڈ (لواء اسلام)
 لندن، ایکوہمی اسلام (صدائے اسلام) پیرس ہیں، افسوس کہ اس موضوع کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔
 ۲۔ احساس مذہبی، چونکہ اس اتحاد کی بنیاد مذہب پر ہے، اسلئے مذہبی سیداری کے مناظر
 بھی علانیہ نظر آتے ہیں، ہر اسلامی ملک کے جدید تعلیم یافتہ اصحاب میں تمدن یورپ کی تقلید میں مذہب
 سے بیزاری اور ارکان مذہب سے لاپرواہی فیشن میں داخل ہو گیا تھا، اور خصوصاً قیام یورپ کے زمانہ
 تک تو وہ چند سال دین ایمان فراموش کر دیتے تھے، اسی حالت میں نماز روزہ کا خیال آنا ایک بے سود واقعہ تھی،
 اور دن کو کسی یورپین ملک میں نماز پڑھنے سے شرم آتی تھی، مگر چند برسوں کے اندر یہی عظیم انقلاب ہے،
 کہ مسلمان نوجوان مذہب کی طرف رجوع ہو رہے ہیں، خدا کا نام لیتے شرارتے نہیں، اور کسی یورپین
 ملک میں نماز پڑھنے سے اول کو مذمت نہیں ہوتی، جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے، اس بارہ خاص میں
 خواجہ کمال الدین صاحب کا نام لینا احسان فراموشی ہے، خاص لندن میں ایک مکان کرایہ پر لیکر جمعہ کو
 طلبہ کو نماز پڑھاتے ہیں، دو گنگ کی مسجد میں ہر روز نمازین ادا ہوتی ہیں، جنگ کے زمانہ میں جرمنی میں
 بمقام ڈنڈرڈ وٹ ایک عظیم الشان مسجد ترکوں کی محبت میں تعمیر کرنے والی تھی، عثمانی سفارتخانہ کے امام
 متولی ہیں، عیدین کی نمازین جوش و خروش سے دبان ادا کی جاتی ہیں، پیرس میں ایک مسجد کے بنوانے کا
 خیال شمالی افریقہ کے مسلمان اُمراء اور سپاہیوں کی یادگار میں جنھوں نے گذشتہ جنگ میں فرانس کو
 وقادارانہ مدد دی چند سال سے تھا، وفد خلافت کے قیام یورپ کے زمانہ میں کئی دفعہ اس تحریک کے بانی
 فریخ فضیلین ملنے کو آئے، اور اس مجوزہ مسجد کا نقشہ دکھایا، جس کا ایک نوٹور اقم کے پاس اذکار کا یہ
 موجود ہے، اب یہ مسجد تیار ہو گئی ہے، اور مسلمان نمازیوں کا سجدہ گاہ ہے، چنانچہ اس عینہ کے ریلوے کے

کارون میں بیسیوں مسلمان امراء اور سفراء کے مجمع میں اس کے افتتاح کی خبر آئی ہے،

اس مذہبی تحریک کے نشوونامہ میں افغانی حکومت اور افغانی سفر اکا بھی بڑا حصہ ہے، یہ سفر یورپ کے جس ملک میں بھی متعین ہوئے، وہاں انھوں نے غز کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ وہ مسلمان ہیں، سفیر افغان متعین آئی نے اپنی پہلی تقریر میں روم کے اندر یہ کہا کہ میں غز کے ساتھ یہ اظہار کرتا ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور ایک اسلامی حکومت کا نمائندہ ہوں، جو غز کی مسجد کے فروغ میں بھی متبر و محراب کے علم افغانی کو بڑا دخل ہے، ۱۳۳۷ھ کی عید الفتحی دنیا نے یورپ میں پہلی عید تھی، جس میں مسلمانوں نے قربانی کا فریضہ یورپ کی سرزمین میں بیٹھ کر انجام دیا، یہ انگلستان میں سفیر افغانی کی طرف سے قربانی تھی جس کی رسم مسلمانوں کے بوسے مجمع میں ادا کی گئی،

ٹوکی میں اسلامی توامین کا اجراء، یورپ میں سلطنتوں کی مداخلت سے سست ہے، یہاں کے تہوہ خا فون میں جام سے کا دور کافی کی پالیوں کے پہلو پہلو چلتا تھا، لیکن قبضہ سمرنا کے بعد سب سے پہلا اصلاحی کام ریوٹر کی خبروں میں یہ مشہور ہوا ہے کہ شراب خانے اور میخانے بند کیے جا رہے ہیں، اور قرآن کے احکام کا اجرا کیا جا رہا ہے، اور شراب پینے والے کی سزا، تیس دسے مقرر ہوئی ہے، علماء ایران نے اسی حدیث شراب نوشی، شراب فروشی کے امتناع کا مطالبہ کیا ہے، اور اخبارات میں مذہبی آزادانہ مضامین کے خلاف اجتماع کیا ہے،

۳۔ یورپ میں تمدن سے سرتابی، اس انقلاب ذہنی کا تیسرا مظہر ہے کہ چونکہ اس جنگ عظیم

نے یورپ میں تمدن کے مفاسد کو علی الاعلان آشکارا کر دیا ہے، اور نیز صاف کنا چاہیے کہ یورپ کی قوموں کی طرف سے مسلمانوں کے اندر ایک نفرت سی پیدا ہو گئی ہے، اس لیے یورپ میں تمدن سے اون کو وہ اگلی سی محبت نہیں رہ گئی ہے، اور نہ اب وہ وقار اور عظمت کا آئینہ بردار باقی رہا ہے، خود مشرق کی سرزمین میں ایک اصلاح یافتہ مشرقی طرز تمدن اور طرز لباس زندہ ہو رہا ہے، پہلے ہر مشرقی مسلمان خاک یورپ کو

جاتے ہوئے اپنا مشرقی لباس اپنے ملک کے بند گاہ میں اُتار ڈالتا تھا، اور یورپ میں جا کر صافہ، یا گڑھی، یا ٹوپی پہنتے ہوئے اسے شرم آتی تھی، مگر اب وہ خود غرور کے ساتھ اپنے سامنے اور ٹوپی کو یورپ میں استعمال کرتا ہے، خاص بمون میں پورا مشرقی طرزِ خصوصیت کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے، اور اسلامی خان کو نمایاں کیا جاتا ہے، آج سے چند سال پہلے ایک فارسی ایرانی رسالہ برلن سے کا وہ نامی نکلتا تھا، نفی زادہ ایرانی اوس کے اڈیٹر تھے، ایرانی قوم کو ترقی کے لئے اوس کا مشورہ یہ تھا کہ ”در ہر چیز زنگی آب شود و بس“ اب چند معینوں سے اوسی برلن سے ایرانی ہی اڈیٹر طاہر زادہ کے زیرِ اہتمام نکلتا ہے، وہ ایرانیوں کو مذہب، اخلاق، تربیت اسلامی کی تلقین کرتا ہے، اور تمدن زنگی کے معائب سے اون کو آگاہ کرتا ہے، سنگاپور کا رسالہ مسلم اور محکمہ المعارف بھی بنیام پھیلا رہا ہے، افغانستان نے قانوناً یورپ کے فیشن کی چیزوں کو باہر سے منگوانا بند کر دیا ہے، علمائے ایران کے مطالبہ اور امراتے سکرات اور یورپین وضع کے نفوجگاہوں کی بندش مجلس نے منظور کی ہے،

۴۔ تعلیمی ترقی، ہر اسلامی اور مشرقی ملک میں تعلیم کی اشاعت کا عام جذبہ پیدا ہو گیا ہے، بڑے شہروں میں مدارس کھل رہے ہیں، گاؤں میں مکاتب قائم ہو رہے ہیں، جدید طرزِ بصیحت تعلیمات کی تنظیم ہو رہی ہے، غریبوں اور مزدوروں کے لئے مکاتبِ شبانہ رات کے اسکول کھلتے جاتے ہیں، انیس کے ایک نامہ نگار نے افغانستان کی نسبت لکھا ہے کہ یہاں مدارس اور مکاتب گھاس کی طرح پورے ملک میں اُگ رہے ہیں، ہر جگہ مدارس اور مکاتب قائم ہو رہے ہیں، کابل میں ایک زمانہ مدرسہ بھی کھل گیا ہے، اناطولیہ کے متعلق چند مہینے ہوئے ایک امریکن سیاح نے اپنا مشاہدہ لکھا تھا کہ پورے ملک میں مدارس اور مکاتب قائم ہو رہے ہیں، اور صبح کو معصوم بچے اور لڑکیاں قطار قطار اسکولوں اور مدرسوں کو جاتے ہوئے نظر آتی ہیں، سید اقبال علی شاہ (مقیم گلگستان) نے سرزمین اناطولیہ کے حالات پر جو پچھپ مضمون ابھی حال میں لکھا ہے، اوس میں لکھتے ہیں کہ ”۹ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو یہاں لازمی تعلیم کا قانون منظور ہو گیا تھا، ہر بچہ پڑھاؤ دہ لڑکا ہویا لڑکی، سات برس کی عمر سے لیکر سولہ برس کی عمر تک اوس کے لئے تعلیم لازمی ہے، حکومت کی طرف سے اسکول اور مدرسے جارہے ہیں“

عراق کی جدید حکومت بھی مدارس اور مکاتب کھول رہی ہے، متعدد علمی کے نام سے ایک جدید درس گاہ کی بنیاد پڑ رہی ہے، سوق عکاظ کے نام سے علم ادب کا ایک نیا بازار قائم ہو رہا ہے، ۲۱ دسمبر ۱۹۲۱ء کو، شام و فلسطین کے نائید دن نے جینوا میں ٹھیکریک آف نیشنس کے نام جو مراسلہ بھیجا تھا، اس میں لکھا تھا کہ ہمارے ملک میں تشرنی صدی تعلیم ہے، مصر کی تعلیمی ترقی بھی پیچھے نہیں ہے، سرکاری مدارس کو چھوڑ کر محکمہ اوقات یا اختتام اور انجمنوں کی طرف سے مدارس اور مکاتب قائم ہو رہے ہیں،

حکومت عراق، بغداد میں جامعہ آل البیت کے نام سے ایک یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھ رہی ہے جس میں چھ شعبے ہونگے، دینیات، قانون، طب، ہندسہ، انجینیری، فنون (آرٹس)، علم تعلیم، (ٹرننگ)، اس یونیورسٹی کے لئے ایک خوش قطعہ مقام منتخب کیا گیا، جو آب و ہوا اور حسن منظر کے لحاظ سے بہترین ہے، خیال ہو کہ اسی کے پہلو میں تجربہ گاہ، عجائب خانہ، اور کتب خانہ قائم ہوگا، مشہور و ماہر فن اساتذہ کا اس کے لئے انتخاب ہو رہا ہے، اور اس میں مالک عرب کے ہر صوبہ کے طالب علم داخل کیے جائینگے،

کیا ہم امید کریں کہ پانچویں صدی کا نظامیہ یا پچیسویں صدی کا سائنس ہے، اس چودھویں صدی میں پھر زندہ ہوگا؟

مکہ معظمہ میں جیسا کہ القبلہ کے صفحات سے ظاہر ہوتا ہے، پانچ چھ مدرسے جدید طرز پر وہاں قائم ہوئے ہیں، مختلف موقوفوں پر ان مدارس کے طالب علموں کی جو عربی تقریریں، تحریریں، اور قصائد القبلتین چھپتی رہتی ہیں، ان کے دیکھنے سے ادب طلبہ کی ادبیت، عالی خیالی، وسعت معلومات، غیرت دینی، اور حسیت قومی کا ثبوت ملتا ہے، ان مدارس میں سے سب سے بڑا مدرسہ مدرسہ ہاشمیہ ہے، جو بل قیطان پر جس کو اب جبل ہندی کہتے ہیں واقع ہے، اور آخر ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ میں اس مدرسہ کے سالانہ امتحان کے نتائج ظاہر ہوئے تھے، ایک بڑے جلسہ میں جس میں خود شریف حسین اور دیگر وزراء اور عاملہ شریک تھے ان طلبہ کو انعامات تقسیم کئے گئے، اس جلسہ میں محمد عبداللہ بن محمد اجاوی ایک آٹھ برس کے لڑکے نے

جو تقریبی، وہ ہر طرح تعریف کے لائق ہے، اس امتحان میں حسب ذیل طلبہ مختلف علوم و فنون میں خاص طور سے کامیاب ہوئے، حسین بن رفیع، حساب میں، حمزہ مرزوقی، ہندسہ میں، محمد قماش، جغرافیہ میں، شرقی مالک سے گروہ درگروہ مسلمان طلبہ یورپ کی یونیورسٹیوں کو روانہ ہو رہے ہیں، تمام اسلامی ملکوں میں سے مصر اس میدان میں سب سے آگے ہے، اس کا سبب یہ بھی ہے کہ وہ یورپ سے قریب تر ہے، مصریوں نے مالک یورپ میں سے اپنے لیے سب سے زیادہ اعلیٰ کو پسند کیا ہے، کہ وہ پورٹ سعید سے صرف دو دن کی راہ پر واقع ہے، انگلستان میں بہت کم مصری طلبہ جاتے ہیں، تاہم اؤسٹرا کے طبی کالج میں ۱۹۲۷ء میں (یعنی دفعہ خلافت کے قیام کے زمانہ میں) کم از کم ۲۰ طالب العلم تھے، ایرانی اور افغانی طلبہ نے اپنا مرکز تعلیم جرمنی کو بنایا ہے، اور ترکی طالب علموں کا زیادہ حصہ پیرس میں ہے، طاہر زادہ ایرانی ایڈیٹر افراتشر برلن نے جرمنی میں جو مشرقی طلبہ زیر تعلیم ہیں، اون میں سے ہر ملک کے سفارت خانوں سے معلوم کر کے عہد ۱۳۳۷ھ کے رسالہ میں حسب ذیل تعداد پیش کی ہے،

افغانی طلبہ جو جرمنی میں زیر تعلیم ہیں، ۳۰

ایرانی " " " ۲۰

مصری " " " ۷۰

اڈیٹرنے لکھا ہے کہ ترکی سفارت خانہ نے اپنے طلبہ کی تعداد نہین بتائی،

کراچی کے ایک ایرانی کارخانہ حسن علی اینڈ کمپنی نے برلن بینک میں ایک معتد بہ رقم بھی حال میں جمع کی ہے، اور ذیقعد ۱۳۳۷ھ کے "آزادی مشرق" میں اعلان کیا ہے کہ اس رقم کا منافع، فارس کے اعلیٰ طلبہ کے وظیفہ میں صرف ہوگا جو برلن جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہیں گے، ان طلبہ کو وہاں آقا حسن عباس خان ایرانی تاجر مقیم برلن کے زیر نگرانی رہنا ہوگا، فارس سے برلن تک کا سفر خرچ بھی یہ کارخانہ ادا کرے گا، جو اسی غرض کے لیے شاہی بینک ایران میں امانت رکھ دیا گیا ہے، ہر سال تین طلبہ اس رقم سے بھیجے جائیں گے، امسال تین

آئندہ سال تین اور اسی طرح ہر سال تین تین طالب العلم جائینگے، پہلے سال یہ وظیفہ مفتاحی قبیلہ کے تین طلبہ کو دیا جائیگا، دوسرے سال ببارو کے تین طالب علموں کو، تیسرے سال تین عرب لڑکوں کو، چوتھے سال باصریوں کو، پانچویں سال فارس کے مختلف قبائل کے طلبہ کو، مدت تعلیم چار سال ہوگی، اور منظوری و درخواست کے شرائط حسب ذیل ہونگے،

۱۔ طالب العلم کی عمر ۱۵ سال سے زیادہ نہ ہو،

۲۔ ابتدائی علوم اسلامیہ سے واقف ہو، اور فارسی زبان بخوبی لکھ پڑھ سکتا ہو،

۳۔ برلن جا کر حسب ذیل علوم میں سے ایک اختیار کرنا ہوگا، علم زراعت، علم ہمداری (انجینئرنگ)،

علم طب، علم برقیات، علم نظام، علم بلیات (میوسپلٹی) کے کاموں میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہی

۴۔ تکمیل کے بعد ایران واپس آکر ملک کی خدمت انجام دینی پڑے گی،

نخری پاشا سابق محافظ مدینہ منورہ چار مہینے ہوئے کہ وہ ترکی کی طرف سے سفیر ہو کر افغانستان

آئے ہیں، اور اون کے خیر مقدم کی خوشی میں کتب جمعیہ اور کتب حرمیہ کے طلبہ نے ان کا پرچوش استقبال

کیا، اور ان کو انڈیرس دیا، انڈیرس کے جواب میں ممدوح نے ان عزیزان اسلام کے سامنے ایک نہایت

مؤثر تقریر کی، غرضی پاشا ایک ترک سپاہی ہیں، مگر افغانی عزیزوں کو جو انھوں نے نصیحت کی وہ یہ تھی

۳ سے فرزندانِ منوئی میں تعلیم حاصل کرو، تعلیم تمہارا ملک اس کا دست نگر ہے، اور یہی اسلام کی ترقی کا

زمینہ ہے، میں یورپ گیا ہوں، وہاں کے مدارس میں یورپین لڑکوں کو قطار و قطار دیکھا ہے، میں

تمہارے سامنے صاف کہتا ہوں کہ ”رنگہا بڑوم رشکھا“

یہ ایک ترک تیغ آزما کے خیالات ہیں جو افغانی شجاعت پیشہ عزیزوں کے سامنے اوس نے

دہرائے، لکھنا یہ نعرے دنیا کے اسلام کے انقلاب ذہنی کا پتہ نہیں دیتے؟

مسلمان اقوام میں سب سے زیادہ جاہل اور بخیر سرحد اور یاغستان کے پٹھان ہیں، لیکن یہ

سنکر آپ کو حیرت ہوگی کہ چمر قند یا غستان کا جدید درگاہ بن رہا ہے، جہاں جدید خیالات اور جدید علوم کی علمی تعلیم پرورش پا رہی ہے، محرم ۱۳۴۱ء سے اس مقام سے المجاہد نام ایک اخبار مولوی فضل الہی خان اور مولوی محمد حسین خان بی اسے کے زیر اہتمام جاری ہوا ہے، اس اخبار نے اپنی پہلی اشاعت میں اپنے مقاصد یہ ظاہر کیے ہیں،

۱۔ عام قوموں اور خصوصاً مسلمان اقوام کے عروج و زوال اور ترقی و تنزل کے اسباب کی تحقیق،

۲۔ قبائل سرحدی کے تمدن و معاشرت کی اصلاح،

۳۔ سرحدی قبائل کے لڑکوں کی ذہنی تربیت اور ادب و اشاعت تعلیم،

کیا یہ انقلاب ایہ حیرت نہیں؟

ایران کے متعدد دشمنوں میں رات کے اسکول غریب اور مزدور پیشہ اشخاص کے لیے قائم کیے گئے ہیں، ان میں شہور تر مشہد کا کتب خانہ رہنما ہے، جہاں غریب اور مزدور لڑکے لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے اور ان کے لیے اخبارات اور رسائل بھی مہیا کیے جاتے ہیں، یہ مدرسہ مشہد کے مشہور صحیفہ رہنما کے زیر اہتمام چل رہا ہے، تیسرا زمین انجمن دانشوران کے نام سے عشاقِ ادب کی ایک مجلس اس غرض سے قائم ہوئی، جو کہ فارسی ادبیات کی حفاظت کیجائے، اور ادب کی ترقی و اشاعت کا سامان کیا جائے، روسی مسلمانوں میں بھی تعلیمی رہنماؤں کی خبریں موصول ہو رہی ہیں، کریمیا سے لیکر بخارا تک تعلیمی تحریک پُر زور طریقہ سے جاری ہے، زمانہ تعلیم نے خصوصاً یہاں زیادہ نشو و نما پائی ہے، کریمیا، قازان، داغستان، آذربائیجان، جینوا، سمرقند، فرغانہ، بخارا ہر جگہ تعلیمی انقلاب رونما ہے، ایک آذربائیجانی مسلمان مفتی زاہد نے پیرس میں مجھ سے کہا تھا کہ جمہوریہ آذربائیجان نے اتنے ہی دنوں کے اندر ملک کے گوشہ گوشہ میں لڑکے اور لڑکیوں کے اسکول کھول دیے ہیں،

۵۔ اقتصادیات کی طرف توجہ، دنیائے اسلام کے انقلاب ذہنی کا ایک اور نتیجہ انقلاب

کی طرف توجہ ہے، اب تک آزاد دنیائے اسلام کی زندگی کا سہارا صرف تواریخی، مگر اس جنگ عظیم میں اس کو

فکر آگیا کہ تلوار سے بھی زیادہ تیز ایک ہتھیار ہے جس کا نام قومی دولت ہے، اس قومی دولت کے حصول کے تین ذرائع ہیں، زراعت، تجارت، اور صنعت، یہ محسوس بن چکا ہے کہ اب حقیقت مسلمانانِ عالم کے ذہن نشین ہو گئی ہے کہ ان ذرائع سے گناہ کے بغیر ان کی زندگی معرضِ خطر میں ہے، اور آزاد ہونے کے باوجود وہ یورپ کے غلام رہیں گے،

اٹلی کے سفیر میلانین قسطنطنیہ کے رئیس بلدیہ جسی بی سے ملاقات ہوئی تھی، موصوف کی حتمی رائے تھی کہ اقتصادی ترقی کے بغیر ہماری نجات ناممکن ہے، چنانچہ اسی یقین کی بنا پر وہ یہاں آئے اور یہاں ایک اٹالین کی شرکت میں ایک تجارت خانہ قائم کیا تھا، رومہ میں نورسی عزیز نے ایک ترک ایک بہت بڑی جہاز سی آمد و رفت کی تجارت میں مصروف تھے، لندن میں کئی ترک تاجروں نے چھپ چھپ کر تجارتی کاروبار میں مصروف تھے، جن میں سے ایک نام طلعت از میرلی بادو، ولشی میں سالم ہے ایک اور ترک تاجر کا ساتھ ہوا تھا، اور ان کے ملنے جلنے سے معلوم ہوا کہ جو ترکوں میں یہ احساسِ سعادت پھیل رہا ہے، اناطولیہ کی حکومت میں اس احساس کا سب سے بڑا منظر نایاں معلوم ہوتا ہے، مجلس ملی کی تقریروں اور رودادوں سے حقیقت واضح ہوتی ہے، کہ ان کی سب سے بڑی توجہ اس وقت زراعت و معدنیات کی طرف ہے، حال کی خبروں میں یہ اطلاع بھی شائع ہوئی ہے کہ غیر ملکیوں کو اب ملک کے اندر ٹیکے نہیں دیے جائیں گے، اور خود ملک کا سرمایہ ملک کے اوپر لگا جائیگا، کپڑے چولہیں یعنی دیور میں تاجروں کے حقوق قدیم چر سلطان سلیمان اعظم نے اپنے زمانہ میں احساناً ان کو عطا کیے تھے، اور وہ اب تک اضافہ فرید کے ساتھ زائد جنگ تک قائم تھے، اور وہ ترکوں کی اقتصادی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی روک تھام تھی اب اناطولی ترکوں نے ہمیشہ کے لیے اس کا خاتمہ کر دینے کا عزم کر لیا ہے،

ایک فریج مضمون نگار نے انکوارہ کے مشاہدات پر ایک مضمون لکھا تھا، محرم ۱۳۳۵ء کے انجمنِ قریب میں اس کا ترجمہ شائع ہوا تھا، اس میں وہ لکھتا ہے، شہر سے باہر ایک ٹیلر پر آنے سے دو بلند عمارتیں

نظر آتی ہیں، ایک میں جا بجا غفلت آلات دکھائی دیتے ہیں، اور دوسرے میں ہمارا اور ٹیلیفون کی بیشمار نظائر نظر آتی ہیں، پہلی عمارت مدرسہ زراعت ہے، اور دوسری دفتر جنگ ہے، ان دونوں کا آئنے سامنے وقوع، مجاہد انگور کے مستقبل ارادوں کی خاموش توضیح ہو، اس مدرسہ زراعت میں طلبہ کو جدید ترین فن زراعت کی تعلیم دی جاتی ہو، اور اسی کے سامنے طلبہ کی عملی مشق کے کھیت اور باغ ہیں، ادھر ادھر جد ہر نظر اطمینان ہے کھیتوں اور کاشتوں کا عمدہ اور معقول نظام نظر آتا ہے،

ایران کی کسست اور باقونی قوم بھی اس حقیقت سے آشنا ہو رہی ہے، جرمنی میں متعدد ایرانی تجارت خانے اور کارخانے انھوں نے کھولے ہیں، ان کے ایک تجارت خانے کا نام رضا تربیت پرسوپلس برلن ہے، بہت سے ایرانی طلبہ برلن کے مدرسہ زراعت میں تعلیم پا رہے ہیں، بعض فارغ التحصیل ہو چکے ہیں، بعض فارغ التحصیل ہو کر برلن میں مقیم ہیں، کچھ فارسی اخبارات میں ان کے اشتہارات، تلاش خدمت کے لیے کل رہے ہیں، ابھی صفحات بالا میں گراچی کے ایرانی تاجر کے علمی وظیفہ کا ذکر کیا گیا ہو، اوسکی شرائط کے دفعات ایک دفعہ اور پڑھیے، خصوصاً تیسری دفعہ کو جو طلبہ اس وظیفہ سے بھیجے جائینگے، ان کو حسب ذیل علوم میں سے ایک علم سیکھنا ہوگا، علم زراعت و فلاح، علم معاشی، علم طب، علم برقیات، علم نظام کار ہائے راجع بہ بلدیہ، اس سے واضح ہوگا کہ ایران میں بھی اقتصادی انقلاب رونما ہو،

افغانستان بھی اس جدوجہد میں بھیچے نہیں ہو، معدنیات، زراعت، تجارت اور صنعت کی تعلیم کو نہایت سرعت سے وہ ترقی دے رہا ہو، ملکی پیداوار کے نشوونما میں خاص کوششیں کی جا رہی ہیں، ہر سفارت خانے کے ساتھ تجارت خانہ بھی کھلتا جاتا ہو، یورپ میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جو افغانی طلبہ بھیجے گئے ہیں، فوجی تعلیم کے بعد سب سے بڑی تعداد اقتصادی علوم کے طلبہ کی ہے، غلام احمد خان ایک افغانی جو پہلے افغانستان کے صنعتی مکاتب کے معلم تھے، کابل فن کے لیے جرمنی گئے تھے، اب وہ اپنے ملک میں واپس آ رہے ہیں، جلال آباد کا اتحاد مشرقی، راوی ہے کہ جرمنی کے اخبارات نے خان موصون کے متعلق

جن شاندار الفا کا استعمال کیا ہے وہ ہم افغانوں کے لیے فخر کا باعث ہے، خان موصوف نے جرمنی کے صنعتی مدارس کا سب سے اعلیٰ امتحان پاس کیا ہے، روانگی کے وقت جرمنی کے مشاہیر اساتذہ صنعت نے اون کو وداعی دعوت دی، جس میں بڑے بڑے صناعتی اور کارگروں نے موصوف کی صنعتی قابلیت کا اعتراف کیا، اونکا ارادہ ہے کہ افغانستان پہنچ کر وہاں ایک بڑا صنعتی مدرسہ قائم کریں گے، ابھی فرانس اور افغانستان میں ہمارے قیدی کے متعلق جو معاہدہ ہوا جس میں فرانسیسی علماء کے ساتھ ساتھ انھیں کے بقدر تعداد میں افغانی علماء بھی اون کے ساتھ ساتھ شریک ہوں گے، افغانستان میں معدنی تحقیقات کا ایک نیا باب کھلے گا، کرنل عزیزاں (فیض آبادی ہندی) جنھوں نے جرمنی اور آرمی میں اس فن کی کامل تعلیم حاصل کی ہے، اور اب وہ افغانستان کی اسلامی حکومت میں خدمات بجالا رہے ہیں، اون کے تحت برقیات کی تعلیم افغانستان میں پھیل رہی ہے، افغانوں کی سب سے خوش آئند آرزو یہ ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ کے جاپان بن جائیں،

آپ کو تعجب ہو گا کہ حجاز میں دیرانہ میں زراعتی ترقی کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا ہے؛ لیکن اس انقلاب کو دیکھیے کہ جہادی الشاہید حسین کہ معظمہ میں بمقام جردل، ایک مدرسہ زراعیہ نہایت دھوم دھام اور تزک و اعتشام سے قائم ہوا ہے، جس میں بہت سے طلبہ داخل ہو چکے ہیں، مدرسین تمام مصری مسلمان ہیں، محمد دہبی مصری اس کے منتظم اعلیٰ ہیں، اور حسن شیبوی اور سلیمان عباسی، اس کے دو اساتذہ کے نام ہیں، اس مدرسہ میں زمین کی پیداوار، تخم، کاشتوں کی بیاریاں، اور اون کے طرق علاج، اور اون کی سیرابی کے لیے پانی کالنے اور نہر بنانے کے کام سکھائے جاتے ہیں، اس مدرسہ کے افتتاح کے وقت ایک مقرر حسین متبان اڈیٹر القبۃ نے کہا،

”ہم نے سیاسی آزادی تو حاصل کر لی، لیکن آزادی اوس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک ہم اقتصادی آزادی حاصل نہ کریں، حجاز ہیفہ سے آج تک دوسرے ملکوں کا اقتصادی حیثیت سے غلام تھا، مگر اب غلام نہیں رہے گا۔“

ٹانگہ کے اقتصادی اشاعت میں مھر کا مضمون نگار اطلاع دیتا ہے کہ آج کل مصر میں صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی کا خیال ہر جگہ موجزن ہے، اور لوگوں کی کوششیں ہیں کہ دوسرے ملکوں کے ماہرین کو بلوا کر ان کی نگرانی میں یہاں کارخانے قائم کیے جائیں اور مھر کو ایک صنعتی ملک بنایا جائے،

دو سال سے ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، اوس کے نتائج جیسے بھی ہوں، مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس محدود زمانہ کے اندر دوسری قوموں کے ساتھ ساتھ یہاں کے مسلمانوں میں بھی اقتصادیات کی طرف توجہ پیدا ہو گئی ہے، اب پہلی کی طرح سرکاری نوکریان عورت کا معیار نہیں رہ گئی ہیں، اب عام مسلمانوں میں اور طلبہ میں صنعت و حرفت اور تجارت کا شوق ظاہر ہو رہا ہے، ہماری ایجوکیشن کا نفرنس کا مصلحہ اصلاح ہمارے بخت خوابیدہ کی طرح بیدار ہو رہا ہے، اور مسلمانوں کو اقتصادیات کی طرف دعوت دیتا ہے، قومی درس گاہوں کو چھوڑ کر سرکاری عمارتوں کے اندر کے قومی مدارس بھی کھلے رہے ہیں، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے احاطہ میں ایک صنعتی کالج قائم کرنے کا تخیل پیدا ہے اور اس کے لئے دو مسلمان فیاض رؤساں جناب نواب مزل افند خان صاحب (علی گڑھ) اور نواب جنرل عبداللہ خان صاحب (بھوپال) نے ایک ایک لاکھ روپیہ کا گرانہا پیش کیا ہے، ان خیالات کو پیش نظر رکھ کر ہمارے کازمانہ سامنے لاؤ، جب آدہ آباد کی ایجوکیشن کا نفرنس میں ہمارے تعلیمی رہنما سر سید احمد خان نے یہ تجویز منظور کرانی تھی کہ کوئی تبدیلی اگر یہی تعلیمی مدارس اور اسکول کی شرعی خواندگی میں واسطے ترقی دینے کنکیشن کی زمین ہونی چاہیے۔

میں اس وقت جب یہ مضمون زیر تحریر تھا، اسلامیہ کالج پشاور کے ایک فاضل پر فیسر جناب محمد محمود صاحب ایم، اسے کی مسئلہ تعلیم پر ایک محققانہ تالیف "ضرورت و دقت" ہمارے پاس پہنچی، اس کتاب کو پڑھ کر جان فاضل پر فیسر کی ثابت اور لیاقت کی تعریف ناگزیر ہے، وہ بین مسلمانوں کے ذہنی انقلاب اقتصادی کا ایک بین ثبوت بھی ہم پہنچا ہے پر فیسر صاحب نے ۱۱ صفحات میں اعداد و شمار اور دلائل کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے،

کہ قوم کی ترقی صنعتی اور تجارتی تعلیم کے بغیر ناممکن ہے، آج کل مسئلہ تعلیم پر جو اصحاب غور و فکر فرماتے ہیں، اون کے لئے اس کتاب کا مطالعہ از بس ضروری ہے،

ابھی یہ سطرین لکھی جا رہی تھیں کہ اخبارات کے ذریعہ سے جنرل عبید اللہ خان (بھوپال) کے ایک اور تعلیمی فیاضی کی مثال نظر سے گزری، جنرل صاحب نے اپنے جو امرگ فرزند کی یادگار میں چار لاکھ کی مالیت وقف کی ہے، کہ اس کے منافع سے طلبہ کے لئے تعلیمی وظائف مقرر کیے جائیں، ان وظائف کے قواعد و ضوابط شائع ہوئے ہیں، اون میں سے حسب ذیل دفعات ہمارے خیال کی تائید کر رہی ہیں،

سائنس کورس یا تجارت یا زراعت کی ڈگری کے واسطے طلبہ کی تعداد نسبتاً، تعداد مقررہ وظائف کے پانچویں حصہ سے کم نہ ہوگی.... اگر سائنس کورس میں کوئی طالب علم موزون ثابت نہ ہو تو جو صنعت، یا تجارت یا زراعت میں توفیق رکھتا ہو وہ متقی تصور ہوگا.... ہر صورت میں سائنس، یا تجارت، یا زراعت کی سند جس کو حاصل ہوگی، اس کو بیرون ہند بھیجنے کے لئے ترجیح دی جائے گی.... اگر دو باتیں طلبہ سند یافتہ سائنس امیدوار وظیفہ ہونگے تو سائنس یا زراعت یا تجارت کے سند یافتہ زائد سے زائد وظیفہ کو وظیفہ ملے گا، اور صنعت کا تعلیم یافتہ ضرورتی وظیفہ سمجھا جائیگا،

اگر آج سے چند سال پہلے یہ تعلیمی وظائف جاری ہوتے تو ترجیح پانے والے طلبہ وہ ہوتے جو بیرونی

اور آئی، سی، ایس کے لئے انگلستان جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتے! سبحان مقرب القلوب!!

۶۔ علما و اولیاء میں سیاسیات، دنیائے اسلام کے ذہنی انقلاب کا چھٹا منظر ہمارے

سامنے ہے جو کہ لنگاہ سے اٹلانٹک تک کے تمام مالک اسلامیہ کے وہ علمی اور مذہبی عناصر جو صدیوں سے میدان سیاست سے جھکے اپنے اپنے ممبروں اور مفلوین میں گوشہ گیر ہو گئے تھے، وہ اب اپنے اپنے دائروں سے باہر نکل رہے ہیں، اور سیاسیات عالم اور خصوصاً سیاسیات اسلامیہ میں حصہ لے رہے ہیں، اس سے بیان بحث نہیں ہے کہ حالت اچھی ہے یا بُری، کہنا یہ ہے کہ واقعہ اور صورت حال یہ ہے، تھکے کا جامع از ہر اس وقت

مصر کی آزادی کا علمبردار ہے، وہاں کے طلبہ اور مدرسین مظاہروں میں حصہ لے رہے ہیں، احتجاجوں میں شریک ہو رہے ہیں، یہاں تک کہ پچھلے دنوں چند روز کے لیے جامع ازہر اور تمام اس قسم کے مدارس کو بند کر دینا پڑا، تونس کا جامع زیتون، انقلاب کی حالت میں ہے، اور سندیا فنگان زیتون کا رسالہ بدر اس کی بہترین شہادت ہے، دو سال ہوئے اہل تونس نے بالی تونس کی خدمت میں طلبہ دستور کا عریضہ پیش کیا، جس وفد نے یہ عریضہ پیش کیا اس کے میروند، تونس کے مشہور مدرسہ صافیہ کے مدرس اعظم تھے، چنانچہ فرانسیسی حکومت کی طرف سے اون کو چھ مہینہ کے لیے معطل کیا گیا افغانستان کے طلبہ نے فخری پاشا اور دوسرے نامداروں کی آمد میں، نیز جشن آزادی کے موقع پر جو پرجوش تقریریں کیں، اور جو علمی دیوبی و بچپیان اونھوں نے لوگوں کو دکھائیں وہ اون کے سینوں میں لبریز جوش و خروش کو نمایاں کرتی ہیں، ابھی اسی مہینہ میں افغانی سفیر جب جامع ازہر پہنچا تو وہاں کے طلبہ اور مدرسین نے جس طرح اس کا خیر مقدم کیا، اور جو الفاظ اپنی زبان سے ادا کیے، وہ اس انقلاب کا بہترین منظر ہے، اسی ہفتہ کی خبروں میں بیت العلوم قسطنطنیہ کے طلبہ کی دولہ انگیزی اور سیاسی ہیجان کی خبر آپ کی نظر سے گذری ہوگی،

آج ہی کے اخبارات میں علمائے ایران کے سیاسی جوش و خروش کا حال پڑھا، کہ اونھوں نے تمام مسجدوں اور درگاہوں کو اپنی مدائے احتجاج سے مسمور کر دیا ہے، اور مجلس سے یہ مطالبہ کرتے ہیں، کہ تمام ملک میں سکرات کی دوکانیں اور تفرجگاہیں بند کر دی جائیں، مذہبی مسائل میں اخبارات کی آزادی محدود کی جائے، اور مجلس میں علمائے دین کے نمائندے بھی لیے جائیں، ہندوستان کے اندر جو کچھ دو سالوں میں گذرا ہے وہ کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں، منتظمین، ہتھمیں، اور اراکان کی پوری کوشش کے بلوچہ دیوبند، ندوہ، امیر علی گڑھ، کلکتہ وغیرہ میں جو کچھ گذرا اور ہو رہا ہے اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں، خود جمعیتہ العلماء اور جمعیتہ الطلیبہ کا دجو، ان کے مقاصد، اور ان کے جلسوں کی رودادیں اس

انقلاب کا اعلان عام بین،

اسی حالت کو دیکھ کر ہم کو یورپ کا وہ زمانہ سامنے نظر آتا ہے جب فتح قسطنطنیہ کے بعد وہ اسلام کے مقابلہ کے لیے تیار ہو رہا تھا، مورخین عالم کی تاریخ، "کے مصنفین کے الفاظ میں یہ یورپ کا وہ انقلابی زمانہ تھا جب بحری سپاہیوں کی محنت، فلسفیوں کی جدوجہد، طالب علموں کی مساعی، مدبرین کی دماغ سوزی، اور سپاہیوں کی جان بازی سب اسی مقصد کے لیے تھیں کہ صلیب کو (ہلال کے مقابلہ میں) عروج نصیب ہو گیا آج وہی انقلابی زمانہ اسلام کے لیے آگیا؛ تلت الایام مند اولہا بین الناس،

اسوہ صحابہ جلد دوم

از مولانا عبد السلام ندوی

کتاب مذکور کا دوسرا حصہ جس میں صحابہ کرام کا نظام سیاسی اور ملکی

انتظامات اور علمی خدمات کی تفصیل ہے، تفسیر حدیث، فقہ، اسرار دین، تصوف

وغیرہ علوم حسب قدر صحابہ کے عہد میں پیدا ہو چکے تھے انکی تفصیل ہے ضخامت ۵۰۰ صفحات

نیچر

قیمت للبر

فارسی کے دُونایاب دیوان

از

جناب مولانا حبیب الرحمن خان حسرت شروانی، صدرالہند در دولتِ اہمغیہ

میرے مختصر سے کتاب خانہ میں فارسی کے دو دیوان علی مین جو اپنے اوصاف اور خصوصیات

کے لحاظ سے نایاب خیال کئے جاسکتے ہیں۔ ان دونوں کو مرحوم علامہ شبلی کی باد سے تعلق ہے

نیاز منزل دل کا تقاضا ہے کہ معارف کے ناظرین کرام سے ان کا تعارف ہو۔ اس طرح

استاذ محترم کی یاد تازہ ہو جائیگی اور تلمیذ مکرم کی فراموشی کی تمیل۔ مانا کہ یہ ہدیہ سع

پائے محلی نہیں سلیمان بردن۔ ٹھہرے رہتا ہوں ہر ضعیف کا تحفہ ہی ہو سکتا ہے۔ حسرت شروانی

۱۔ دیوان عرفی شیرازی

عرفی شیرازی نے وفات کے وقت اپنے سودا کا مجموعہ پریشان خان خانان کی خدمت میں

بھجوا دیا تھا کہ اس کی سرپرستی میں مدون ہو جائے۔ چنانچہ عرفی کی یہ تمنا پوری ہوئی۔ علامہ شبلی،

شیراز میں فرماتے ہیں۔ "افسوس یہ نسخہ آج نایاب ہو ورنہ بہت ہی دلچسپ باتیں معلوم ہوتیں یہ

اثر نیاز دیکھو۔ علامہ مرحوم کی آرزو حسرت کے حق میں پوری ہوئی۔ وہ نسخہ ان کے نیاز مند کے

ہاتھ آگیا۔ پارساں دلی کے ایک بزرگ، قدیم خاندان، ہنر کی یادگار بہت سے قطعات اور یہ

نسخہ فروخت کے لئے لائے تھے، میں نے دیکھا تو خوبی خط وغیرہ کے لحاظ سے نادر معلوم ہوا۔ لے لیا،

نائبت ہوا کہ یہ نسخہ اسی دیوان کا ہے جو وفات عرفی کے بعد خان خانان کے حکم سے محمد قاسم

سراج نے مدون کیا تھا۔ اور مآثر رحیمی کے مؤلف عبداللہ بانی نے اس پر دیا ہے لکھا تھا۔

اس کا سنہ کتابت ہے ۱۲۸۶ھ۔ محب علی بن حاجی یوسف شیرازی کاتب ہے۔ خان خانان

کے حکم سے جو نسخہ مرتب ہوا تھا وہ تقریباً ۱۲۸۵ء میں مکمل ہوا۔ اس طرح میرا نسخہ اصل دیوان کی ترتیب کے
 جو یکسٹ برس بعد لکھا گیا ہے جو بہت زمانہ نہیں ہے۔ خط کاغذ اور نقاشی کے لحاظ سے یہ نسخہ اس عہد کی قلمی
 کتابوں کا ایک عمدہ نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ اور وسط قطع پر ہر ایک قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جو نسخہ پورا لکھا گیا اس میں
 ۱۶۱ سطر ہیں۔ یہ ضخیم ۶۲ صفحات کا ہے قصائد کے چند صفحات درمیان میں معدوم ہیں ترتیب کلام حسب ذیل ہے
 دیباچہ عبدالباتی (۵۱ صفحہ) رسالہ نفسیہ (۱۳ ص) مثنوی مجمع الابکار (۵۸ ص) مثنوی فرہاد و شیرین
 (۲۶ ص) قصائد (۶۲ عدد) ترکیب بند (ایک) ترجیع بند (ایک) قطعات (۲۲ عدد) ساتی نامہ غزلیات
 (۵۱۹ عدد) رباعیات (۲۲ جن میں بعض ناقص ہیں) کل تعداد اشعار ۸۱۱۲ ہے۔ اصل دیوان میں
 ۱۴۰۰۰ اشعار تھے۔ اس طرح چھ ہزار شعر عربی کے چند ہی سال میں پھر معدوم ہو گئے۔ چھ ہزار کے دیوان
 اس کی زندگی میں تلف ہو چکا تھا جس کے انوس میں اس نے کہا تھا ہے

رصد شرع ہنر چون نشود بخوک من ، شش ہزار آیت احکام ہنر با ختم ام

دیباچہ میں عبدالباتی نے لکھا ہے کہ عربی نے وفات کے وقت اپنے مسودات کا پریشان مجموعہ
 خانہ خانان کے پاس اس آئینکس کے ساتھ بھجوا دیا تھا کہ مدون کر دیا جائے۔ یہ اوراق عرصہ تک خانہ خانان
 کے کتب خانہ میں (جو مکتب خانہ اہل عرفان تھا) محفوظ رہے اور مختلف موانع کی وجہ سے خانہ خانان
 کو ان کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ ملی۔ آخر ۱۲۸۵ء میں عربی کی وفات کے پچیس برس بعد عربی
 کے حقوق یاد آئے اور اس مرہی کمال و اہل کمال نے محمد تقاسم خلعت خواجہ محمد علی ہفسانی کو جو جو حجاز
 کے قصبے مشہور تھا حکم دیا کہ مسودات مذکورہ کی تدوین کرے۔ یہ سر اجاکی توفیق عبدالباتی نے ان
 الفاظ میں کی ہے۔ از آدمی زادگان اصفہان است۔ ڈیڑھ برس کی سخت محنت کے بعد اس نے
 دیوان ترتیب دیا۔ اس دیوان میں قصیدہ غزل۔ رباعی۔ قطعہ۔ مثنوی۔ ترکیب بند اور ترجیع بند
 کے جو وہ ہزار شعر تھے۔ عبدالباتی نے ترتیب و مقابلہ کے زمانے میں ان مسودات کو دیکھا تھا۔

اس کا بیان ہو کہ نہایت اہم تھے۔ اسی بنیاد پر سر راجا کی محنت کی داد ان الفاظ میں دی ہے۔ "اچھی درین کارید سیفانمود بہ بعد ترتیب سر جانے یہ مجموعہ خانخانان کے ملاحظہ میں بمقام برہان پور (خانگیں) پیش کیا۔ اس وقت عبدالباقی بھی خوانشی نشینان بزم فیض میں سے تھا۔ خانخانان نے دیکھ کر سید کیا اور انواع و اقسام کے صلے اور انعام دیکر سر راجا کی عزت افزائی کی۔ یہ نسخہ خانخانان کے کتابخانہ میں رکھا گیا۔ اہل استعداد کو نقل کا شوق ہوا تو وہیں سے نقلیں حاصل کیں۔ اس عہد میں "مستعدان ہندوستان کے نزدیک جو نسخہ معتبر تھا وہ اسی نسخہ کی نقل تھی" (انتہی خلاصہ)

عرفی کے واقعات حسب ذیل اس دیباچہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ عرفی کا نام خواجہ سیدی محمد تھا باپ کا نام خواجہ زین الدین علی تیسرازی۔ اس کا خاندان ولایت فارس میں صاحب "قدر و منزلت تھا۔ خواجہ زین الدین علی عہد بکا، پیشوا کے عرصہ شیراز اور وزیر داروغہ شہر "پرہمناز رہا۔ اسی زمانے میں عرفی نے "بعض مقدمات علمی" حاصل کئے اور "تحذیات عالیہ" خط نسخ "خوب لکھا تھا۔ فن موسیقی میں دخل تھا۔ اسی دوران میں شعرا کی تنہنیں کا شوق پیدا ہوا اور شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھا چونکہ اس کے والد وزیر داروغہ شہر تھے اس لئے شرعی و عرفی کی مناسبت پر لحاظ کر کے عرفی شخص پسند کیا دارالافتا شیراز کے موزوں طبوں کی صحبت میں تھوڑا ہی عرصہ گزارا تھا کہ عرفی کے جوہر چمک اٹھے اور شعرا بچار سامنے افروز ہونے لگے۔ چونکہ طبیعت ایجاد پسند پائی تھی اس لئے نازہ گوئی کے میدان میں اتر آیا۔ اب اس کو ایک "استاد و مرشد" درکار تھا جو شیراز میں نہ تھا۔ اسی آثار میں اس نے ہندوستان کی سخن سنجی دیکھ کر دانی کا غلفہ سنا اور اسی کے ساتھ اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ شکسبی، صفہانی، نظیری، منشا پوری، ایسی شہرت کا شہسوار تھے۔ کاشی، کاشی، سبزواری، بقا، خراسانی، تحوی، غنی، ہمدانی، اور مستعدان روزگار۔ کے جوہر خانخانان کے دربار میں جلا پاپا کر عالم افروز ہو رہے ہیں۔ اور "سہ سالہ کی خدمت میں جس طرح ان کتبہ دانوں نے ترتیب پائی تھی اس کی حقیقت بھی منکشف ہوئی۔ یہ حالات سن کر عرفی نے

ہندوستان آنے اور خانخانان کی مجلس نشینی سے فیض حاصل کرنے کا قصد مصمم کر لیا۔ اور اسی شوق میں وارہندوستان ہوا۔ اول چند روز حکیم ابوالفتح گیلانی کی خدمت میں رہا۔ اس زمانے میں حکیم ابوالفتح کی بزم ادب حسین ثنائی۔ سید محمد نجفی۔ حیاتی گیلانی اور اور بہت سے شعرائے نامی سے آراستہ تھی۔ عرفی نے اس مجلس میں اپنی قادر الکلامی کا سکہ بجا دیا۔ اور صدر نشین سے لیکر ارکان تک سب نے اس کے کلام کو پسند کیا۔ اسی عرصہ میں اس کی ملاقات فیضی سے ہوئی جو شاہزادوں کا استاد اور بادشاہ کا مقرب تھا۔ اس کو بھی عرفی کی طرز جدید مرغوب ہوئی۔ ان منازل کو طے کرتا ہوا عرفی خانخانان کی درگاہ میں باریاب ہوا۔ اور اس بزم گرامی کے شعرائے نامور کی صحبت سے فیضیاب۔ خانخانان نے عرفی کی پوری قدر کی۔ چنانچہ معمولی آداب اور کونش سے اس کی باریابی مٹتی تھی۔ اور مجالس میں نشست بالاتر۔ اس زمانے میں عرفی کا میلان طبع کلام عاشقانہ عارفانہ کی طرف رہا اور اسی میں ترقی کرتا رہا۔ نہایت بلند ہمت اور عالی فطرت تھا۔ اور اہل زمانہ ہندوستانی اور حسن کلام کی وجہ سے اس کا اعزاز کرتے تھے۔ ۹۹۹ء میں بمقام لاہور رحلت کی۔ کسی نے تاریخ کئی استاد بشیر لاہوری میں دفن ہوا۔ ۱۰۰۰ء میں میر صابر اصفہانی نے اس کی لاش نجف اشرف میں بجا کر دفن کر دی۔ یہ اس حسن عقیدت کا صلہ تھا جس کا پھر اس شعر میں ہوا ہے

پکاؤں شرہ از گورنا نجف بردم اگر بند بچ کم کنند و گربہ تار

(انتہی غلامتہ)۔ عجب اتفاق ہے۔ تقریباً ۱۰۰۰ء میں عرفی کا کلیات مرتب ہوا۔ ۱۰۰۰ء میں اس کے جسم نے بھی ہندوستان کو خیر باد کہہ دی۔ گویا وہ اس انتظار میں تھا کہ اس کا ادبی کارنامہ پایہ تکمیل کو پہنچے تو وہ اس سرزمین سے قطع تعلق کر لے۔

عرفی کا انداز سخن مولف دیا ہے۔ عبدالباقی نے مختلف ادوار کے طرز سخن سے بحث کی ہے۔ لکھتا ہے کہ شعراء کے طبقہ پیشین میں معنوی زردی کی دغیر نے کو سس استاد ہی پایا۔ اس طبقے کے

بعد سلسلہ بیان مولانا غلامی اور امیر خسرو تک پہنچا دیا ہے۔ اس طبقے کے بعد اور اساتذہ ہوئے ہیں
تک کہ بادشاہ دانا دل سخن شناس۔ سلطان حسین مرزا فرمان روائے ہرات کا زمانہ آیا۔ اس عہد کے
اساتذہ مولانا جلی میر علی شیر نوائی۔ بابا غفانی۔ اہل شیرازی۔ گسی۔ خواجہ آصفی اور میر شاہی نے انداز کلام
میں ایک گونہ جدت پیدا کر کے ایسی طرز ایجاد کی جو روش متقدمین سے تجاوز اور اس عہد کے مستعدوں
کی طرز سے ملتی جلتی ہے۔ (واضح ہو کہ اس موقع پر دیباچہ نگار نے غلط بحث کر دیا ہے۔ دراصل تجدید
روش کا سہرا غفانی کے سر ہے۔ باقی جن اساتذہ کا نام لیا گیا ہے ان کی طرز عرفی وغیرہ کے کلام سے
بالکل جدا و متعارف تھی، با بر خواجہ آصفی کے کلام کی بے نیکی سے سخت نالان ہے، اس طرز کو اہل
ذوق نے پسند کیا۔ اور طرز مذاہق و صندوق میں آرام گزین ہو گئی۔ اس طبقے کے بعد ایک اور طبقہ
بزم سخن میں آیا۔ مثلاً مرزا شرف جہان۔ نسائی۔ شریف تبریزی۔ محکم کاشی۔ جنشی یا فقی۔ ان اساتذہ
نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اور انداز متاخرین سے قریب تر آ گئے۔ اب نوبت مرزا علی قلی سیلی خواجہ
حسین شنائی۔ دلی دشت بیہی۔ ملک قلی۔ مرزا حسینی۔ نظیری۔ عرفی وغیرہ۔ شعرائے بلاد خراسان
کی آئی۔ یہ طبقہ کسر طرز متقدمین سے منکر ہو گیا۔ خواجہ حسین شنائی نے سب سے زیادہ طرز بازہ میں گام لیا
کی۔ تمام ایران اس طرز کے دل دادہ ہو گئے اور اس طبقے کے اشعار کو سفید سینہ میں ثبت کر لیا۔
جو کلام ان کی زبان سے نکلتا تھا بادشاہ کی طرح ایران کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک
پہنچ جاتا تھا۔ مولانا عرفی کا دور آیا تو اس نے طرز متقدمین و متاخرین دونوں کو منسوخ کر کے وہ طرز
اختیار کی جس کے سننے سے گوش اہل ہوش خزن در بدن بن گئے۔ اور وہ انداز سخن رائج کیا
جس کا سکہ اب ربیع سکون میں روان ہے۔ ہندوستان میں قیسی نے اور ایران میں حکیم
رکنائے سہی حکیم شنائی۔ شنائی تھکونے اپنی اپنی طرز کو طرز عرفی سے آشنا کر دیا۔ اس طرز میں عرفی
سے پہلے کسی نے استقلال پیدا نہیں کیا تھا۔ ابتدا عرفی کی جدت طرازی کو نہ صرف لوگوں نے

نا پسند کیا بلکہ اس پر اعتراض کرتے تھے۔ غافلان کی تربیت دوسر پرتی نے اس کا سکہ سارے عالم کے
دولوں پر بٹھا دیا۔ "اے چرخ از کمرت۔ طبع او فروخت و این نام نہی بدولت تویمت و اصلاح اینان
بہسم رسانید۔"

رسالہ نفسہ عبدالباقی کے دیباچہ کے بعد کلیات عرفی شروع ہوتا ہے۔ اول رسالہ نفسیہ ہے۔
اے نفس "اے نفس" ہمارے نفس کو نصیحتیں کی ہیں۔ فرصت کو غنیمت سمجھنے۔ ریا و مکر اور خود پسندی
سے بچے۔ محبت کو بھن رکنے۔ معرفت الہی خالصاً لوجہ اللہ حاصل کرنے وغیرہ مطالب کی تاکید و تشویق
پر زور الفاظ میں ہے۔

ثنوی رسالہ بالا کے بعد دو مثنویاں ہیں۔ ایک مجمع الابکار مولانا نظامی کی مخزن الاسرار کے
جواب میں۔ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ یہ چھپ گئی ہے۔ دوسری فرادوسیرین۔ بجواب شیرین خسرو۔ مولانا
نے لکھا ہے کہ "آتشکدہ اور مجمع البصائر میں اس کے اشعار نقل کئے ہیں" یعنی یہ ہے کہ یہ چھوٹی سی مثنوی
عرفی کی شہوانیابی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ گرمی سخن ملاحظہ ہو۔

خداوند ادم بے نور تنگ است	دل من تنگ کوہ طور تنگ است
دل را غوطہ دہ در چشمہ نور	تجلی کن کہ موسیٰ ہست در طور
و گرزین نامسز ازل عار داری	کہم بسیار و دل بسیار داری،
دے دہ چون محبت پاک دامان	دے پاکیزہ گوہر تر از ایمان،
دے مرہم گداز آرام نشانس	لبش مست میکدہ نہائے الماس
دے ریشہ لہ وقت کاوش نیش	نہ اواز نیش، نیش از وی شود ریش
برافرو آتشی در سینہ من،	کہ سوز و راحت دیر نیہ من،
در آن آتش نکل جان مرا ز شش	دلکین شونیاہ فرش تا عرش،

برونم ز آتش دل دارا ورتب درون بحر سے کن از آتش لبالب
در آن بحر لباب ز آتش تیز، چنان طوفان بیتابی بر آنگیز
کہ چنگام ہجوم موج بر موج، تھینش مضطرب تر باشد از اوج
پوشان چہرہ ام را خلعت زرد بنوشان سینہ ام را شربت درد
چہ شربت آب کوثر ائمت اد گلو سوز محبت لذت او،

قصائد - قصیدے تعداد میں چھیٹھ ہیں۔ مطبوعہ نسخہ (مدرسہ ۱۲۶۶ھ میں باؤن ہیں) اس طرح قلمی نسخے میں چودہ قصیدے زائد ہیں۔ ان میں سے بعض ناممکن ہیں۔ قصائد کے بعض اوراق بھی درمیان میں سے تلف ہو گئے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے زیادہ نہیں۔

غزلیات - غزلین ۵۱۹ ہیں۔ مطبوعہ نسخہ میں ایک غزل بھی نہیں ہے۔ عرفی کی اصل محسر آفرینی غزل میں ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

گفتگوئے غم یعقوب بود پیشہ ما بوسے پیرا بن یوسف بود اندیشہ ما
اندان بیشہ کہ ما شیر و شیم آفت نیست روبہ انجگریری دم کند از بیشہ ما
کو کین صنعت ما داشت ولی زرق کبوتر قوت بازوئی دل می طلبد تیشہ ما
در دل ما غم دنیا غم معشوق شود بادہ گر خام بود بچہ کند شیشہ ما
عرفی افسانہ تراشی بخوشی بفرخت خدا محمد کہ آزاد شد از بیشہ ما

دیگر

مرو بیا دیہ گردی کہ زرق و شیدائی است برنگی مطلب کان لباس رعنائی است
زبان مبینہ و نظر باز کن کہ منبع کلیم کنایت از ادب آموزی تقاضائی است
دماغ یوسف اگر تر کنند کف میرد ازان شراب کہ در سفر تماشا می است

نقاب می کشد ای دل تمام حوصله شو
چنین کہ بردم شمشیر و دشمنی غلطم
شہید عافیت آن کرشمہ ام کز مہر
بنوق دوست چہ سازم کہ در نصرت عشق
کہ باز وقت شراب کرشمہ پیمائی است
حسود را رسد اگر گویدم کہ ہر جای است
تمام نقش طرازی و شہدائی است
خیال بے ادبی و نگاہ رسوائی است
مگر کونست گنگار تر ز من عسری
کہ این حدیث گرانایہ لالت بختی است

دیگر

مرا ز نکلہ سینہ داغ می روید
تو پائے کعبہ رو آما دہ کن کہ در ہر گام
ز بزم گاہ محبت چراغ می روید
ہزار خضر بر او سداغ می روید
ز بانغ لالہ و از لالہ باغ می روید
کہ از خرابہ ماثب چراغ می روید
نسیم باغ کہ بر مغز آستین افشاند
کہ روضہ روضہ گل از دماغ می روید

مگر ترانہ عرفی کے پگلشن برد

کہ بانگ در دزدستان ز داغ می روید

دیگر

نفس کہ غمزدہ او بہ صفت بلا نشسته
بجوہری بہر بہت مامفشان نیاز دامن
بہ ہوائے دل سیجا بر وفا نشسته
کہ غبار درد و حسرت بزار مانشسته
شود آشکار فردا کہ براہ و عدہ او،
ز غم بہشت و دوزخ دو جہان جدا نشسته
ز رہ و فادہ دین کو کہ گزشتہ دامن آستان
کہ غبار کو چہ ما بر تو تبا نشسته
روم از جہان و شادام کہ براہ و تاقیت
ز خیال غمزدہ او حشم بلا نشسته

ز دعا چہ کام جویم کہ میان تنگ دین
ہزار ناامیدی اثر دہانستہ
تو دوزم عیشِ عرفی من و کوچہ کہ ہر سو
سرخون چکان قتل دل بنواںستہ
یہ غزل حضرت امیر خسرو کی طرح پر ہے ان کا مطلع ملاحظہ ہو۔ دوسرے مصرع میں مذمت
تشبیہ قابلِ داد ہے۔ ۷

بجالی خوش چشم ہلاںستہ
چو قید گر دہلی ہمہ جایاںستہ

رباعی

رقم بجا زہ کیے تن کہ نسر دے
مد سال ز باغِ عیش گل چید و ببرد
گفتم چہ برون بردی ازین باغِ دہا
گفتہ دل پر خون و تو مسم خواہی برد

دیگر

گا ہے ہوس از دہنیتِ بسم
کہ مضطرب از بیمِ جمعیتِ بسم
یاد دست در آویز و یا سا آچند
باز بچہ دستِ ہر نیتِ بسم

دیگر

جہدے کہ گسستن نفس نزدیک است
فریادی کن کہ وادرس نزدیک است
گر قافہ بگذشت قدم نہ کن
بتاب کہ آواز جوس نزدیک است

دیگر

جسمے بدت گریہ و آہ آوردند
جسمے ہمہ دیدند و نگاہ آوردند

جسمے دیدند خواہشِ عفو تا
رفتند و جهانِ جہان گناہ آوردند

شوخ چشتی معارف - مصرع اول میں خواہش کی جگہ عالم ہوتا تو کیا خوب ہوتا۔ جناب

باری عز اسمہ کے لئے خواہش کا لفظ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ جہاں جہاں کے لئے عالم کس قدر مناسب و موزون ہے۔

حال میں طاہر نصیر آبادی کا نایاب تذکرہ دستیاب ہوا۔ دو فغانی اور میرزا دہلوی نے اکثر اس تذکرے کا حوالہ دیا ہے۔ طاہر نے (جو نظیری و عرفی کا ہم عصر ہے) معاصرین کا تذکرہ لکھا ہے۔ اس واقعات کے لحاظ سے خاص پایہ رکھتا ہے۔ عرفی کے حال میں لکھا ہے۔ ”صفائے ذہن“ اور ذکائے طبع سلیم“ میں تمام شعراء فارس و خراسان سے ممتاز تھا۔ غیرتی۔ قیدی۔ قدسی کے ہمعبتوں میں تھا۔ اس کی ابتدائی عمر شیراز میں گذری۔ آغاز کار میں شعراء و علماء کی صحبت میں مباحثہ و مناظرہ کے موقع اس کو ملے۔ اور قوانین شعر میں مہارت حاصل کی۔ اور صل و عقد نظم اور فنون سخن سے زاید از وصف آگاہی۔ ۹۲ھ میں ہندوستان روانہ ہوا، (گویا ۱۹ برس کی عمر میں ہندوستان آگیا) جن لوگوں نے اس کو دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ خوش طبع ظرافت دوست تھا۔ باوجود دعوائی شاعری کے معاصرین کو ملاقات کر دقت خوش طبعی کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتا تھا۔ (اس تعدیل سے) ”کم نپی و غرور“ کی جرح کی تلخی کم ہو جاتی ہے)۔ امید ہے کہ رفتہ رفتہ سلامت نفس بھی پیدا کر لے گا اس لئے کہ ”طبع مستقیم“ کو ”نفس سلیم“ درکار ہے۔ طاہر نے ”گوئید“ کر کے عرفی کی تاریخ وفات ۱۲۲ھ لکھی ہے۔ جو صحیح نہیں۔ لکھا ہے کہ مرض الموت میں یہ دو رباعیان زبان

اے مرگ مرا زیار شرمندہ مکن، نو میدم ازان گوہر از زندہ مکن،

یار آید و جان رو دہدایا نفی، بہت دہ و در قیامت زندہ مکن

ایضاً

عرفی دم نزع ست وہان ستی تو، آیا بچہ مایہ بارستی تو،

فردا ست کہ دوست نقد فروں مکن، جو یائے متاع سب و تہیستی تو،

دوسری رباعی کا جواب مرزا یوسف خان شہیدی نے دیا۔

رباعی

عرفی فرستی بدوست پیوستی تو درکشکاش زمانہ دارستی تو

ہنچ غم دوست مایہ دست ہی است خوش ہنچ کزین مایہ قوی دستی تو

اول رباعی مین دیکھو ایک دم کے مشاہد جمال پر عمر اید کو زبان کر کیا۔ دوسرا پہلو نہیں

چاہتا کہ دم آخر جو مشاہدہ جمال کی نعمت حاصل ہوئی اس کے سرور مین ہنگامہ نہایت خلل انداز ہو

نگاہِ روبرو۔ واقعات ختم ہوئے۔ افسانہ نہیں واقعات۔ واقعات کے نتائج پر

غور ہمیشہ سبق آموز ہے۔ آج "تعلیم و تربیت" بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ اور گردنِ غرور کی ہندی

حقیقت کے مشاہدہ سے معذور کر چکی ہے۔ افسانہ سے دیکھو کہ آج کوئی تربیت کاہ لہی

ہے جہاں عرفی کی قابلیت کے ادیب پیدا ہوں۔ لکھنا کہ عرفی کی کیا ضرورت ہے۔ بیسیون

یونیورسٹیاں آج بھی خاقانی و عرفی کا کلام پڑھا رہی ہیں۔ عرفی و خاقانی دکناران کے

کلام کے اہل ذوق سمجھنے والے بھی پیدا نہیں کر سکتیں۔ مانو گے کہ عرفی کا مرقی فن خانخانان تھا۔

جو جو ہر ایران نہ چمکا سکا بلکہ جن جو ہرون کی آبداری سے ایرانوں کی آنکھیں خیرگی کرتی تھیں

وہ ہندوستان کے ایک امیر کے دیوانخانے میں آکر اس آب و تاب سے چلے کہ ایک

عالم روشن ہو گیا۔ خانخانان میدان میں ایک فاتح ہے۔ اپنے وقت کا بہترین سپہ سالار۔

بزم میں ایک اولوغزم۔ فیض۔ مرقی علم و فن امیران امیر۔ اس پوٹلمونی کو دیکھو۔ تلوار اور قسم

دونوں جو ہر ریزہ ہیں۔ کلام پڑھو۔ ندرت میں ممتاز ہے۔

بہنگ رخنہ شد از بس گریستم مینو زنگ صحت ترم بسکہ زستم مینو

دیگر

بگیش مہر و فاحر و عمد بیکار است نگاہ اہل محبت تمام سوگند است
 ہمہ گیری ملاحظہ ہو۔ ایک طرف عرفی و نظیری اور دوسری سے ایرانی شعرا فیض تربیت
 سے مار ج ترقی حاصل کر رہے ہیں۔ دوسری طرف بھاشا کے کیشیر اصلاح لے رہے ہیں۔
 بھاشا کا ادب ترقی پا رہا ہے جن لوگوں نے بھاشا کے علم ادب کی تاریخ لکھی ہے اس کا
 ایک دور خانانان کے زیر تربیت قائم کیا ہے۔ تیسری طرف واقعات باری کا ترجمہ ترکی
 سے فارسی میں ہو رہا ہے۔ یہ زمانہ نوکالات انسانی کی سراج کا ہے۔ میری تنگ اور محدود
 معلومات میں قابل شکر اضافہ ہوا اگر ان حیثیات کا جامع زندہ انسان بتایا جائے جو خانانان میں
 جمع تھیں طلسم کد حیرت ہنوز ختم نہیں ہوا۔ عرفی و نظیری کے کمال کا مربی کس کے دہن
 تربیت میں پلا تھا۔ جلال الدین اکبر کے جو امی تھیں تھا۔ بیرم خان عبدالرحیم کو چار برس کا چھوٹا
 اس عالم سے راہی ہوا تھا۔ تاریخ دیکھو۔ اکبر نے دشمن کی یادگار کو دربار میں شامل کر کے اپنی
 نگاہ کے سامنے پرورش کیا۔ سترہ برس کی عمر میں پہلے معرکہ جنگ میں سرخرو ہوا۔ اکبر
 کی تربیت نے علم و ہنر کے جو دریا بہائے تاریخ فارسی تو اس سے بے بہرہ نہیں مگر مرغیوں نے
 ایک سبق ہم کو یاد کر دیا ہے۔ ”اکبر مسلمان نہ تھا اس لئے ملک نے ترقی کی۔“ مسلمانوں
 کی تاریخ اتنی مردم خیز ہے کہ اس میں نہ اکبر عجیب ہے نہ خانانان مگر عجیب امر یہ ہے کہ مسلمان
 اپنی ہی تاریخ سے سب سے زیادہ بگمان ہیں۔ وجہ۔ جہل و لاعلمی۔ فاعتر و ایا اولی الالبصا



”ہنوز دلی دُورست“

(ایک مشہور ضرب المثل کی تاریخ)

از

جناب مولوی عبدالعاجد صاحب بی اے

کہا دو تین افدلیں ہر زبان کے سرمایہ ادب کا ایک اہم جزو ہوتی ہیں۔ ہر کہادت یا ضرب المثل اپنی
میں تاریخ اور شیر چرا کا ایک خاصہ قیمتی خزانہ مخفی رکھتی ہے لیکن عموماً استادِ زمانہ کے ساتھ یہ دینیہ اور زیادہ
قعرِ زمین میں دفن جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا موقع و نشان بالکل مٹ جاتا ہے۔

اکثر اہمیت کی صورت آفرینش یہ ہوتی ہے کہ کسی مشہور شخص کی زبان سے کسی مشہور موقع پر کوئی نغمہ
نخل جاتا ہے جس میں اختصارِ لفظی کے ساتھ جامعیتِ معنوی ہوتی ہے اور جو کسی وسیع مادی، اخلاقی، یا معاشرتی
حقیقت کا عطر اندر چھوڑ جاتا ہے۔ اس قسم کے مقولہ عام زبانوں پر بے اختیار چڑھ جاتے ہیں، اور کثرتِ استعمال سے
کچھ روز میں ضرب المثل کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ الفاظِ زبانوں پر چچاتے ہیں، لیکن لوگ یہ بھول جاتے ہیں
کہ اول اول کسی زبان سے اور کس موقع پر ادا ہوئے تھے،

”ہنوز دلی دُورست“ فارسی زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہے۔ اردو میں اکثر اس کا مجسمہ استعمال
ہوتا ہے۔ ادیبی اس کا ترجمہ کر کے ”ابھی دلی دور ہے“ بولا جاتا ہے۔ بہت کم شخص کو اس کا علم ہو گا کہ یہ
مقبولہ ابتداً کس شخص کی زبان سے ادا ہوا تھا؟ کس موقع پر ادا ہوا تھا؟ اور اس وقت سے اس کا چلن
کیونکر چل گیا؟ خوش قسمتی سے تاریخ کے صفحات ان سوالات کے جواب میں بالکل خاموش نہیں۔

آٹھویں صدی ہجری کا زمانہ ہمدی کی پہلی چوتھائی کے خاتمہ میں پانچ سال کا عرصہ باقی ہو رہی تھی۔ سرزمین حسب معمول تاشا گاہ عبرت و انقلاب بنی ہوئی ہو خسر و خان، ایک کم نسب نوجوان، بادشاہ وقت قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کر کے خود تخت نشین ہو جاتا ہے۔ اور تمام مشائخ شہر کی خدمت میں بڑے بڑے گران قد زندانہ پیش کرتا ہے۔ تقریباً کل حضرات نذرین قبول فرماتے ہیں، لیکن نذر کو بہ طور امانت اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں کہ ممکن ہو انقلاب حکومت غریب دوسری کروٹ لے اور اس وقت یہ رقم واپس کرنا پڑے۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الہی کی سطح خیال ان مادی مصلحت اندیشوں سے ارفع ہے۔ آپ کے یہاں یہ روپیہ آتا ہے۔ اور اسی وقت فقراء و مساکین پر صرف ہوتا ہے۔ جس بزرگ کے لشکر خانہ کی وسعت کج افسانہ کی طرح ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے۔ اور جس کا معمول یہ تھا کہ جو نہیں نذرین داخل ہوتین، فی الفور فقراء پر تقسیم ہو جاتین، اور عینک بال تقسیم نہ ہو لیتین، خاطر مبارک بقرار دشغول گریہ رہتی، اس سے بجز اس کے اور توقع ہی کیا ہو سکتی تھی۔ غرض ادھر جاہ و ثروت کے تاجدار نے روپیہ بھیجا، اور ادھر فقر و مسکنت کے اورنگ نشین نے معاً اسے لٹا دیا۔

مورخ فرشتہ، اس مقدمہ کو سیر الاولیا کے حوالہ سے لکھتا ہے:-

”منقول است، کہ خسر و خان بعد از قتل بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ بخت نشستہ دولک با سہ لک تنگہ بہت ہریک از مشائخ فرستاد و غیر از سہ کس... بہکی قبول کردند، اما اکثر اہانت نگاہ داشتہ و چغ نہ کردند، مگر شیخ نظام الدین اولیا کہ پنج لک تنگہ خسر و خان را با تمام ضرر فقر و اندو“

لے۔ ”و چنانکہ شیخ نور الدین مسعود پنج تنگہ گرفتہ بود، و فرستہ ہفتاد تنگہ دہ طبع او صورتی شد۔“ (فرشتہ، جلد دوم، مقالہ دوازدہم) لے۔ ”اگر دتے قوتے گران رسیدے، اگر یہ اختیار کر دے، دیدہ بیشتر فرمودے، کہ زود تر فقرہ کنید، و ساعۃ فناءتے کسان ہی فرستاد کہ فقرہ کردند، چون می شنید کہ در حال قسمت کردند، و بہ محتاجان رسانیدند، خاطر مبارک قرار گرفتے۔ و در ہر جمعہ تجرید فرمودے، و مجرہ با و انبار خانہ افغانی کرنا شدے، چنانچہ چاروبی دادند۔ بعدہ در مسجد جہر رفتے۔“ (سیر الاولیا، جلد ۱)

(تاریخ فرشتہ، جلد ۲، مقالہ دوازدہم، ذکر سلطان الاولیاء۔)

چار ماہ کے بعد زمانہ نے کر دلیٰ خسرو خان مارا گیا، اور عثمان سلطنت سلطان غیاث الدین تغلق کے ہاتھ میں آئی، اس جدید فرمانروا نے تخت نشین ہوتے ہی خزانہ عامرہ کا جائزہ لیا، اور جو انخاص خسرو خان کی زرپاشیوں سے مستفید ہو چکے تھے، ان سے وہ قوم واپس لینا شروع کیں۔ اور اگر کسی شخص کی جانب سے اس باب میں تردد و تامل ہوتا، تو منادہ قہر سلطانی کا مستوجب ہوتا، بعد اکبری کا ایک مونی لکھتا ہے:-

”زر ہارا کہ خسرو خان در حالت اضطراب مردم آشکار کردہ بود، بازیافت نمودہ داخل خزانہ ساخت، و ہر کردار دوائے این قسم زراہمال نمودے در شدت و تعذیب افتادے۔“ (طبقات اکبری، جلد اول، مطبوعہ گلشنہ، ۱۹۲۰ء)

مصلحت اندیش مشائخ و علمائے یہ قہمیں اپنے خزانہ سے خزانہ شاہی کی جانب منتقل کر دیں، اور غضب سلطانی سے محفوظ رہے، سلطان المشائخ کے ہاں ردیہ کا جمع رہنا، چھلنی میں پانی کا ٹہرنا تھا، جواب آیا، کہ جو آیا، وہ اسی وقت صرت ہو گیا۔ بادشاہ کو یہ انکار قدرۃ ناگوار گذرا، اور شیخ کی آزار رسانی کا قصد کر لیا۔ فرشتہ کا واقعہ نگار قلم ان واقعات کو یوں بیان کرتا ہے:-

”بعد اچہار ماہ جون غازی ملک یعنی سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خان را کشتہ پادشاہ دہلی شدہ استقلال تمام ہم رسانیدہ در پے آن شد، کہ زربابت خسرو خان را از مردم بازیافت نماید، اکثر مشائخ بے تحمل و اہمال او نمودند، و شیخ نظام الدین اولیا، کہ صرف کردہ بود، بوجواب اقدام نمود، و پادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ سوہمراہی بہ شیخ ہم رسانیدہ بے عنایت شد۔“

ہر بزرگ و برتر ہستی کے حامدین و فغانین ضرور ہوتے ہیں، حضرت شیخ کے جو فغانین تھے، بادشاہ کو ناخوش و دلیکھ کر ان کے حامدانہ جذبات کو اپنی تشفی کا موقع نظر آیا۔ انھوں نے سلطان المشائخ

کی جانب سے بادشاہ کے کان ان روایات سے اور بھرے کہ شیخ سارا وقت سماع میں مصروف رہتے ہیں جو تواتر شروع ہو بادشاہ کو چاہئے کہ قہقارے وقت کی خدمت میں محضر پیش کرے اور علمائے شریعہ سے مباحثہ کر کے شیخ کو مغلوب کرے۔ فرشتہ کے الفاظ میں

”جیسے کہ با شیخ عداوت و حسد داشتند و مکر سماع بودند و خدمت یافتہ بعض رسانیدند کہ این شیخ جمیع مریدان خود غیر از سماع کار سے ندانند و سرود کہ در مذہب حنفی حرام است می شنود پس پادشاہ را واجب است کہ علمدار طلبیدہ محضر سے سازد و او را ازین فعل ناشر و عیبی نماید“

صاحب سیر الاولیاء نے جو حضرت سلطان المشائخ کے حالات میں سب سے زیادہ قدیم و مفصل بیان ہے، اس استان کو پھیلانے لکھا ہے، اور مخالفین کے سرخاؤں کے نام بھی لکھ دئے ہیں:-

”چون آفتاب دولت و کرامت و عظمت حضرت سلطان المشائخ بر جانیان طالع گشت و شوق سماع در علما و فضلاء و صدور و اکابر و ضعیف و سرعیت و دور و نزدیک کہ در جبلت ایشان چاشنی عشق نہاد بودند رسید و مغلطہ در عالم فتنہ و دلولہ عشق در دہائے ایشان جمید و کارستانی و عشق بازی و سماع و دیر جان از سر تازہ شد و عالم بوستانے گشت..... خارجہ مدعیان این کار با چنانچہ مورد و دارند از سر غلبدین گرفت و دہائے این تہصب در دل داشتند کہ بدین فی توفیق..... و نیز چون بیشتر اکابر و علما و صدور و اولیاء و امراء و لوک و متربیان بادشاہ ہمد را بندہ و معتقد حضرت سلطان المشائخ می دیدند، مجال دم زدن نبود چون دیکے سر پوشیدہ می جو شیدند و در بندہ این می بودند مگر پادشاہ درین باب مہرے کند تا جراحت حسد باہ لوک زبان برآوند..... الغرض در عہد سلطان علاء الدین و قطب الدین علیہما الرحمۃ اندیشہ ایشان کار نیامد و باز خوانندہ چون تحت سلطنت بغیاث الدین تغلق انار اشد برانہ رسید، شیخ زادہ حامد الدین فرمایا کہ پادشاہ غریبی دفعائے سلطان المشائخ کشادہ بود و انواع تربیت و شفقت سلطان المشائخ پرورش یافتہ

اودانہجبت انکھ سر شہرت داشت سید مجاہدہ باورلاہا کشید چون در عشق و ذوق عشق تہنہاہ
بودند میسری شد بدین بہانہ خواست کہ خود را شہرہ کند بخت موفغانے حضور او پایدار کردند.....
کفی جلال الدین لوانی نائب حاکم مملکت در تعجب اہل عشق شہرہ بود و دانستند ان دیگر شیخ زاد
حسام را بختند و پیشوائے خود ساقند تا پیش بادشاہ باز ناید کہ شیخ نظام الدین ہر مقدمائے عہد
است بلکہ کہ در مذہب امام غلام حرام است می شنود و چندین ہزار خلق درین کار کہ در شرع
منوع است متابعت اوی کنند شیخ زاد مذکور قریب پیش سلطان ہم یافتہ بود این سخن بہ سب

سلطان رسانید و ملے

مباہتہ ہوا اور فتح حضرت سلطان المشائخ کے ہاتھ رہی۔ بادشاہ کو مجبوراً سکوت اختیار کرنا پڑا،
اور شیخ کو ظاہری اعزاز و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ لیکن دل سے کہہ دیت گئی چند روز کے بعد ہمہ تن نکال
پیش آئی، وہاں سے پیام بھیجا کہ عنقریب دلی واپس پہنچا ہوں میری واپسی تک دلی خالی کر دیں۔
ورنہ انجام بہتر نہ ہوگا۔ محبوب الہی بہت ضبط و صبر سے کام لے چکے تھے اس وقت غیرت خنی کو حرکت
ہوئی، آپ کی زبان سے میا خستہ نکلا کہ

”ہنوز دلی دورا است“

بادشاہ جنگ میں مظفر و منصور ہو کر فاکانہ جذبات کے ساتھ کوچ کرتا ہوا دلی واپس آ رہا تھا۔
سارا شہر استقبال کیلئے آمادہ ہوا اور دیہہ نے پایہ تخت سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک عارضی محل
تعمیر کرایا کہ یہاں دم لیکر بادشاہ فازی شہر میں داخل ہو۔ بادشاہ نے یہاں پہنچ کر آرام کیا، اور مختصر
قیام کر کے کوچ کا حکم دیا۔ امراء و ارکان دولت عجلت کے ساتھ اپنی اپنی سواریوں کی جانب منسوب
ہوتے ہیں، خود بادشاہ طعام خاصہ سے فراغت کر کے ہاتھ دھو رہے، کہ دفعۃً قہراہی کی بجلی گرتی ہے
قصر نہدم ہوتا ہے اور بادشاہ چشم زدن میں مع پانچ پانچ رفیقوں کے پیوند خاک ہو جاتا ہے۔ عام خلعت

ملکہ برادر بادشاہ فرزند
دلی کی طرف سے
دلی

کے قلوب اس عبرت ناک واقعہ کے سخت متاثر ہوئے ہیں، اور ہنوز دلی دروست، کالہامی نقوہ اسی وقت سے زبان زد عام ہو جا تا ہے۔ فرشتہ کا بیان ہے:-

”بادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ اگرچہ جب سب ظاہر پر شیخ بیخ نمی گفت، و معارض احوال شیخ نمی شد، لیکن ہچنان خوش خاطر داشت، و قلیک از جنگالہ عازم مراجعت بود، یہ شیخ بیخ نام فرستاد کہ تا آمدن من بہ دہلی نہ باید بود، و بعد ازین از غیاث پوریرون روید۔ شیخ در آن وقت رنجور بودہ، جواب داد کہ ہنوز دہلی دور است، و آخر چنان شد، کہ یہ دہلی نہ رسیدہ، کہ قصر تغلق آباد بر سرش فرود آمدہ ہلاک شد۔ . . . و ہنوز لفظ دہلی در راست میان اہل ہند مثل شہرہ علیہ

ملاحظہ فرمائیے، جو عہد فیروز شاہ تغلق کے مستند مؤرخ ہیں، اور جنہیں سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ انتہائی عقیدت تھی، اس حادثہ کو غایت حزن و اہم کے ساتھ اپنی تاریخ میں درج کرتے ہیں اور اس کے بالکل غیر متوقع ہونے کی بنا پر اس سے عبرت و بے ثباتی عالم سے متعلق نتائج نکالتے ہیں:-

”دران مہر س کہ سلطان تغلق شاہ مایہ خاص پیش طلبید، و طعام خرچ شد، و ملوک و امراء دست شستن بیرون آمدند، و ماعتہ بلائے آسمانی بر زمینان نازل شد، و صفت صفہ کہ سلطان تغلق شاہ در زیر آن نشستہ بود، یکایک بر سلطان افتاد، و سلطان با پنج و شش نفر دیگر زیر صفت آمد و بچار رحمت حق پیوست، آنچنان عالم کشائے دیہا نگیرے کہ در جہان نمی گنجید، و چہا رگز گوردنوں گشت۔ . . . بہن عبرت عالمیان را کافی ست کہ بادشاہ اقیلم ہند مہد مایہ نفع کردہ و مظفر و منصور و در عزرات و ارال ملک خود رسیدہ و روے اہل بیت خود دیدن نیافت۔ از تحت گاہ سروری در شکم خاک مسکن و مادی ساخت علیہ

لے تاریخ فرشتہ، جلد ۲، مقالہ دوازدہم۔ ذکر حضرت نظام الدین اولیا۔ لے تاریخ فیروز شاہی، ضیاء برنی، ص ۲۵۴

در مطبوعہ انشیاک سوسائٹی (کلکتہ)

ملا عبد القادر بلایونی، جو عبد اکبری کے مشہور مورخ ہوئے ہیں، ان واقعات پر یوں روشنی ڈالتے ہیں
 ”مردم چون دانستہ بودند کہ سلطان بہ سرعت سواری شود، دست نداشتہ ازان خانہ برآمدند، و سلطان
 بہ تقریب دست شستن ازان خانہ بر نیامد، تا وقت انجا نشست، و قہر بر سر او افتاد.... و دھیان اہل
 ہند مشہور است کہ سلطان غیاث الدین تغلق با سلطان لکشخ چون سورجراج داشت از راہ کھنوقی
 پنہام پیش فرستاد کہ بعد ازان کہ من بہ دہلی رسم باشم، انجا باشد رہن۔ شیخ فرمود ہنوز دہلی دور است
 و این سخن ازان روز ضرب المثل گشتہ شہرت یافت۔“

عبد اکبری کے ایک دوسرے وقایع نگار ملا نظام الدین احمد ہروی ان الفاظ میں ان واقعات کو
 ثبت تالیخ فرماتے ہیں:-

”سلطان تغلق شاہ، بہ جماعت کہ بہ استقبال آمدہ بودند، دآن قہر شست، و ماندہ بھل کشیدند،
 چون طعام برداشتند، مردم دانستند کہ سلطان بہ سرعت سواری خواہ شد، دستہا ناگشتہ برآمدند،
 سلطان بہ تقریب دست شستن انجا ماند۔ دثائے این حال سقت خانہ افتاد، و سلطان در تہ
 آن بہ جوار رحمت تہی پیوست.... و مشہور است کہ چون سلطان تغلق از خدمت شیخ نظام الدین
 اولیا رنجیدہ بود، بہ شیخ پنہام نمود کہ چون من بہ دہلی برسم، شیخ از شہر بدر رود۔ شیخ گفت، ہنوز
 دہلی دور است۔ و این نقطہ در میان اہل ہند مثل شدہ است۔“
 فرشتہ نے ایک اور مقام پر بھی ان حوادث کا تذکرہ کیا ہے:-

”سلطان باجماعت کہ بہ استقبال آمدہ بودند، دآن قہر شستہ بر خوردن ماندہ شغول شدند چون
 سفرہ برداشتند و مردم دانستند کہ بادشاہ باین دم سواری خواہ شد، دستہا ناگشتہ برآمدند....“

لے منتخب التواریخ، عبد القادر بلایونی، جلد ۱، ص ۲۵۹۔ مطبوعہ انشیا لک سوسائٹی (کلکتہ)

لے طبقات اکبری، نظام الدین احمد ہروی، جلد ۱، ص ۱۹۹۔ مطبوعہ انشیا لک سوسائٹی (کلکتہ)

موجودہ کے تعلیمات پر ایک نظر

از

حاجہ محمد ضیاء الدین صاحب، مقیم شانتی بھیمٹان،

کسی قوم کے افراد کی مجموعی کیفیت نفسی اس قوم کی طبیعت و مزاج کہلاتی ہے، اور اقوام بوجہ اختلاف حالات ایک دوسرے سے مزاج و طبیعت میں مختلف ہوتے ہیں، انکی حیات اجتماعی کی بنیاد اسی مزاج پر ہے اور اسکی زندگی و موت پر قوم کی حیات و موت کا مدار یہی مزاج ان کے آئینہ تہذیب میں سمورت پذیر ہوتا ہے۔ اور یہی عام کیفیت نفسی ان کے تمدن میں ظاہر ہوتی ہے۔ حیات اجتماعی کی ترقی و منزل پر قوم کی ترقی و منزل منحصر ہے۔ یہ نپولین نہ تھا جس نے فرانس کو آزادی دلائی بلکہ اہل فرانس کا عام احساس آزادی تھا جس نے نپولین پیدا کیا۔ اگر آج ہندوستان اپنی زیرست غلامی کو محسوس کرے کل آزادی کی سب راہیں اس کے لئے کھلی ہیں۔

اس مزاج قومی کی ساخت میں غالب حصہ تعلیم کا ہوتا ہے۔ جذبات انسانی کو عارضی طور پر دبا دینے میں یہ تعلیم اکثر کامیاب ہو جاتی ہے، مثلاً یہ موجودہ تعلیم ہی کے باعث ہے کہ ہم ہندوؤں کے جذبات آزادی اور عقائد روحانی دبے ہوئے ہیں۔ تعلیم اُس زمین کے اجزا ہیا کرتی ہے۔ جس سے دغبت قومی کی جڑیں اپنی غذا حاصل کرتی ہیں جب کہ تمدن مزاج قومی کو ہی تعلق رکھتا ہے۔ جو معنی آب و ہوا اپنی نباتات کی نشوونما سے واسطہ رکھتی ہے، تعلیم و تمدن ہی دو عنصر ایسے معلوم ہوتے ہیں جو مزاج قومی کی ترکیب میں زیادہ مستعمل ہوتے ہیں۔ لیکن عنصر تعلیم سیاست، اہم اور کہیں زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ یہ قوم کی عام حالت علمی ہے جو اس کے عام اخلاق و اطوار، اس کی

تہذیب و تمدن اور ترقی و تہذیب کی ذمہ دار ہے۔

حکومت نے تعلیم کی اہمیت کو محسوس کیا، اور نہایت دانشمندی سے آتے ہی نظام تعلیم کو چاروں طرف وسعت دی، خاص خاص مقاصد و مطالب مد نظر رکھتے ہوئے قلب قومی کی تربیت شروع کی اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی صدی کے اندر اندر وہ اپنے مقصد یعنی مفید انسانوں کی بار بار قی کے قی، پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی، طلباء کا بچوں سے نکلنے ہی پولیس انسپکٹر، وکیل آفس کلارک، جسٹریٹ، پوسٹ ماسٹر اور ڈپٹی کلکٹروں کی مختلف صورتوں میں نمودار ہونے لگے۔

اس تعلیم کا مدار حفاظت نفس پر نہیں رکھا گیا، جو یورپ کے فلسفیوں نے قرار دیا تھا۔ بلکہ مقصد اس نفس حکومت کی حفاظت نہ رہا، اگرچہ عام طور پر یہ راز معلوم نہ ہو لیکن کسی شے کے نتائج سے اس کے مقصد اصلی تک پہنچنا مشکل نہیں۔

جائے اس کے کہ مقصد تعلیم، حق شناسی اور قوائے فطرتی کا نشوونما ہوتا۔ اس کا منشاء اولین زبان انگریزی قرار دیا گیا۔ اس کی تحصیل اشد ضروری ٹھہرائی گئی۔ اور اگرچہ ہندوستانی کے لئے کوئی تعلیم نہیں۔ یونیورسٹیوں کا مقصد ملک کی تعلیم نہ تھا، بلکہ وہ شے تھی جو غیر ملکی نظام حکومت سے تعلق رکھتی ہو۔ وگرنہ ہندوستان ایسا جاہل و بے خبر ملک نہ تھا کہ اس میں علمی کاشت کے لئے نہ صرف علم کابج، طرز کاشت (یعنی طریق تعلیم) بلکہ زمین کے لئے مٹی یعنی ساری زبان کی زبان ہی ستا سمندر پار انگلستان سے منگوانا پڑتی۔ ہندوستانیوں کی ترقی میں ان کی مادری زبانیں حامل گئیں اور ان کا طریق زندگی ہی ان کی رکاوٹ کا باعث۔

زبان بول سے وہی تعلق رکھتی ہے جو آئینہ میں منعکس شدہ شکل، بت خود آرا کے حسین چہرے سے تعلق رکھتی ہو۔ زبان اہل زبان کے دونوں کی صورت علمی کا عکس ہوتا ہے۔ قوم کی علمی ترقی پر زبان کی ترقی منحصر ہے۔ یہ وہ قدرتی طریقہ اظہار ہے جو سیکڑوں صدیوں سے اہل ملک کے ساتھ

ساتھ ترقی و منزل افلاس و فارغ البالی نعم و خوشی سکے چکروں سے گذرتا ہوا، موجودہ شکل و صورت میں پنچا تھا۔ تعلیم میں اس زبان ملی کی بجائے غیر ملی زبان کو واسطہ تعلیم ڈاؤنیا، دیڈو دانستہ اس قوم کی قومیت کو فنا کرنا ہے۔ اور یہ غیر قدرتی فعل اس قوم کے قوائے عقلیہ اور اس کے تمام دماغ قومی کے خلل و بربادی کا باعث ہوتا ہے۔

زبان انسان کے دل سے تعلق رکھتی ہے، اور ہم ہندوستان میں کہی اپنے دل جیسی شے کے مالک تھے، وہ زندہ تھا، سوچتا تھا، احساس کرتا تھا۔ اور اپنا اظہار کرتا تھا، دوسروں کا علم قبول، اور خود جدت و اجتہاد کرتا تھا، "ایسا قلب" ڈاکٹر ٹیکور لکھتے ہیں۔ "اٹھائے تعلیم میں کچھ کارآمد ہو سکتا تھا؟ ہمارے صنویہ تعلیم کی نظردوں میں نہ آسکا۔ ہم وہ دل رکھتے تھے جس نے غور عمیق اور اپنے اندر گہرا احساس پیدا کیا تھا۔ اس نے اپنی قوت کے مطابق مسائل موجودات کے حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہندوستانیوں کی تعلیم کا مقصد، اسی قلب کو تلاش حقیقت اور جہان بھی وہ حقیقت صادقہ ہوا سے اپنا بنالینے میں مدد دینا تھا، اور پھر اس کا علانیہ اظہار کرنے میں حوصلہ افزائی کرتا تھا، ہندوستانی دماغ دنیا کی سب قوموں سے زیادہ فلسفی و علمی قابلیت رکھتا تھا، اس کا مقابلہ نہ یونانی کر سکے نہ کوئی دوسری قوم۔ لیکن ان یونیورسٹیوں نے ہمیں از سر نو پڑھانا شروع کیا۔ گویا دنیا کی درسگاہ میں ہندوستان نے اس سے پہلے کہی کوئی سبق نہیں پڑھا تھا، اور تعلیم بھی دی تو وہ جسے نہ علم سے کچھ سروکار اور نہ پچاسے ہندوستانی کی زندگی سے۔

انسان کا دل آغاز انسانیت سے ارتقاء و تغیر کے راستے طے کرتا ہوا، ایک خاص مقام تک پہنچا تھا۔ اہل مشرق بھی ایک خاص راستہ پر اپنی منزل مقصود کی طرف کام لے رہے تھے، کہ ہر شے اپنے مقصد اصلی کی طرف جا رہا ہے، اور یہ تو معلوم ہے کہ رجحان اس کا اہل یورپ کے میلان طبیعت کے عین مخالف تھا، اور خاص کر ہندوستان کا منہائے کمال، اہل یورپ

کے فلسفہ زندگی کے عین برعکس لیکن موجودہ نظام تعلیم میں اس قلب کی خاصیت مزاج اس کی روح اس کے رجحان اور اس کے مقام علمی کو جو بے شمار صدیوں کے تجربہ و تحقیق کے بعد حاصل ہوا تھا، نظر انداز کر دیا گیا، اور اس بات کی مطلق پروا نہ لی گئی کہ یہ تعلیم جس کا مقصد اہل مشرق کے مذاہب و فلسفہ کے عین متضاد ہے، ایک ایسی علمی و اخلاقی تباہی کا خوف دلاتی ہے کہ جس کے نتائج نہ فقط حکومت ہی کے لئے باعث شرم ہونگی بلکہ تمام دنیا کے لئے وجہ نقصان۔

ہر قوم کی شخصیت کی بنیادیں اس کے علوم و فنون اس کے تمدن اور اس کے فزلیج میں ہوتی ہیں۔ یہی چیزیں قومی درخت کی جڑیں ہیں، اگر ان کو صحیح غذا نہ ملے ان کی ترقی اور نمو برابر جاری نہ رہے تو اس درخت کا سولہ کمر جانا یقینی ہے۔ کسی قوم یا ملک کو اس کی ملکیت علمی، اس کی تہذیب اور اس کے فنون سے محروم کرنا جو اس کی ذاتی جدت، طبع اور تخیل کا نتیجہ ہوں، اور جو صدیوں کی متفقہ محنت، غور و فکر کے ثمرات ہوں ان کی درس گاہوں سے یکفلم اڑا دینا اس قوم کو جڑوں سے اکھیر دینے کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر ٹیگور کہتے ہیں کہ ہندوستان کے طول و عرض میں ایک بھی یونیورسٹی تو ایسی نہیں جو کسی ملکی یا غیر ملکی طالب العلم کو ہندوستان کے مرز و قلعہ کی بہترین پیداوار سے بہرہ ور ہونے میں مدد دے سکتی ہو۔ اس کے لئے بہن فرانس اور جرمن کے دروازے کھٹکھٹانے پڑتے ہیں۔

اس وقت تمام ہندوستان میں ہندوستان ہی کی تاریخ قدیم کا ایک بھی عالم ایسا نہیں جو پروفیسر سلوان لیومی (فرانس) کا مقابلہ کر سکتا ہو، ہندوستانی تاریخ دان اس کے سامنے طفلانِ مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جب یونیورسٹیوں نے ہندوستان کو گونگا بھی اور زبانِ انگلستان سے اس کے لئے اپنے ساتھ لائین، تو یہ امید رکھنا کہ وہ ہندوستانی قوم کو ایک ایسی قوم سمجھتے جو موسیقار ہو،

ناممکن تھا۔ یونیورسٹیوں نے ہندوستانی موسیقی کو اس طرح ٹھکرا دیا جیسے وہ قلب انسانی سے کچھ تعلق رکھنے والی شے ہی نہ تھی، اس کو تعصبات تعلیم میں ناجائز سمجھا گیا، لیکن ایک گانے کو مستثنیٰ کرنا پڑ گیا یعنی

RULE BRITANNICA GODS SAVE THE KING - موسیقی دنیا کے اعلیٰ ترین فنون میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ بغیر اس کے قوم کوگی ہی، اور یہ قوم کی دولت ہے، یہ دوسرے فنون کی طرح ترقی پذیر ہے اور قلب قومی کے ساتھ ترقی کرتا ہے چونکہ تاجروں کے آفسوں میں اور عہدہ حاصل نہیں اس لئے یونیورسٹیوں میں بھی اس کی ضرورت نہ تھی۔

یونیورسٹیاں قائم کر دی گئیں، جو ترویجِ علم کے پردے میں، سروس اور نوکری کی سندیں عطا کرنے لگیں، جن کو نفسِ تعلیم سے کچھ تعلق ہی نہ تھا، طلباء کا امتحانوں کے چکر سے، کاغذاتِ سند لئے ٹھکانا اس لئے نہ تھا کہ وہ علم حاصل کر چکے ہوں، وگرنہ ڈگری جیسی یہودہ اور لاطینی شے دنیا میں کوئی نہیں، اگر ٹیگور اس ڈگری یا تسمہ جماعت کو جنہیں عموماً تعلیم نہ کہا جاتا ہے، ”سند یافتہ امیدواروں کا گروہ“ کہیں تو اس میں شک ہی کیا ہے!

اس تعلیم کی قدر و قیمت ضرورتِ ملکی اور اقتصادِ سیاسی پر منحصر ہے، نہ انسان کے اپنے معیارِ صداقت پر، اس تعلیم کو ضرورت کے لحاظ سے حاصل کیا جاتا ہے، نہ بلحاظِ صحت و صداقت۔ اور جب مقصدِ تعلیم کامیابی ہو، تو وہ تعلیمی بے ایمانی اور جیسا ٹیگور کہیں گے ”صداقت سے بے وفائی“ کے بغیر ممکن نہیں۔

اگر ہماری تعلیم کیلئے عالیشان عمارتوں کی ضرورت ہوتی تو قدیم اہل علم تاج کی سی خوبصورت اور محلاتِ شاہی کی سی عظیم الشان یونیورسٹیاں قائم کرتے۔ لیکن یہ مردہ عمارتیں دل زندہ سے کچھ نسبت نہ رکھتی تھیں۔ تعلیم تہذیبِ قلب و دماغ کا نام ہے جس طریقہ سے یہ کام انجام دیا جاسکتا تھا اس کا نمونہ گزشتہ زمانہ میں قائم کر چکے تھے، انہیں گزشتہ یونیورسٹیوں کو ترقی دینا موجودہ نظامِ تعلیم کا کام تھا۔

ترقی اس قدر ترقی ارتقا کا نام ہو جس میں عمل تبدیل تو ضرور واقع ہوتا ہے لیکن اس عمل میں گذشتہ سے وابستگی بھی ویسی ہی ضرور اور لازمی ہے اگر اثنائے ترقی میں تعلق منقطع ہو جائے تو وہ ترقی نہیں پہنچے ہوگی، بلکہ تباہی و بربادی ہی،

لیکن حکومت نے چاہا کہ یورپین ترقی کو ہندوستان میں منتقل کر دیا جائے، چنانچہ اس نے اپنی یونیورسٹیوں کے نمونوں کو ریل گاڑی اور جوٹ ملوں کی طرح ہندوستان میں سب طرف جاری کر دیا، وسیع و رفیع عمارات مع تمام ضروری فرنیچر اور انگریز پرنسپلوں کے ہندوستان کیسے ہمیا کر دی گئیں، لیکن معلوم نہ تھا کہ ترقی میں نقل مکانی ممکن نہیں، وہ تو نشو و ارتقا کے قدرتی کا نام ہے۔ لہذا اپنا پیدا ہونے ہی سے اپنا ہو سکتا ہے کسی بیگانہ جوان کو اپنا فرزند حقیقی نہیں بنا سکتے۔

یہ یونیورسٹیاں ایک غیر ضروری اور مصنوعی طریقہ تعلیم میں جنہیں ہندوستان جیسے قدرت پرست ملک میں رائج کرنا سخت غلطی تھی۔ لیکن ہندوستانیوں کا بھی اس میں قصور ہے کہ وہ ان کی عظمت ظاہری، کثرت معلّٰی اور ڈگریوں کی دھوم دھام میں ایسے محو ہوئے کہ نفس تعلیم ہی کو یونیورسٹی کے اندر بھول گئے، اور چونکہ تمدن نے اس تعلیم کو کامیابی کی صورت میں پیش کیا، وہ اس کے نقائص کے سمجھنے سے قاصر رہے۔

ڈاکٹر میگو نے بنگلہ زبان میں ایک چھوٹا سا قصہ ”طوطا کہانی“ لکھا ہے، جس میں وہ طوطے کی تعلیم کے پردے میں ملکی تعلیم کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ ”راجہ طوطے کی تعلیم کا حکم دیتا ہے۔ پروفیسر ایک جلسہ کر کے یہ رائے پاس کرتے ہیں کہ چھوٹے سے گھونسلے میں بڑا علم سما نہیں سکتا۔ چنانچہ سونے کا ایک بہت بڑا قفس تیار کیا جاتا ہے۔ ساریلوں پر لا کر انعام و اکرام لیجا تا ہے، اور اس کا گھر بار سب بغیر غت زندگی بسر کرنے لگ جاتے ہیں۔ کتابوں کی نقلیں کر دیا کر انبار لگا دیا جاتا ہے اور نظام تعلیم کی دھوم دھام، اساتذہ کی بھیل بھار، تعلیم کی شان و شوکت کو آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ تماشائی

آتے ہیں اور واہ واہ کرتے ہیں ”پسندے کی قسمت: نفس تو ہوا“ لوگ تعلیم پر نیکہ چینیان کرنے لگتے ہیں، کوئی کہتا ہے ”تعلیم ہو نہ ہو نفس تو ہوا“ دوسرا کہتا ہے ”نفس تو ہوا، تعلیم بھی ہوئی یا نہیں“ بادشاہ کے کانون تک یہ خبریں پہنچتی ہیں، طوطا منگوا لیا جاتا ہے، وہ نہ بولتا ہے، نہ کو دتا ہے بادشاہ اسے ہاتھ میں لیکر دباتا ہے، پیٹ میں سے کس کس آواز نکلتی ہے۔ قدرتی غذا نہ ملنے اور بندشوں کی وجہ سے طوطا مر جاتا ہے،.....

باوجود ان تمام غیر ضروری اخراجات کے جب تعلیم کے عام اور جبری ہونے کی درخواست کی گئی، تو مصارف کا مطالبہ ہوا، جب تمام ملک کی آمدنی کا قریباً نصف حصہ یعنی چالیس یا پینتالیس فیصدی فوجی اخراجات پر صرف کیا جاتا تھا، اور فقط تین فیصدی صیغہ تعلیم پر، اور جس کا حصہ کثیر شاید آدمے سے کہیں زیادہ پر پبلوں پر، فرنیچر پر اور معمولی اور دوسرے درجہ کے معلومات، کے کتب خانوں پر صرف ہوتا تھا، غریب ہندوستانی کو ان تمام چیزوں کی جن کا مجموعی نام یونیورسٹی کی ضرورت نہیں، ہندوستانی صداقت پرست ہر وہ صحت و خوبی کا عاشق ہے، ہندو ہو یا مسلمان یہ ایشیا کا خاصہ ہے، اور یہ وہ نسی ہے جو یورپ میں نہ اب ہے نہ کبھی تھی۔ اہل یورپ ظاہر پرست اور پُر غرور ہیں، ان کی تہذیب سے تصنع اور خواہ مخواہ کی ظاہر پرستی نکلتی ہے۔

ہندوستانی تعلیم کے لئے فقط اس معلم کی ضرورت تھی، جو حقیقت مشرق کا راز دان ہو، مغربی جاہل کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم علوم مغربی کی ضرورت نہیں سمجھتے، نہیں ہرگز نہیں۔ لیکن ہم اپنے علوم حقہ کے عوض مغرب سے کچھ خریدنا نہیں چاہتے۔ اور شاید پہلا کام جو گورنمنٹ نے کیا اور جس میں شاید وہ سب سے زیادہ کامیاب رہی، گودہ کامیابی عارضی ہو، ہندوستانیوں کے دلوں سے مذہبی روح کا اڑانا تھا۔ اس کام میں تمدن مغربی سے دوش بدوش حصہ لیا۔ اور اس تعلیم نے ہماری بنیادیں اکھڑنے کی کوشش کی۔

ان یونیورسٹیوں نے ہندوستان کو خالی اور بے بضاعت ظاہر کیا، انھوں نے ہندوستان کی علمیت کی نمائندگی نہ کی، ان کی تعلیم کی قدر و قیمت سیاسی اور ملکی ضرورت حاضرہ پر منحصر ہے ہندوستان میں ایک بھی یونیورسٹی ایسی نہیں جو ہندوستان کے علوم و فنون اس کی تاریخ وغیرہ کو پیش کر سکتی ہو۔ ٹیگور کے ریاکار نہایت ڈانٹاں گے ہو کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ ”یونیورسٹیاں کا سہ گدائی ہیں کچھ کچھ ہیں، جن سے ہندوستانی علم کی بھیک مانگتے ہیں۔ یہ یونیورسٹیاں ہماری عقلی خود داری کی توہین کرتی ہیں، وہ ہمیں سکھاتی ہیں کہ مانگ لینا ہمارا کام ہے، پیدا کرنا ہمارا کام نہیں۔ مانگے ہوئے پردوں کی زیب و زینت کی احمقانہ نمائش کرنا، وہ ہمیں سکھاتی ہیں، انسان کی عقل کو اپنے کمال پر فخر ہے، لیکن جب یہ فخر و وقار غیر عقلی اور مادی فوائد کی اہمیت میں دب جاتا ہے تو ایک عقلی انسان کیلئے سخت ذلت کا باعث ہے، لیکن ٹیگور لکھتے ہیں کہ ہماری تعلیم ہی اس ذلت کو برداشت کراتی ہے، علم کا احساس ہمارے دلوں سے انھوں نے اڑا دیا، پانچ فیصدی طلبہ بھی ایسے نہ ملینگے جنہیں اپنے مضمین سے وہی تعلق ہو جو علم کو انسان کے دل سے ہوتا ہے۔ زندہ دل تعلیمی مشینوں نے مردہ کر دئے اس نوع کی یہ دلیل ہے کہ زندہ دل کا کام علم پیدا کرنا ہے، دل ایک سمندر ہے علم کا۔ اور تعلیم کا کام اس علم کو باہر نکالنا ہے جس قدر دل تعلیم باہر سے حاصل کرتا ہے، اس سے کہیں زیادہ وہ اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے، دنیا کی بڑی بڑی تصانیف پڑھی نہ گئی تھیں بلکہ لکھی گئی تھیں۔ اہل دل نے انھیں لکھا تھا، اب دیکھتا ہے کہ ہندوستان نے اس سے کچھ زیادہ دیا کہ جس قدر اس نے ان یونیورسٹیوں سے حاصل کیا تھا، زیادہ کیا معنی، وہ اتنا بھی نہ دے سکا کہ جتنا اس نے لیا تھا، یہ قلب کی ایک مردہ صورت ہے۔ وہ تعلیم جو پیدائش علم کا باعث نہ ہو تعلیم نہیں،

میدان تعلیم نے علم کا منبع مغرب کو قرار دیا، اور تمدن نے مغرب کی تقلید سکھائی میاں صداقت خوبی حقیقت نہ رہی بلکہ تہذیب مغربی یورپ کی تہذیب کا مرکز سرزمین ہندوستان سے بہت دور ہے، اور ہندوستان

کی زندگی یورپ کی تہذیب سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ یورپین تہذیب کبھی ہندوستانی تہذیب نہیں ہو سکتی لیکن موجودہ زمانہ میں اسکی امید کجیاتی ہے۔ اور یہ نامکن ہے۔ نیگیور کہتے ہیں کہ اگر ہم یورپ کو اپنی روشنی کا شہر چترارون تویہ کسی ستارہ کے طلوع پر جو کسی دور دراز کے آسمان کا سورج ہو صبح کی امید کرنا ہے۔ وہ ستارہ ہمیں کچھ روشنی دے سکتا ہے روز روشن نہیں، وہ ستارہ ہمیں جان و زندگی، رنگ و صورت نہیں دے سکتا، وہ ہمارے اپنے ہی آفتاب کا کام ہے۔ یورپ کی تہذیب اپنے زمانہ طفولیت سے گذر کر بلوغ تک پہنچی ہے۔ وہ قدرتی ارتقاء ملک کی نتیجہ ہے، وہ ان کی روح ہے، وہ ان کی زندگی میں ساری ہے، وہ انھیں سے مخصوص ہے۔ لیکن یورپ کی تہذیب کا درخت اکھاڑ کر ہندوستان کی آب و ہوا میں لگانا حماقت ہے۔

اس سے غلط فہمی نہ ہو کہ نیگیور مغربی علوم، سائنس اور نئے فنون کی ضرورت اہل مشرق کے لئے محسوس نہیں کرتے، نہیں ایسا نہیں ہے، وہ تو کہتے ہیں کہ ہمارے اپنے علوم و فنون کی جلا کیلئے مغربی سائنس کی ضرورت ہے، لیکن وہ اس مصنوعی نظام تعلیم کے سخت مخالف ہیں، کہ جس کا مقصد ہمارے قلب فومی کے طرف کو غیر ملکی تعلیم کے مواد سے بھر دینا ہے، نیگیور مغربی علوم کے حامی ہیں (اور اس بات میں ہمارا تاجی کے خلاف وہ انھیں حقیقت کا دوسرا رخ سمجھتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ مغربی علوم ہماری غذا ہونے چاہئیں نہ کہ گرد کا بوجھ۔ یونیورسٹی میں مضامین کی زیادتی ان کے نزدیک بیل کی پیٹھ کے بوجھ میں اضافہ ہے، جو اسے بازار میں بیچا ہے، نہ اس کی آسانی و سہولیت کی وجہ،

ان تمام خرابیوں کو دیکھتے ہوئے جبکہ میں نے مختصر تذکرہ کیا ہندوستان میں مختلف شخصوں نے مختلف مقامات پر درس لگائے ہیں۔ ڈاکٹر نیگیور کا شاہی نیکیتان (دالاسن) ان تمام درس گاہوں میں ایک ممتاز و منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ میرا مقصد اسی شاہی نیکیتان یونیورسٹی کے مقصد اور نصب العین کو پیش کرنا تھا لیکن موجودہ یونیورسٹیوں کے تقاضے پر نظر ڈالنا اس لئے ضروری ہوا کہ تعارف لایا جا باضلاحاً۔

مستزحنا



اجنتہ کی تصویر

جناب مولوی سید علی منیر صاحب بگلوری ناظم آثار قدیمہ، سرکار عالی، حیدرآباد دکن
ذیل کا مضمون، دکن کے مشہور سنگی آثار قدیمہ اجنتہ کی؛ تصویر دکن کے متعلق، موسیو
ایکسل یائل (Axel Yael) کے ناقدانہ خیالات کا ترجمہ ہے۔ موسیو
یائل کا شمار بالغ نظر و اندیزی مصورین میں ہے، اور مشہور عالم تصاویر اجنتہ کے متعلق
ان کی رائے بحیثیت ماہر فن خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔

غار ہائے اجنتہ کی قلمی تصاویر سے ہندوستان کے اعلیٰ درجہ کی فن تصویر کا حال منکشف ہوتا ہے
اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا حقیقی فن تصویر کس معراج کمال پر پہنچ گیا تھا، ہندوستان کی مضمون
ان کے مطالعہ سے ہدایت و بصیرت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ تصاویر مختلف لازمنہ اور مختلف النوع ہونے کے علاوہ صنائع و بدائع فن کے لحاظ سے
مختلف مدارج میں تقسیم کیا جاسکتی ہیں لیکن اس مختصر مضمون میں صرف ان مضمون کی کیفیت پر اکتفا کیا گیا ہے
جو بہترین کہلانے کے سخی اور ذرہ درست حالت میں ہیں (خصوصاً تصاویر غار ہائے نمبر ۱۰
۱۶ و ۱۷) اور غاروں میں تصاویر کی حالت نہایت ردی ہے۔

ان تصاویر میں رنگ گہرا اور صاف استعمال کیا گیا ہے اور ہمیت مجموعی رنگ میں ہی واضح کے قرون وسطیٰ کے مصری سراویب۔ پامپائی کے مکانات، اور اٹالوی کلیساؤں، کی تصاویر میں شوخی پائی جاتی ہے۔ یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اجنبی کی سنگی دیواروں پر مرد و ایام نے اپنے قدرتی رنگ کا غارہ چڑھا دیا جو چندہ سو سال قبل آغاز تعمیر کے وقت موجود نہ تھا۔

مجمع اور تنہا تھیل کے مرقعوں میں رنگوں کی بوقلمونی کا مطالعہ کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے مصوّر نگوں کی آمیزش اور اس سے تصویر میں حسن پیدا کرنے کے فن میں یدِ طولیٰ کتنی تھی

ان تصاویر کی ہمیت اجماعیہ نہایت پسندیدہ ہے اور ان میں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسکاں و صورت کا دو قدامت گرد و پیش کی وسعت و گنجائش سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماہران فن تصویر کو یہ منظور تھا کہ ان مرقعوں میں بڑی سے بڑی تصویریں اتاریں۔ ہر تصویر زبان حال سے اس قدر صاف لفظوں میں اپنی داستان سنا رہی ہے کہ اس کو ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ تماشائی کی توجہ خود بخود ان تھیل کی طرف منطقت ہو جاتی ہے جو تصویریں ہم آہنگ ہیں، ان کو عام تھیل کی چھٹاش سے ممیز کرنے میں مصوّر نے اپنا کمال دکھایا ہے۔

انسان، حیوان، یا نباتات کی فوق العادۃ تصویریں خط و خال، اور اسکاں و اوصاف کا اچھا نچ، یا گہرا اور ابھار، رنگ کو ملکا یا گہرا کر کے دکھایا گیا ہے۔ لیکن عمارات یا زمین کی تصویریں ان خصوصیات سے معرہ ہیں مثلاً دیواریں بغیر سایہ کے دکھائی ہیں اور سطح زمین ہموار گئی ہے۔ چٹانیں اور مکانات، دروازے اور آبدارے، اگرچہ معین اور یکساں طرز کے ہیں باوجود اس کے ایک ہی دیوار پر مختلف تصویریں کو ایک دوسرے سے ممیز کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ بلکہ ان چیزوں کے وجود سے تصویر کا ماحول زیادہ خوشنما ہو جاتا ہے، اور اسکاں و صورت

کی ہنگامہ آرائی میں نظر کو راحت و آرام میسر ہوتا ہے۔

.....

شبہ کے خط وخال نہایت واضح، اور تناسب اعضا، فطرت کے عین مطابق ہے اور تصویر کا تار چڑھا دہی بالکل صحیح ہے جس سے مجموعی طور پر اس میں نہایت درجہ دلکشی پیدا ہو گئی ہے۔ حالانکہ ساری تصویر میں ایک ہی رنگ کا استعمال کیا گیا ہے اور صرف حاشیہ پر رنگ کسی قدر گہرا دیا گیا ہے۔

اگرچہ روشنی اور سایہ کا لحاظ مد نظر نہیں رکھا گیا ہے یا بن ہنسہ سادے اور ابھرے ہوئے اشکال نمایاں ہیں اور سطح لازمی طور پر محفوظ رکھی گئی ہے۔

» بدھی سنی وا، (Roddhi Sattwa) کی شبہ میں (جو غار نمبر ۱- میں قد آدم سے

بھی بڑی ہے) یہ خصوصیت اپنے معراج کمال پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہے اور میکائیل انجیلو (Michael Angelo) کی تصاویر سے یہ شبہات تام رکھتی ہے۔ جتنی کہ بدھا بگے اس سر کی ایک اچھی تصویر درکاپی لاسکنی

(Capella Sixelina) کی کسی تصویر کے پہلو پہلو رکھ دیا جائے اور صورتوں کے اختلاف پر

نظر نہ والی جائے تو بادی النظر میں یہی تیس ہو گا کہ دونوں تصویریں ایک ہی استاد کے رشحات قلم کا نمونہ ہیں

مصویرین آئینہ تصویر میں حسن تاثیر پیدا کرنے کے لئے زیورات کا استعمال بھی کمبرت کیا کرتے تھے

کرے، کنٹھے، انگن، آویزے، نقاب، ہار، گجرے وغیرہ گردن انگلیوں اور سینہ پر استعد صفائی سے

پہنائے گئے ہیں کہ تصویر کا حسن دو بالا ہو گیا ہے۔

بیس کی تہوں، شکنوں اور گوشوں کی حالت دکھلانے میں باوجود سادگی کے بڑی استاد

صنعت کی گئی ہے اور اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان استادوں کو جسمانی حالت (موڑ توڑ) کا کیا

صحیح علم حاصل تھا۔

چلتی پھرتی (تحریک) تصویر دن میں زیورات بھی متحرک معلوم ہونے ہیں اور سر سے السیر تصاویر

مین ہٹے ہوئے گوشواروں سے تیز روی خف ہر ہوتی ہے۔

قد آدم تصاویر کا طرز نہایت مکمل اور اعلیٰ ہوا اور ان کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جسم انسانی کے مالہ و مایعہ کا انھیں کس قدر صحیح علم تھا کہ کسکی تناسب اور شبابہ کے نمایان کرنے میں بھی انھیں کامیابی ہوئی ہے۔ کئی تصویریں ایسی بھی مین کے سر سے پرتک اکثر اجسام انسانی کے عورتین تغیر واقع ہو گیا ہے مگر فطری سچ و صحت میں کوئی فرق نہ آنے پایا ہے۔ علیٰ ہذا حرکات و سکنات کے انتخاب میں بھی پوری آزادی کا کام لیا گیا ہے یعنی بعض خلاف قیاس تصویریں مین بھی زندگی اور واقعیت کی جھلک نمایان ہے۔ ایک گروہ (غادر، بڑا، کے جلو خانہ مین) بے پروں کے مصروف پرواز ہے باوجود اس کے ان کا میدان پرواز اس قدر وسیع اور طرز قرار تصنع سے اس قدر خالی ہے کہ یہ اسی منج سے چلنے پھرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔

جسم انسانی کے مختلف حالات و کیفیات کے اظہار میں ان مصویرین کو جو درجہ اجتہاد حاصل تھا اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اجنبیہ کو موجودہ تصاویر عالم پر وہ تفوق حاصل ہے جو آج سے ایک ہزار سال بعد کی تصویریں کو میسر آتا۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تشریح اعضائے انسانی کے فن سے یہ مصویر باخبر تھے باوجود اس کے چند مستثنیات کے سوائے کہی موقع پر اس فن کے اصول سے عدول بھی نہیں کیا گیا ہے۔ اجنبیہ کی تصاویر صرف ہنود کی قومی خصوصیات کی مختلف حالتوں پر پوری طرح عادی ہیں اور ان کی بدولت جسم انسانی کی زیبائش اور منوہیت کے ایسے ایسے نکتے ظاہر ہوتے ہیں کہ کسی دوسری جگہ ان کی نظیر ملنا محال ہے۔ ”بائی چیل“ (Bottle of Clay) کی دربار امارا (Prima) اور اجنبیہ کی بعض نسوانی تصاویر (غادر، بڑا کی داہنی طرف) آپس میں بھین بھین معلوم ہوتی ہیں۔

اجنبہ کے ان صنائع و بدائع کا ماز فطرت کے کامل مطالعہ میں مخفی ہے اور یہ نتیجہ صرف شخص کی کوششوں کا نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روایات اور تجربہ کی اعلیٰ درس گاہ میں مدتوں صبر و اہمک سے ریاضتیں کرنے کے بعد فطرت کے راز ہائے سر بہ پر دسترس ہوا ہے۔ اس مقام پر ہم کو کمال فن اور کمال تجربہ دونوں کی نظیریں ملتی ہیں۔ یہاں کی مکمل تصویر سے لیکر ایک چھوٹے سے چھوٹے موتی یا پھول میں بھی انتہائی غور و توجہ اور چابکدستی کا پتہ چلتا ہے۔ مجاز سے گذر کر حقیقی کیفیات کی بھی جھلک دکھائی گئی ہے اور اس کو شہر ترقی فن تصویر کا نصب العین اور نمایاں رخ کہا جائے تو بجا ہے۔ اس لئے کہ اس قدیم سے وہ امر و عین کو جامہ اصلی میں پیش کرتا ہے مثلاً تجربہ کا روناظر کو آنکھ نہایت ہی بے ذہنگی معلوم ہوگی مگر ارباب بصیرت کی نگاہ میں یہ دیکھ کر حیرت و تعجب ہو جاتی ہیں کہ انسانی آنکھ کی ماہیت پر اس زمانہ کے مصویروں کو کس قدر وقوف حاصل تھا۔ آنکھ کی تصویر اس قدر خوبی سے بنائی گئی ہے کہ ان کا داک لکیروں سے ہر شخص یہ قیاس کرنے پر مجبور ہے کہ یہ انسانی آنکھ کے سوائے اور کسی خیر کو ظاہر نہیں کرتی ہیں۔

مغربی مصویرین نے آج تک فنون لطیفہ میں جو کچھ ترقیاں کی ہیں وہ فطرت اور باقیات صلت کے بغیر مطالعہ کا ثمرہ ہے اور تذکرہ صدر واقعات سے اس امر کی تین شہادت ملتی ہیں کہ ازمنہ قدیم کے ان فن بھی اسی اصول پر عمل پیرا رہے ہیں۔ وہ ذاتی مشق و تجربہ سے اپنے دانشمندی کی قدیم روایات کو بھی قائم رکھا کرتے تھے اور یہی دواہم اجزاء ہیں جن کی پابندی سے خالص ہندوستانی فنون لطیفہ میں دور ارتقاء کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ یورپ کو یہ مرتبہ یونانی علم الآثار کے مطالعہ کے بعد نصیب ہوا اور ہندوستان کی اس بام رفعت پر ایک وقت رسائی ہو سکتی ہے جب کہ وہ اجنبہ کے دبستان ہدایت میں جا کر سرمایہ سعادت حاصل کرے جو شخص خالص ہندوستانی فن تصویر کی خدمت کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ اجنبہ کے اساتذہ سے تلمذ اختیار کر کے انہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے یعنی جسم، جسامت، اور حرکات کے اسرار غفیعہ کا علم حاصل کرنے کی خاطر اولاً کامل اہمک کے ساتھ مطالعہ فطرت میں مشغول رہنے

کی ضرورت ہی اس کے بعد آجیہ اگر گہرے اور مناسب الوان، اصلی اور کامل خط و خال، تشابہ اور دلائل و خطوط، المختصر اصلی ہندی طرز تصویر کا مذاق پیدا کیا جائے، ہدایت و بصیرت کی اس بلند مرتبہ درجہ میں کچھ زمانہ گزارنے کے بعد وہ بتدریج، ”مقدس آگ“ کے کسی نہ کسی شعلہ کو پاس کیگا۔ حتیٰ کہ اُس کا دل و دماغ وہاں کی اثر انداز یوں سے متاثر و محفوظ ہونا شروع ہو گا اور وہ صاف واضح خطوط کھینچنے پر قادر ہو جائیگا۔ انہی تاثیرات کا نتیجہ ہو کہ بدھ زمانہ کی ان بے نظیر صنایعوں کے مطالعہ سے تراثرین کے ملکہ شاعری کو ہیجان ہوتا ہے اور وہ بے اختیار ان کی مدح شان میں تر زبان ہو جاتا ہیں۔

”چہرہ داستان“

ایک پندرہ روزہ با تصویر رسالہ جس کا مقصد اردو زبان میں افسانوں ذرا مومن اور قدیم و جدید شاعری کا بہترین نمونہ پیش کرنا ہے چند سالانہ قسم اول سے، قسم دوم سے، قسم سوم (با تصویر و نائل) سے

”نو نہال“

”نو نہال“ بچوں کا ایک ہفتہ وار با تصویر رسالہ جو اپنی تمام خوبیوں اور لطیف فائدوں کے اعتبار سے بچوں کا اردو زبان میں بہترین رسالہ ہے،

چند سالانہ قسم اول چھ روپے سالانہ، قسم دوم (بلا نائل) چار روپے سالانہ، و دونوں رسالوں کے ملنے کا تہہ :-

دارالاشاعت ادب لطیف

لاہور

تَلْخِیْصُ تَبْصِیْر

فرقہ اہل حق

ایک پارسی فاضل، جی، کے زیرِ امان نے عنوان بالا سے عجمی کراؤنگل میں ایک طویل مضمون لکھا ہے، جس کا ہیڈ
مطالب کے بعد کہتے ہیں :-

ایران اور اس کے نواح میں ایک نہایت دلچسپ قوم "اہل حق" کے نام سے آباد ہے، مہنفین اسلام
میں صاحبِ دبستان مذاہب، ابنِ خرم، اور ہرستانی نے ان کا ذکر کیا ہے، مہنفین یورپ میں سے بہتوں
نے ان کا مطالعہ کیا ہے جن میں لالسنس، گوینیو، اور زوکودو کی قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن اب تک کسی نے براہ
راست ان کی کتب مقدمہ کا کافی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ البتہ حال میں ایک روسی فاضل نے جو اپنے بہت
سے ہومونوں کی طرح جلاوطن ہو کر فرانس میں پناہ گزین ہیں، ان کے عقائد پر فریج زبان میں ایک مبسوط و
محققانہ کتاب شمع کی ہے، اس فاضل کا نام ہنورسکی ہے، اور اس سے پیشتر وہ ایران و متعلقات ایران پر متعدد
مصنوعات شمع کر چکا ہے۔

فاضل موصوف کی تحقیقات کی مدد سے ہم کو اس فرقہ کے عقائد ذیل کا علم ہوا ہے :- پنج اندیا، اعظم ہوئے
ہیں، اور حضرت محمد اس سلسلہ کے خاتم ہیں، وہ انسان کے شیعہ ہیں، حکمتِ بالغہ اور عدلِ خداوندِ تعالیٰ
کے ساتھ مخصوص ہیں، اول و آخر کلامِ الہی وہ ہے جو بذریعہ وحی حضرت علیؑ پر نازل ہوا تھا، ارکانِ خمسہ
اسلام (ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) فرضِ عین نہیں، مسیح کی وفات نہیں ہوئی ہے، ان کی روح ان کے
جسم سے الگ ایک شے ہے، حضرت مسیحؑ اور حضرت علیؑ دو اصل ایک ہی ذات ہیں، متقیہ روا ہے،

یعنی جانوں کے سامنے اپنے عقائد کو غنی رکھنا چاہئے، البتہ حکم و قیام کے سامنے انکا اظہار کرنا چاہیو؛ حضرت علیؓ نے ظہرات باریؑ میں، جہاد کے معنی ظاہری قتال کے نہیں، بلکہ جذبات نفس کے ہلاک کرنے کے ہیں،

یہ عقائد کا سرسری خاکہ تھا۔ اعمال یہ ہیں کہ مرد اور عورت کے حقوق باطل مساوی ہیں؛ پردہ کرنا، لازمی نہیں؛ روزہ رکھنا فرض نہیں؛ تاہم عشر وین باہم روزہ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے تئیں علوی کہلاتے ہیں، علوی بہ معنی علی پرست۔ انکی کوئی مخصوص آسمانی کتاب نہیں، البتہ حضرت علیؓ کے مہیون علمی نوشتہ ان کے پاس ہیں جنہیں غنی رکھتے ہیں مرقہ نصیری اسی علویہ کی ایک شاخ ہے، عرب و مصر میں اس مذہب کا کوئی ماننے والا نہیں۔ ایران و عراق میں البتہ انکی آبادی بیش از تیس لاکھ کے دیرا ہوگی۔ اور شمالی حلب میں کوئی پچاس ہزار کی تعداد آباد ہے۔ انکی کچھ آبادیاں دیار بکر، ساونیکا، عدا وغیرہ میں بھی ہیں۔

ان کے پانچ انبیاء عظام حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت مسیحؑ، و حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ انکی مذہبی تعلیم کا سلسلہ سینہ بہ سینہ باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، جنت و دوزخ کی مادی شکل کے یہ قائل نہیں۔ ایک حد تک نتائج کے قائل ہیں۔ روح کی زندگی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوتی، بلکہ اسکا سلسلہ مختلف صورتوں میں برابر قائم رہتا ہے۔

جمعیت انسداد جنگ

پروفیسر رینڈرسل انگلستان کے ایک نامور فلسفی و اہل قلم ہیں، اور فلسفہ امن کے زبردست مبلغ؛ چنانچہ گذشتہ جنگ عظیم کے درمیان میں اپنے اسی فلسفہ صلح و دوستی کی تبلیغ کے جرم میں قید کی سزا بھی ملک کے لیے تھی۔ انکا ایک تازہ مضمون ”انسداد جنگ“ پر شائع ہوا ہے، اس کے اقتباسات ذیل نڈناظرین میں ہر مفید شخص، خواہ کسی سیاسی مسلک کا ہو خیالات ذیل سے ضرور اتفاق کریگا:۔

(۱) آئندہ لڑائیوں میں پہلی جنگ سے کہیں نام نہ ہونا کہ ہونگی خصوصاً ملک کی عام رعایا کے لئے،
 (۲) جب تک لڑائیوں کا سلسلہ قائم ہے، ہر جدید جنگ اپنی پیشرو سے بڑھ چڑھ کر ہوگی، تا آنکہ
 لوگوں میں اتنی تعلیم ہی نہ پائی رہ جائے، کہ جدید آلات تیار کر سکیں۔

(۳) اس مقصد کے حصول کے دو ہی ذریعہ ہیں۔ یا یہ کہ جنگ کا سبب کر دیا جائے، یا یہ کہ
 تمدن، اور اس کے ساتھ اس سائنس تک تعلیم کو جس نے انسان کشی کو اس بڑے پیمانہ پر ممکن کر دیا
 ہے، فنا کر دیا جائے۔

ایک مختصر بحث کے بعد پھر آگے چل کر وہ کہتے ہیں:-

”جو لوگ اس کے دل سے قائل ہیں کہ جنگ کا سبب کرنا موجودہ مسائل تمدن میں سب سے اہم ہے،
 انہیں پورے استحکام کے ساتھ اعلان کر دینا چاہئے، کہ انجام جو کچھ بھی ہو، وہ عہد کر چکے ہیں کہ
 آئندہ جنگ میں کوئی حصہ نہ لیں گے۔“

بیان یہ دعویٰ نہیں کیا جاتا، کہ ہر جنگ لازماً مضر ہی ہوتی ہے، البتہ یہ دعویٰ ہے، کہ

(۱) عموماً جنگ کا نتیجہ مضر ہوتا ہے،

(۲) آغاز جنگ ہوتے ہی جذبات غالب ہو جاتے ہیں، اور عقل یہ فیصلہ کرنے سے عاجز

رہ جاتی ہے، کہ موجودہ جنگ مضر ہے یا نہیں۔

(۳) کوئی نہیں کہہ سکتا، کہ فلاں جنگ جو جاری ہے، بالآخر مضر ثابت ہوگی یا نہیں۔

(۴) ایسی صورت میں بہتر یہی ہے، کہ ہر قسم کی جنگ سے محترز رہنے کا عہد کر لیا جائے، اور ضبط جنگ سے

دور رہا جائے۔

معمولی فرد رعایا جب اپنے کسی شخص کو قتل کر ڈالتا ہے، اور حکومت جب فوج کشی کر کے قتل و خون

ریزی پر آمادہ ہو جاتی ہے، تو دونوں صورتیں اصولاً بائبل ایک ہوتی ہیں، ایسے افراد میرے علم میں ہیں،

جنگ کا فنا ہو جانا دنیا کے حق میں بہتر ہو گا۔ لیکن یہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتا، کہ جس شخص کا مرجا نا ہم مناسب سمجھیں اسے قتل کرتے پھریں، بالکل ہی صورت حکومتوں کی ہے، جب وہ فوج کشی کا اعلان کریں جنگ کا خطہ جہاں ایک مرتبہ پھیلا، اس پر پھیلتا ہی چلا جاتا ہے، اور اس کا روکنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے مثلاً زمانہ ان میں انسان اپنے تئیں اس کے لئے مضبوطی سے تیار نہ کر سکے۔ اس لئے سب سے مقدم ضرورت یہ ہے کہ جو جو شخص جنگ کا ختمہ چاہتے ہیں، سب ملکر آئین ایک جمعیت قائم کریں۔

یہ بالکل ضرور نہیں کہ اس جمعیت کے تمام ارکان اپنے خیال کے اسباب و دلائل پر بھی متفق ہوں۔ اختلاف رائے ہونا ضروری ہے۔ کوئی کسی دلیل کی بنا پر جنگ کا مخالف ہو گا، اور کوئی کسی بنا پر تنظیم جمعیت کے لئے سب کا نتیجہ پر تہ ہونا کافی ہے، اس جمیت کا ہر رکن اپنے اوپر یہ لازم کرے، کہ اسباب جنگ پر پورا غور کرتا رہے، اور جس حد تک بھی اسکی بساط و مکان میں ہو، ان کے دفعیہ کی کوشش کرتا رہے، عموماً محارکات جنگ یہ تین ہوتے ہیں:-

(۱) نفرت و عداوت،

(۲) رشک و حسد،

(۳) حرص و طمع،

ہر شخص اپنا کچھ نہ کچھ حلقہ اثر ضرور رکھتا ہے، چاہئے، کہ اس میں ہر سبب اسباب ہالا کے دور کرنے کی چوک اہتمام سے سعی کرتا رہے۔

مضمون کا ختمہ اس عبارت پر ہوتا ہے:-

”انسان نے تنہا کی مدد سے قوائے فطرت کو مسخر کر لیا ہے، اور اب وہ ان قوتوں سے ایک دوسرے کے قتل و ہلاکت کا کام لے رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح نکل کا فائدہ قوائے شہوانی کی تہذیب و اصلاح کے لئے پوگیا ہے، اسی طرح حکومتوں کا مقصد اب یہی رہ گیا ہے کہ انسان کشی کے

مذہبات کو ترقی دیتا رہے، چنانچہ ہمارے قومی آمدنی کا پورا پچھترہ سالانہ جنگ و مشغلات پر صرف ہوتا ہے، مگر یہ یاد رہے، کہ جو قوم اپنا وقت سائنٹفک خون ریزیوں میں صرف کرتی ہے، وہ دنیا میں چند روزہ بھان ہوتی ہے۔

مدارس میں نقاشی اور موسیقی کی تعلیم

اس عنوان سے کریم طاہر زاد ہمزادہ ایرانی نے برلن کے فارسی رسالہ ایران شہر (صفر ۱۳۳۵ء) میں ایک مختصر مضمون لکھا ہے، ہمزادہ نے اس میں مشرقی مدارس کو نقاشی اور موسیقی کی تعلیم کی طرف متوجہ کیا ہے، اور اسی ضمن میں لکھا ہے کہ یورپ کے مدرسوں میں ان دونوں فنون کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے قوائے احساس میں صرف دو قوتیں سب سے زیادہ ہمہ گیر اور کثیر الاستعمال ہیں، یعنی دیکھنا اور سننا، جہاں اور سامعہ، اس لئے جس شخص میں یہ دونوں قوتیں جتن زیادہ ہوں گی، وہ اسی قدر زیادہ لطیف الاحساس، نازک خیال، اور تیز دہشت مند ہوگا، نقاشی چون کے باصرہ کو اور موسیقی سامعہ کو ترقی دیتی ہے، اور بصارت اور سماعت میں لطافت، نراکت اور تیزی پیدا کرتی ہے زبان بچہ کی ترجمان شوق صرف ہی دو قوتیں ہوتی ہیں، بچہ کا سننا اور رونائیں کی موسیقی ہے اور نچکا ہون کو گردش دینا اور ادھر ادھر جلدی جلدی دیکھنا اس کی نقاشی ہے، ان دونوں قوتوں سے اس کے تمام اندونی راز و گون پر ظاہر ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں فنون چون کے فطری احساسات کے نتائج ہیں، اور اس لئے ان کی ابتدائی تعلیم میں ان کے سب سے ابتدائی ذریعہ ترجمانی کو اگر کام میں لایا جائے، اور ترقی دی جائے تو بہت کچھ کامیابی ہو سکتی ہے۔ یورپ کے مدارس میں نقاشی اور موسیقی کے لازمی ہونے کا یہ منشا نہیں کہ ہر طالب علم نقاش اور ماہر موسیقی ضرور ہو، بلکہ یہ مطلب ہے کہ باصرہ اور سامعہ کے احساس میں نراکت اور لطافت ضرور ہو۔ چون کو اکثر دیکھا، انا ہو کہ وہ ٹی، ٹکڑی، کاغذ کسی نہ کسی چیز سے کچھ نہ کچھ بنائے اور کرتے رہتے ہیں، اور وہ اکثر کھیل کود میں کچھ نہ کچھ ٹی یا بے سری آواز نکالتے رہتے ہیں، اس سے بھی ان کی فطرت کا راز آشکارا ہوتا ہے اور اس لئے یہ ابتدائی طریقہ تعلیم کے بہترین ذرائع ہیں۔

اخْبَارُ عَلِيَّة

حکومت فرانس نے سو برس سے زائد ہوئے پیرس میں ایک مسجد کی تعمیر کا وعدہ کیا تھا، ایک مری گذر جانے کے بعد اب یہ وعدہ خدا خدا کر کے پورا ہوا، اور فریج گورنمنٹ نے بالآخر ایک مسجد اور مسلم انسٹیٹیوٹ کی تعمیر کا اہتمام کر دیا۔ زمین فریج گورنمنٹ نے بلا قیمت دیدی ہو، اور نقد سے بھی احانت کی ہو، یکم مارچ کو سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس تقریب میں میسکو کوئرٹ آف سکریٹری گورنمنٹ اور دیگر حکام نے حکومت کی جانب سے نیا بنیاد شریعت کی خوش قسمتی سے تمام مسلمانانِ عالم کے نمایندہ بھی اس موقع پر موجود تھے، مثلاً سفیر ترکی، سفیر افغانستان، سفیر مصر، معزین ہند، وینوس، والجزائر، وغیرہ، سلطان مراکش نے اپنا ایک مخصوص نائب اس غرض کیسے بھیجا تھا۔ مسجد سے متعلق ایک عالم، ایک دارالافتاء، اور ایک کتب خانہ بھی ہوگا۔ فریج حکام نے اس موقع پر جو تقریریں کیں، ان میں فرانس اور مسلمانوں کے اتحاد پر اچھے طور پر زور دیا، اور یہ کہا کہ ”حکومت فرانس اس امر واقعہ کو کسی حالت میں فراموش نہیں کر سکتی، کہ اس کی دس کروڑ رعایا میں پورے چار کروڑ کی تعداد مسلمانوں کی ہو، میسکو کوئرٹ نے کہا کہ ان اسلامی تعمیرات کا مقصد یہ ہو، کہ آئندہ جو مسلمان فرانس میں قدم رکھیں، انہیں کسی طرح کی تہنیت نہ محسوس ہو، بلکہ وہ اسے بھی اپنے وطن ہی کی سرزمین تصور کریں۔“

انڈین سنس کا مگرس کا دسواں سالانہ اجلاس، زیر اہتمام ایشیاٹک سوسائٹی، بمبئی، ۸۰۔
جنوری سے ۱۳ جنوری ۱۹۲۳ء تک، یہ مقام لکھنؤ منعقد ہونا قرار پایا جو۔ سر بار کوئرٹ بلڈ گورنر صوبہ متحدہ اس اجلاس کے سرپرست ہونگے، اور انہیں کے ہاتھوں اس کا افتتاح ہوگا۔ کانگریس کی صدرانجے نندراج

سر راویہ وسوسہ دوریہ کا انتخاب ہوا اور مختلف شعبوں کے صدر اصحاب ذیل ہوئے :-

- | | | | |
|----------|--------------|-------------------|-------------------|
| (۱) شعبہ | زراعت | ڈاکٹر کنچن پے | (مدارس) |
| (۲) شعبہ | طبیعیات | ڈاکٹر اس کے بھرجی | (کلاہ، بمبئی) |
| (۳) شعبہ | کیمیائیات | ڈاکٹر یلینوم | (احمد آباد گجرات) |
| (۴) شعبہ | نباتیات | سنر مارڈو | (پوسہ) |
| (۵) شعبہ | ارضیات | ڈاکٹر مسیکو | (کلکتہ) |
| (۶) شعبہ | حیوانیات | پروفیسر مہٹائی | (لاہور) |
| (۷) شعبہ | تحقیقات طبیہ | ڈاکٹر اسیرسن | (لکھنؤ) |
| (۸) شعبہ | انسانیات | ڈاکٹر مودی | (بمبئی) |

اجلاس کی باضابطہ نشستوں کے علاوہ کانگریس کی جانب سے متعدد پبلک میچ بھی ہوئے، نیز ممتاز ماہرین فن مختلف صورتوں میں اپنے سائنٹفک مشاغل میں پبلک کو شرکت کا موقع دینگے، کانگریس کے مستقل جنرل سکرٹری، ڈاکٹر سی، وی، رامان (دفتر کانگریس، نمبر ۲۱-۲۲، بؤ باز اسٹریٹ، کلکتہ) میں، اور موجودہ اجلاس کے مقامی سکرٹری، پروفیسر مسکین اور پروفیسر ولی محمد (لکھنؤ یونیورسٹی) ہیں۔

پیرسنس میگزین میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جن میں ان تدابیر لاکٹ اور ان آلات قتل و سفلی کی کسی قدر تفصیل بیان کی گئی ہے جن کو خاتمہ جنگ کے زمانہ میں مختلف مہذب ممالک کے مساحبان و دفع اختراع کر رہے تھے۔ یہ مضمون امیر المجر سر پرسی اسکات کے ایک تہمدی نوٹ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ مضمون کا حاصل یہ ہے کہ آئندہ جنگ، کیمیا دانوں کی جنگ ہوگی، اور زمین باسط سمندر پر نہ ہوگی، بلکہ کڑواؤ بھی ان پر سمنہ کی گہرائیوں کے اندر ہوگی جو قوم جنگ ہوائی میں زیادہ پر قوت ہوگی، نفع اسی کے

ہاتھ پائیگی۔ اس کو کہ ایسی تدبیریں ایجاد ہو چکی ہیں، جن سے آئندہ جنگ کی صورت میں سطح زمین پر رہتا ہوتا رہے۔ اس کے مقابلہ کو کچھ بھی ہوگا، وہ نقصانے بالابین ہوگا چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ایک فرنیچ طالب علم نے بارش روغن آتشین کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ ایک ہوائی ہوا میں چھوڑی جائے گی جس کے ساتھ ایک فیصلہ اور تیل کا ایک ذخیرہ ہوگا۔ جو ہی فیصلہ ہوائی تک پہنچے گا تیل میں آگ لگ جائے گی اور اس کی بارش زمین پر شروع ہو جائے گی جس سے ایک پوری جہنم چند منٹ میں جل کر تودہ خاکستر رہ جائے گی۔ اس حربہ سے پناہ صرف زمین دوز سرنگوں میں مل سکتی ہے، ایک تو پناہ ایجاد ہوئی ہے جس کا توڑ ایک ٹنچکس میل کا ہے، اس کی نال میں گولوں کا ایک کنارہ ہوتا ہے اور ہر گولہ کے سر ہونے کے ساتھ دوسرا گولہ بھی از خود سر ہوتا رہتا ہے۔ ابھی اس کا توڑ سوا سو میل کا ہے، لیکن آئندہ اور بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اس قسم کی بیس تو پون میں اگر زہریلی گیس واسے گولہ بھر دے جائیں تو سیکڑوں میل کے فاصلہ سے لڑیں پیرس، و برلن کا ۲ گھنٹہ کے اندر بالکل تباہ کیا جاسکتا ہے۔

بالیفور (امریکہ) میں ایک کارخانہ ہے، جہاں زہریلی گیس کی تیاری کیلئے ۱۰ لاکھ سیر کی مقدار میں زہر ہر وقت فراہم رہتا ہے۔ برطانیہ میں متعدد کمپنیوں کی کارخانہ ہیں جو روزانہ ۱۰۰ ہونے کی مقدار میں زہریلی گیس تیار کر سکتے ہیں، اسی طرح کے کارخانہ جرمنی، و فرانس میں بھی ہیں، نئی زہریلی گیس جو تیار ہوئی ہے وہ یہ تاثیر رکھتی ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی اگر انسانی تنفس میں آجائے، تو انسان معطل ہو جاتا ہے طیاروں کے ذریعہ سے یہ گیس جس قطعہ زمین پر بھی چھوڑ دی جائے گی۔ وہاں انسانی آبادی ناممکن ہو جائے گی۔ برطانیہ نے ایک برقی توپ ایجاد کی ہے، جو بجائے گولوں کے برقی شرار سے فیر کرتی ہے، اور جس کا اثر یہ ہوگا کہ بغیر کسی قسم کی آواز و شور کے بجلی کی طرح چشم زدوں میں پوری ملین کی ملین نذر آجائے

ہو جائیگی۔ اسی طرح کے میسین دیگر ہوناک وحیرت انگیز حالات ہلاکت یورپ کے ہر ملک میں ایجاد ہو چکے ہیں

جنرل آف منڈیل ہیوسٹن (امریکہ) کو ملک سلیبیریا سے ایک مراسلہ لکھا اور اطلاع دیتا ہے کہ ملک ہنگری میں ایک شخص کی حال میں نہایت خراب ہوئی ہے۔ جو اپنے قد و قامت و جسامت کے لحاظ سے صحیح معنی میں دیوہیکل ہے، اس کا نام کیزن لوف ہے۔ عمر ۲۴ سال کی ہے، اور قد کی درازی ۶ فٹ ۹ انچ کی ہے۔ اسی کے مناسب اعضاء کی جسامت اور جسم کی فزبی، کا سنہ سر کا دور ۲۵ انچ اور سینہ کا ۵۶ انچ ہے۔ پنجہ سے کہنی تک ہاتھ کی لمبائی ۱۶ انچ ہے، اور قدم کی ۲۶ انچ، وزن ۵ مین ۲۹ سیر ہے۔ غذا و ذرائع اتنی ہوتی ہے جتنی چار اچھے ہٹے کئے اور پرخور شخصوں کی ہو سکتی ہے۔ یعنی دن بھر میں یہ شخص ۱۵-۲۰ انڈے نوش جان کرتا ہے، ڈیڑھ دو سیر گوشت، چار پانچ سیر دودھ، پانچ چھ ڈبل روٹیاں، کئی سیر شراب، وغیرہ باوجود اس تن و نوش کے یہ دیوناؤ کام کاج کرنے میں بڑا ہی کابل ہے۔ دن کا بیشتر حصہ سونے میں صرف کرتا ہے۔ یہاں تک کہ چوبیس چوبیس گھنٹہ مسلسل بھی سویا ہے، اور جاگنے کی حالت میں بھی اکثر اٹھتا رہتا ہے۔

لودین یونیورسٹی، جسے آغاز جنگ میں جرمنوں نے غارت و برباد کر دیا تھا، اب از سر نو اپنے کتب خانہ کو درست و آراستہ کر رہی ہے۔ بربادی سے قبل اس میں پانچ لاکھ کتابیں تھیں، اب جل کر خاکستر ہو گئی تھیں، اب رفتہ رفتہ ۶۱۰۰۰ کتابیں پھر اس میں فراہم ہو گئی ہیں۔

ڈی بی نیوز (لندن) میں ایک مراسلہ لکھا ہے کہ برازیل (جنوبی امریکہ) کے بعض دور افتادہ علاقہ اب تک وحشی قبائل کے مسکن ہیں جن تک تہذیب و تمدن کی جھلک بھی نہیں پہنچی ہے۔ چنانچہ ایک پادرسٹر فریڈرک گلاس جو حال میں اس ملک کی سیاحت کر کے واپس آئے ہیں، وہ ان لوگوں کے چند عید

حالات بیان کرتے ہیں، ان کے مسکن تک پہنچنا آسان کام نہیں، پہلے مسلسل چار دن تک ریل پر سفر کرنا ہوتا ہے پھر تین ہفتہ تک گھوڑوں پر لدی لدی چھنا پڑتا ہے، اور پھر کئی ہفتہ دریائی سفر میں جو ڈنگی کشتی پر کیا جاتا ہے، صرف کرنے ہوتے ہیں جب کہین جا کر ان کے وطن تک رسائی ہوتی ہے، یہ لوگ قدیم دور تو خش یعنی ابتدائی دور انسانیت کی نہایت دلچسپ یادگار ہیں، اب اس کے مفہوم سے بالکل نا آشنا ہیں، مرد و زن سب ستر پائے پر نہ رہتے ہیں۔ شرم و حیا نام کو بھی نہیں۔ نر ارض جنسی حیوانات کی طرح عیاں ہو کر رہتے ہیں۔ لوہر سے کام لینا نہیں جانتے، ظروف صرف تھما اور لکڑی کے رکھتے ہیں۔ اور یہی ضعیف لائق تہذیب ہیں ان کی زبان کل چھ سو الفاظ پر محدود ہے۔

مشہور کارخانہ موٹر سازی کے مالک مسٹر تھری فور ڈامری کی دولت کے اعداد و جمال میں شائع ہوئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا کا دولت مند ترین شخص ہے۔ اس کے پاس نقد خزانہ ۲۶ ملین پونڈ (۲۰۰۰۰۰۰۰ روپے) کا رہتا ہے، اور اس کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک لاکھ پونڈ (۵ لاکھ روپے) ہوتا ہے (ڈیلی میل)

ملک اسپین میں مردوں اور عورتوں کی ایک تعلیم یافتہ و تمدن جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے جس نے تمدن و لوازم تمدن کو ترک کر کے بالکل مطابق فطرت طرز معاشرت اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، چنانچہ کوئی چالیس مردوں اور بارہ عورتوں (جن میں بعض نہایت حسین و نازک اندام لڑکیاں بھی شامل ہیں) کی ایک ٹکڑی سکونت شہر کو ترک کر کے ٹوکھوا کے جنگل میں چلی گئی ہے۔ بیان ایک قطعہ میں مرد رہتے ہیں اور دوسرے قطعہ میں جو کسی قدر پردہ دار ہے، عورتیں، مرد و عورت سب بالکل برہنہ رہتے ہیں۔ شام کے وقت مرد و عورت سب ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں، اس وقت حصّہ زربان کو کپڑے سے چھپایا جاتا ہے ان کی غذا جنگل کے پھل پھلائی اور روٹیاں ہیں۔ باقی حیوان تمدن کی تمام لذتہ غذائیں انھوں نے

ترک کردی ہیں۔ قدرتی چشمہ اور آبشار ان کے غسلمانوں اور جاموں کا کام دیتے ہیں، کھانا پکانے کا رواج انہوں نے اپنے ہاں سے اٹھا دیا ہے۔ کچی غذا پر گندہ کرتے ہیں، اپنی جائے سکونت ان لوگوں نے بہت کم تک راز رکھی، لیکن ایک منجھے اخبار نویس نے بالآخر ان کا سراغ لگا ہی لیا، اور ان کی عریان تصویریں میڈیٹرو (دار الحکومت اسپین) کے ایک پریچہ میں شائع کیں۔

(ذیلی اسپین)

فرانس میں ایل نادور ایک مشہور منارہ ہے جس کی بلندی ایک ہزار فٹ ہے، اور جو عرصہ سے بطور ایک سکیسٹین کے کام دے رہا ہے۔ اس سے حال میں ایک عظیم انسان اللہ مقبیل موسم کا کام لیا جا رہا ہے۔ شبانہ روز زمین میں مرتبہ یہ سب کو تغیرات موسم سے مطلع کیا کرے گا۔ اطلاع کی صورت یہ ہوگی کہ گھنٹہ بخا شروع ہو جائے گا، اگر کوئی تغیر ہو تو اللہ ہوا، تو گھنٹہ نہ بجے گا۔ بارش ہو تو ہوائی ہوئی، تو تین بار بجے گا، پالا پرنے والا ہوا، تو چھ بار اور اگر ترالہ باری ہو تو ہوائی ہوئی، تو بارہ مرتبہ۔ ان تغیرات کی اطلاع آٹھ گھنٹہ قبل سے ہو جائے گی اور گھنٹوں کی آواز میں سوسیل سے زائد کھلے تک پہنچا کرے گی۔

توریا (امریکہ) کے ایک کاریگر نے تین سال کی مسلسل محنت کے بعد حال میں ایک بڑی گھڑی (کلاک) تیار کی ہے جس کے تمام آلات اور پرزہ لکڑی کے ہیں۔ نو ہے کائنات تک نہیں۔ یہ گھڑی صرف وقت ہی نہیں بتاتی، بلکہ دن، تاریخ، تغیرات موسم وغیرہ بھی بتاتی ہے۔

آخری اعداد کے بموجب امریکہ میں صرف انجیری کے چار ہزار کارخانہ کام کر رہے ہیں جو ہر سال ۱۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر کی مالیت کا سامان تیار کرتے ہیں۔ اس مقدار کا، انی صدھ بیرون ملک میں فروخت ہوتا ہے، باقی ۸۳ فی صدی کی کھپ نماں امریکہ ہی میں ہو جاتی ہے، ان چار ہزار کارخانوں میں ملازمین کی تعداد تقریباً چار لاکھ ہے،

الحمد للہ

نغمہ تہنیت بر مقررین سنجہ ہمنما

از

مولوی اقبال احمد صاحب سیل بی آکال ل بی (لاکھنؤ)

چھپی ہو برق خاطف نعرہ اناختا میں عجب کیا گری اہل جو یونانی کیسا میں
 وہی ہیں ہم کہ جب اٹھو علم تو حید کا لیکر یکایک زلزلہ سا آگیا ایوان کسری میں
 نہ کیوں فوج عدو پر کج ہوا فسوگی طاری کہ نصرت خود پر شمال مشرقی ملدین پائش میں
 بجا ہوا ج اگر مسلم نمایاں حسن نوروزی، کہ ہر تازہ بہار آئی ہے گلزار بہنا میں
 زمانے نے ورق الٹا ہر پرتابچ بھی کا وہ ہونچا پرچم اسلام بھڑا ارض سمرنا میں،
 ادھر ترکان غازی فاتحانہ بڑھتے جاتی ہیں او دھراک کل بلبل سی سج رہی ہو فوج اعتنا میں
 دلون میں اس طرح قیاب خوشنودمانی ہو کہ جیسے صبح صہبائے کہن مضطر ہو مینا میں
 تبم اس طرح اٹھیلیاں کرتے ہیں ہونو پر صبا جس طرح جو قص ہو داماں محرا میں
 نوید فتح اسلامی نشا اٹھ گیز رہے کتسنی نہ کیفیت یہ نغمے میں یہ مستی یہی صبا میں
 پڑا ہو شاید اس پر پرچم اقبال کا سایہ بلا کی سر مندی آگئی ہو سرور عین میں

صبا نے وہ نگ و دو کی ہو علان سترت میں

کہ پیکا ہی پسینہ جا جا شبنم کی صورت میں

دشمنشیر پہلا زنیہ ہے معراج ایمان کا
یہ ایما مسلموں سے ہی ہلال عید قربان کا
مبلا ہم خنک کان خواب راحت چو کچو کچو
زمانہ گزندیا اک کچو کا نوک پسیکان کا
وجود قوم انک مبتلائے صرع غفلت تھا
سو گھانا تھا اسے اک نخلہ مخون شہیدن کا
بپا ہی چار سو عالم میں اک ہنگامہ محشر
یہ ادنی سا کرشمہ ہر کسی کی چشم رفت ان کا
وہاں باز گرج مغرب پر شغول فوسل بازی
یہاں بے زیر پر پیمانہ صبر اہل ایمان کا
کبھی راسکریو نان کی بزم قصص ہر پاپ
کبھی خونین تماشہ ہو رہا ہے جگ بھگان کا
سلامت رہ سکا کوئی نہ دست جو ر قاتل
جگر مذبح پر حسرت کا تودل متعلق ایمان کا
حیات تازہ دی ہم کو کسی کے جو پریم نے
کہاں تک شکتی کہے ان نوازش بازی نہان کا
مصائبے اب لکھیں کھول بن اپنی تو کیجیے
کہہ زندان تھا دبستان سیاست کا گھناں کا
بقائے جاوداں ملتی ہے جاننا زان ملت کے
بہن اب یاد آیا یہ سبق یہ تسلیم قرآن کا

حیات سرمدی چاہی تو اس تہی کو ہل کر

کہ دانہ بار در ہوتا ہے پہلے خاک میں مل کر

مصیبت پر سلمان شکوہ مع آسمان کیوں
ہنویہ آئجی تو کھوٹے کھرے کا امتحان کیوں
حوادث ہی سے ہوا بادی کا شانہ ہستی
یہ پیشکائے سنون تو رفتی بزم جہان کیوں
چنانچہ کفر و ہل کی آگراس کو نہ کرائیں
تو طوفان خیر یون اسلام کا سیل واں کیوں
مصیبت محض طغوائے شر سے اہل ایمان کا
نہال طو سینا جو یہاں ہر رخ نشین کا
دل دیرانہ خود نو حید کا اک کفر غفی ہے
بہن پھر آرزوئے گنجائے شایگان کیوں
ہو کی چند بونہن جو نہ دیکھتا ہو ملے
وہ بزدل آرزو مند حیات جاوداں کیوں

شب یلدائے غم تبید ہو صبح منرت کی
ازل سے ناوک قاتل مانتا ہل ل کی ہو
سبق آموزین کا میان پیکار سستی کی
خلعے دو جہاکی مہربانی ہم کو کافی ہے
نہ اٹھ سکتا ہو غم جس سے وہ آخر شاد ہو کر
مٹنا کا گم کیوں ہو عوادت پر فغان کیوں
نہ ہو نہ کام جو اول وہ آخر کار ان کیوں
کوئی پروردہ تملیث ہم پر مہربان کیوں
کوئی جا کر یہ کہہ دے جمع فرخندہ آئین سے

ہجوم آرزو بہتر کو عقل مصلحت میں سے

اگر دنیا میں زندہ ہیں تو دنیا کو دکھا دینگے
رگ جان مدتوں سے تشنہ ذوق شہاد
کہ یا خود مر مٹینگے یا حریفوں کو مٹا دینگے
زمانہ سے ہمیں خواہش نہیں ہو تو تحسین کی
ہم اس کی پیس کی تیغ عرباں بچھا دینگے
ہماری داد جانا زنی شہید کر بلا دینگے
ہماری تشنگی کا سانی کو شرمسار دینگے
کفن سادہ پہننا نگ ہو رنگین خراجوں کو
یہ جھوٹے باد مغرب کے اسے کیونکر بچھا دینگے
جہاں میں یں بیضا شمع ہو نور الہی کی
رہ بیکاسا یہ زن فیض نبوت فرق غازی کہ
جناب مصطفیٰ داد کمال مصطفیٰ دینگے
الٹ دینگے مرتع پھر بلا کفر و طہل کا
فروغ ملت بیضا و مغل جگمگا دینگے
تقاضا ہو ہی بیابانی دست شجاعت کا
عروس فتح کے چہرہ سے اب پردہ اٹھا دینگے

مٹے ہر چند ہم پھر بھی ملت کی شان باقی ہو

رگوں میں اب بھی خون ملنزل عثمان باقی ہو

مسلمانوں پر واجب کج شکر لایزال ہو
کہ جس نے غالب انصروہ میں پھر جان بلی ہو

تعالیٰ شانہ یہ سطوت افواج اسلامی
 اٹھیں جس سمت چھین اس طوفانِ کالی
 مصائب ہو چکاب دور ہر جن مسرت کا
 جو وہ شانِ جلالی تھی تو یہ رنگِ جمالی ہو
 ابھی نصرت حق مصطفیٰ غازی کی ملے ہو
 کہ اس نے حسرتِ زیرِ ملت کی نکالی ہو
 خدا اس ناخلے ملت بھینکا یا دور ہو
 کہ اس نے دین حق کی دوتی کشی بچالی ہو
 تری رحمت رہی رابِ حصارِ عافیت اکی
 کہ ذاتِ پاک اس کی لگ مثالِ بیشالی ہو
 نگاہیں کیوں نہ خیر و ہون بجلالِ افواجِ ملکی
 ابھی یہ کوئی بجلی ہے یا تسخِ ہلالی ہو

کوئی آزاد شوکت سے یہ کہدی جا کے زندانِ بین
 کہ پھر شاہنشہ گلِ مندا مارا ہے گلستانِ بین

معتزلہ کی تفسیر

اسلام کے فرقہ معتزلہ نے عقل و نقل اور فلسفہ شریعت کی تطبیق میں جو بڑی بڑی تفسیریں لکھی
 تھیں ان میں سے کہ وہ سب دنیا سے ناپید ہیں، ان میں بہترین تفسیر ابو سلمہ منہانی کی تھی۔ یہ کتاب بھی
 اب ناپید ہے۔ مگر اس کا جتنا حصہ فرقہ اہل سنت کے نزدیک قابل قبول تھا امام رازی نے اپنی تفسیر
 کبیر میں اس کو درج کر دیا تھا۔ مولوی سعید صاحب انصاری نے دارالمصنفین کی طرف سے نہایت
 محنت و جانفشانی کے ساتھ تفسیر کبیر، تفسیر منہانی کے وہ تمام حصے یکجا کئے ہیں، اور وہ خوبصورت
 ٹائپ میں چھپکر شائع ہوئے ہیں، مصر، لندن، اور فرانس میں اس کتاب نے وقعت حاصل کی ہے،
 قیمت عمار

”میخبر“

بَابُ التَّعْلِيقِ وَالْإِسْتِيفَانِ

تہاں کا تذکرہ شعر اُردو

از

قاضی عبدالودود صاحب عظیم آبادی بی اے

قاضی صاحب نے اپنے ایک کرم نامہ میں، تہاں کے مقدمہ تذکرہ پر جو معارف میں شائع ہو چکا ہے تنقید کی ہے، جس سے اُن کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے چونکہ اس سے تہاں کے بعض اغلاط کی تصحیح ہوتی ہے اس لئے معارف میں شائع کرنا مناسب ہے، تہاں سے مجھے بہت حُسنِ ظن تھا لیکن اس کے مقدمہ کے اقتباسات نے اس میں کچھ نہ کچھ کمی ضرور کر دی ہے۔ مصر و آزاد ہی کے متعلق اس کی معلومات ناقص نہیں ہیں، بلکہ اکثر تذکروں کے متعلق اس کا بیان ناقابل اعتبار ہے۔ سرسری طور پر مجھے جو غلطیاں نظر آئی ہیں، عرض کرتا ہوں:-

(۱) ذکاوت شاہ نصیر کے شاگرد تھے، جو میر ظن نہیں، بلکہ کہلاتے تھے۔ اس تذکرہ کا تہہ ہندوستان میں نہیں چلتا، بلکہ ہر یورپ میں موجود ہو۔

(۲) چمن بے نظیر یا جمیع الشعراء تذکرے نہیں، محض مجموعہ غزلیات ہیں، اور جامع کی تحقیق کا یہ حال ہے کہ اکثر ایک کا کلام دوسرے شاعر کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۳) گلستانِ مسرت کو اردو شاعری سے کوئی تعلق نہیں، یہ فارسی اشعار کا ضخیم مجموعہ ہے۔ علیٰ رحمان خان شاگر نے اپنے اُستاد علی نصیر کی مدد سے، ۱۲۸۸ھ میں مختلف عنوانات قائم کر کے، اشعار جمع کئے اور مطبع مصطفائی کانپور میں چھپوایا۔ تہاں کو اردو شعراء کے تذکرے کی ترتیب میں اس

کیونکر مدد ملی، مین سمجھنے سے قاصر ہوں۔

(۱۱) گلستانِ سخن کو متعلق دہلی کے معتبر صاحبِ دُشمل مولوی سید احمد صاحب فرہنگِ صفیہ اور مولوی کاظمی کا بیان ہے کہ یہ دراصل جہانپوری کی تالیف ہے۔

(۱۲) گلستانِ سخن بنگال کا ترجمہ نہیں۔ مگر دونوں مؤلف چونکہ ہم عصر ہیں، مضامین ملتے جلتے ہیں یہ کتاب بجائے ترجمہ ہونیکے گلشن کے جواب میں لکھی گئی ہے شیفہ نے نظیرِ اکبر آبادی کو جو باطن کے اُستاد تھے ہستندہ سادہ اردو میں نہیں شمار کیا تھا، اور ان کے کلام کو سو قیادہ قرار دیا تھا۔ باطن کو یہ امر ناگوار گذرا، انھوں نے چُن چُن کر ان لوگوں کی مذمت کی جن کی شیفہ نے تعریف کی تھی یعنی غائب، مولس، جوشست، آرزوہ وغیرہ۔

(۱۳) کسی تذکرے میں مجھے سید ابوالقاسم قاسم دہلوی کا نام نہ ملا۔ دہلی کے مشہور شاعر حکیم قدرت اللہ قاسم نے البتہ ایک تذکرہ لکھا تھا،

(۱۴) سروازادے متعلق جو بے سرو پاتہاں تاحسی نے لکھی ہیں، آپنے خود اس پر نوٹ دیا ہے مین نے بعض تذکروں میں غلام علی آزاد بکراوی کا اردو کلام دیکھا ہے، ان کا انتقال سنہ ۱۲۰۰ھ میں ہوا ہے، یہ میر و سودا کا حسن وغیرہم کے معاصر تھے، ممکن ہے کہ اردو میں بھی طبع آزمائی کی ہو، کلام کا نمونہ یہ ہے،

”کیا دعوائِ محال سہی و اسکی ہر تحریر لب
دل جلون کا ہر یہ دو واہ واس گیر شب“

اس کی تحقیق فرمائیں کہ واقعی یہ کلام آزاد بکراوی کا ہے یا اسی تخلص کے کسی دوسرے شخص کا،

(۱۵) صفحہ ۱۱۲ پر علامہ ابراہیم میری رائے میں ایک ہی تذکرے کے دو نام ہیں۔ اس کے مصنف کو آزاد بکراوی کا نام ملتا ہے۔ غازی الملک امین الدولہ علی ابراہیم خان عظیم آبادی تھے جو مختلف مغز و عہدوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں مقرر ہوئے تھے۔ ان کا تخلص خلیل ہے لطف کا تذکرہ گلشن ہند اسی سے ماخوذ ہے۔ مولوی عبدالحی نے گلشن ہند کے مقدمے میں ان کا تخلص علی بتایا ہے۔ اور گلزارِ ابراہیم کو اردو تذکرہ اور صفحہ ۱۱۲ پر علامہ

فارسی شعرا کا تذکرہ قرار دیا ہے۔ لیکن تذکرہ میں ان کا اردو فارسی کلام موجود ہے، ایک ایک شعر مختصراً
کامل ملاحظہ ہو۔

لہور و نئے میرے تر ہو اجیب کن آخِ خلیل اکھون کے آگے ہو گیا گلزارِ پلو میں
جس تذکرے سے یہ شعر ماخوذ ہے اس میں اردو تذکرہ کا نام صحفِ ابراہیم بھی درج ہے۔ فارسی شعر
ایک قلمی بیاض سے ماخوذ ہے جو ۱۲۱۲ھ کی لکھی ہوئی ہے، اس میں بھی تخلص خلیل درج ہے، یہ
رفیقِ زبجان خلیلِ ہبہات امیرِ دل تو بر نیامد
نمی آید صدائے از خلیل ایامِ پیش آمد مگر جان داد مشبّہ لالہ ان ناتوانِ کم شد
واضح رہے کہ بیض اس زمانے کی لکھی ہوئی ہے جب کہ نواب موصوف زندہ تھے۔

(۳۲) واجد علی شاہ کی طرف بھی تالیف تذکرہ کا انتساب تحقیق طلب ہے۔ منشی امیر علی خان مرحوم نے
وزیر نامہ میں ان کی تصانیف کی جو فہرست دی ہے اس میں تذکرہ اشعار کا نام نہیں۔

(۳۵) عاشق کے ہم عصر تذکرہ نویسوں نے ان کے تذکرے کا ذکر نہیں کیا،
(۳۶) تذکرہ عشق از رحمت اندر عشقی :- مجھے شبہ ہے کہ اس کے متعلق بھی قاسمی نے غلطی کی ہے، آغا
حسین قلی خان عشقی عظیم آبادی کا ایک تذکرہ فارسی زبان میں فارسی گو شعرا کے حالات میں دو ضخیم
جلدوں میں موجود ہے، اور میری نظر سے گزرا ہے۔ اس میں اکثر ایسے شعرا کا بھی ذکر آگیا ہے جو اردو فارسی
دونوں زبانوں میں غزل سرائی کرتے تھے مثلاً آفتاب، حسرت، امین وغیرہ۔ آفتاب کے متعلق تو
بعض دلچسپ لطائف اس میں ایسے مندرج ہیں جو صاحبِ آبِ حیات کو نہیں ملے، اگر قاسمی نے
گلستانِ مسرت سے جو محض مجموعہ اشعار فارسی ہے، اور نیک طور پر اشعار کے مصنفین کا نام بھی
بتایا، استفادہ کیا، تو اس تذکرے سے بدبھلا زائد فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اس شبہ کو مزید تقویت دہائی کے
اس بیان سے ہوتی ہے کہ غلام حسین شورش کا تذکرہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے، شورش عشقی کے ہم عصر

اور ہم وطن۔ ممکن ہے کہ عسقی کے تذکرے سے انھوں نے بہت کچھ لیا ہو۔ شورش کا تذکرہ میری نظر سے نہیں گذرا۔ اس لئے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا،

(۷۰) سودا کا تذکرہ ہی نہیں۔ مجھے اس کے وجود کے متعلق شکوک ہیں۔ آزاد نے ضرور اس کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی تحقیق زیادہ قابل اعتبار نہیں، لطف کے تذکرے میں تذکرہ سودا کا ذکر نہیں۔ اگر مصحفی اور میر حسن کے تذکروں میں تذکرہ سودا کا ذکر ہو، تو البتہ یہ بات باور کرنے کی ہے۔

(۷۱) ذوق نے بھی غالب کوئی تذکرہ نہیں لکھا۔ ورنہ مولوی محمد حسین ضرور ذکر کرتے۔ ان کو تو ذوق کی دستا فرخ کے لئے ایک اور طرہ میسر آتا،

(۷۲) یہاں پر ترجمہ نے غلطی کی ہے۔ یہ تذکرہ سعادت خان نصیر کنوی کا نہیں، بلکہ سعادت خان ناصر متوطن نیکینہ تعلیم کھنوشاگرد مذنب، لکھنوی کا ہے۔

میں یہ اعتراض کرنے کے لئے تیار ہوں کہ انھیں سے بعض غلطیاں نہایت معمولی قسم کی ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ آپ بھی اس امر میں مجھے اتفاق فرمائیں گے کہ ایک فرانسیسی مستشرق سے اس سے زیادہ تہیّا کی توقع تھی۔ نہ جانے اصل کتاب کا کیا حال ہے۔ اگر یہی انداز ہے تو کچھ بہت زیادہ قابلِ ثوق نہیں۔

مصحفی، قائم، اور میر حسن کے تذکرے ابھی تک پرانے کتب خانوں میں اور ارباب ذوق کے پاس موجود ہیں۔ لیکن اگر عہدِ یہ طبع نہ گئے تو تھوڑے دنوں میں معدوم ہو جائیں گے۔ میں نے عرصہ ہوا اپنے ایک مضمون میں جو ایک اردو رسالہ میں چھپا تھا، انجمن ترقی اردو کو توجہ دلائی تھی کہ ان کتابوں کو خشود زوائد سے علیحدہ کر کے چھپوا دے۔ اور قایم اساتذہ اردو مثل جعفر علی حسرت مصحفی، میر محمد سوز جرات، قائم، احسان، بیروت، بنون، آبرو، وغیرہم کے کلام کی طرف بھی اقتدار سے لیکن اب تک انجمن اردو توجہ نہ کر سکی۔ مصنفین نے اپنے ذمے اس سے ہم مورے کھو ہیں۔ اردو ترقی اردو اس کو ضمنی معامد میں شامل ہے، ورنہ میں آپ سے درخواست کرتا کہ ان مصنفین کو حیات تازہ بخشنے۔ اور ان مستند اساتذہ کے نام کو نٹنے دیجئے۔

مطبوعاتِ حیدرآباد

حیوۃ العلماء، قصبہ سہوان، واقع راول کھنڈ، ہندوستان کی ان مروجہ خیریتوں میں ہے، جہاں دور میں بڑے بڑے علماء، مشائخ، شعراء اور دیگر اکابر علم و فن پیدا ہوتے رہے ہیں، تاریخی حیثیت سے بھی یہ قصبہ خاص اہمیت رکھتا ہے، سلاطینِ فلیپہ کے یادگاری کتبے اب تک یہاں موجود ہیں، علماء اور مساداتِ نظام کی آئندہ یہاں شاہانِ مودھی کے زمانہ سے ہوئی، سب سے پہلے خواجہ سید محمد اعلیٰ یہاں تشریف لائے، اور اس وقت سے آخر زمانہ تک خطہ علم و فن کا مرکز رہا، ضرورت تھی کہ اس مروجہ خیریت قصبہ کی ایک تاریخ اور یہاں کے علماء و مشائخ کے سوانح کسی مجموعہ اور اق میں ترتیب دے جاتے جناب مولوی سید محمد عبد الباقی سہوانی ہم سب کے شکریہ کی فتح ہیں کہ موصوف نے اس پر انصاف ملی مہر جو ان مردانہ علمی خدمت انجام دی، اور ۵۵ صفحات کی کتاب میں ڈیڑھ سو بزرگوں اور عزیزوں کے نام زندہ کئے جن میں اس قصبہ کے ہر صنف کے علماء و شعراء، مشائخ، اولیاء، اہلبار، اور متعدد خواتین کے سوانح جمع کئے ہیں۔ گذشتہ بزرگوں کے ساتھ موجودہ عزیزوں کے حالات بھی آخر کتاب میں برکھ لکھے ہیں، کتاب نہایت مفید و دلچسپ، پر معلومات، اور قابل مطالعہ ہے، طرزِ تحریر میں ذرا قدامت کا اثر ہے مگر وہ تو مقتضائے سن ہے، ابتداء میں قصبہ مذکور کے تاریخی حالات بھی لکھے ہیں، لکھائی چھپائی متوسط قیمت، عمارت مولوی سید عبد الباقی صاحب، لال باغ، بھوپال ہوں لکھنؤ بھارت بھجا، ہندوستان کے دورِ جدید کے مشاہیر و اکابر جو کسی قوم و ملت میں گذرے ہوں یا جو اس عہد میں موجود ہیں، اور ملک میں سیاسی، علمی، تعلیمی، مذہبی، اور ملکی خدمات انجام دے رہے ہیں شیخ نذر محمد صاحب انور بی اسے سیا کو بی نے بھارت بھجا میں اپنے مختصر حالات و سوانح لکھا کئے ہیں اور ان کو متعدد جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، بالفعل اس سلسلہ کی پہلی جلد شائع ہوئی ہے،

حقیقت میں یہ سلسلہ نہایت مفید ہو، اور آگے چل کر جب یہ زمانہ حال، یعنی بن جائیگا تو اس کتاب کا ایک ایک صفحہ عمل گوہر کے ہم پلہ ہوگا، مؤلف کو اس کی اس علمی خدمت پر جس قدر مبارکباد دی جائے، وہ کم ہے، اس پیش نظر جلد میں ہندوستان کے ہر صوبہ کے ہر مذہب کے، اور ہر قوم کے اکابر کے دلچسپ واقعات و سوانح و خدمات فراہم ہیں، چونکہ یہ سلسلہ نہایت اہم ہے اس لئے ہم جناب مؤلف کو حسب فیل امور کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں،

مؤلف نے لوگوں کے حالات کے لکھنے میں کوئی حجت تیب پیش نظر نہیں رکھی ہے، حالانکہ کیا تو ان میں زمانہ کی ترتیب لکھنی چاہئے تھی یا اصناف خدمات پر ان کو مرتب کرنا چاہئے تھا، مثلاً، علمی، مذہبی، سیاسی، تعلیمی، اکابر و علما، اہل ابواب میں منقسم کرنا چاہئے تھا، کتب کے آخر پائل میں انہرست ضروری تھی، چونکہ یہ باقی رہنے والی چیز ہے، اس لئے اس کی لکھائی چھپائی اور کاغذ کا اہتمام کرنا چاہئے تھا، با این محسوسہ مؤلف کو ان کی اس اہم خدمت پر مبارکباد دیتے ہیں، بھارت سمجھا کے بجائے اگر اس کا نام بھارت سلوٹ ہوتا تو بہتر ہوتا، صفحات ۲۶۴ قیمت ۳ روپے، تیرہ نیم بک انجی، بشیر منزل، برکمان دروازہ دہلی،

شاعری کی تیسری کتاب، خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی، اردو زبان کے قدیم خدمت گزاروں میں ہیں خواجہ صاحب ہمیشہ کچھ نہ کچھ زبان کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں، اس لئے میں مؤلف نے اردو زبان کے علم قوانی اور عیوب قافیہ کو لکھا ہے، ہر مسئلہ کو آسان اور سہل طریقہ سے لکھ کر اردو اشعار سے اس کی مثال دی ہے، مبتدی شعور کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ مفید ہوگا، ضخامت ۸۰ صفحات، قیمت ۸ روپے، مؤلف سے، احاطہ خانساں لکھنؤ سے طلب کیجئے۔

انتخاب زرین - سید اس مسعود صاحب کے تذکرہ شعرائے اردو کا دیگر گذشتہ معارف میں چکا ہے، غلطی سے اس کی قیمت اور طے کا پتہ اس میں لکھنے سے رو گیا، قیمت عمارتہ ذوالقرنین بدایون۔

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر
خرو نامہ منظوم، خاص فارسی زبان میں اشعار سلیمان

کا ترجمہ ۲۸

مولانا سید سلیمان ندوی،

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سے مدین اہم صحابہ
الاکیہ قوم ابوب، نبو، اسمیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر،
نبو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت ذہان
اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی کوششیں
دوسرا الادب، عربی کی پہلی ریڈیو مع سوم مع ترمیم ۲

دوسری ریڈیو مع دوم ۲

رسالہ اہل سنت و الجماعت، فرقہ اہل سنت و الجماعت
کے اصولی عقائد کی تحقیق ۲

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور مولائے
مالک پر نمبر ۵

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد

تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور

سلاطین ہند کے سکون اور کتبوں سے اسکا ثبوت ۸۰

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتوں کے جنگی اور

اخلاقی بنیادی کے کارنامے ۸۰

مولانا عبد السلام ندوی

اسم و صحابہ، صحابہ کرام کے عقائد، عبادات، اخلاق اور

مساشرت کی صحیح تصویر اور فرقہ اول کے اسلام کا عملی

حاکم، اسکا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، صفحات ۳۵۰

قیمت ہے۔

اسم و صحابہ جلد دوم، صحابہ کے سیاسی، انتظامی، اور
علمی کارناموں کی تفصیل، صفحات ۵۰، قیمت پچیس

مولوی عبد الباقی ندوی

بریکلے اور اسکا فلسفہ، مشہور فلاسفر بریکلے کے حالات

زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح جلد یکا بغیر جلد دوم

مباحثی علم انسانی، مادیت کی تردید میں بریکلے کی

مشہور کتاب پرنسپل آف ہیومن نالج کا ہدایت فیض

اور سنجیدہ ترجمہ میں حواس انسانی پر بحث کر کے مادیت

کا ابطال کیا ہے جلد چار

مذہب و عقلیات، اس میں پر زور دلائل اور

مستند یورپین فلاسفر کے بیانات سے ثابت کیا گیا ہے

کہ مذہب و عقل میں تضاد کامکان ہی نہیں، ۶۰

مولوی عبد الماجد بی اسے

فلسفہ اجتماع، جماعات انسانی کا علم نفس

فلسفہ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح، چار

تاریخ اخلاق یورپ، لیکن کی مارل مہتری آت

یورپ کا ترجمہ میں فلسفہ اخلاق پر ضمنی مباحث کے

علاوہ یورپ کے مذہبی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے

قیمت جلد اول سے جلد دوم چار

مکالمات بریکلے، بریکلے کے ڈاکٹرس کا ترجمہ جس میں

مکالمہ کی صورت میں، بریکلے نے مادیت کا ابطال کیا

ہے، قیمت با حلاف کا قدر دہ

مولوی سید صاحب الفاضل

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، (عربی، معتزلہ کی مفسرہ اور

نامہ الوجود کی عقلی تفسیر قرآن کے اجزاء جو نہایت دیدہ

مولوی سید محمد شرف خاں نے گاندھی جی کی مشہور کتاب "ہندوستان کا مستقبل" کا اردو اور پنجابی میں تراجم کیے ہیں۔

۸۰ زبان میں،
 سے امام رازی کی تفسیر کر کے جس کے لئے کہ ہیں، عمدہ ماہر
 میں چھی ہے، قیمت ۱۰۰

سیر الصحابیات، از فاج مطہرات، بہات طابہرات
 اور عام صحابیات کی سوانح عمریان اور ان کے علمی
 و اخلاقی کارنامے، قیمت ۱۰۰

پروفیسر سید نواب علی ایم اے
 معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک مختصراً تصنیف
 اور فلسفہ جدید اور مذہب کی باہمی تعلیق پر بہترین نمونہ
 تاریخ صحت سماوی، توراۃ و انجیل اور قرآن مجید کی صحیح
 و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے
 اعتراضات و رد بارہا مع قرآن کا جواب قسم اول ہے
 دوم سے

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی، قومی اور فلسفیانہ
 نظموں کا مجموعہ ۱۰۰

مولوی محمد یونس فرنگی محلی
 روح الاجتماع، موسیٰ لدیان کی کتاب جو معاشرے کی
 کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ حسین انسانی جماعت کے

اخلاق، پبلک رہنما یوں کے خصوصیات، اور جامعہ ان
 کے بننے اور گزرنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں
 صفحہ ۲۳۲

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال
 حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح
 تذکرۃ اکیلیب، ابنیہ سوالیہ مسلم کے اخلاق کا مفصل بیان
 مفتی محمد ہمدی صاحب نائب متعمم تاریخ بھوپال،
 انسان کا علم خواص الاعضا کے ابتدائی مسائل سلیبی عام فہم

۸۰ زبان میں،
 رموز فطرت، طبیعات طبقات ارض، سمیت اور

غیر انسانی طبی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس عبارت
 میں
 مفتی محمد امین صاحب متعمم تاریخ بھوپال

بہکات بھوپال، مصنفہ روحہ سے
 گیارہ قسطوں، اخلاقی، معاشرتی، مذہبی ۸۰

نعت پیمبر عربی، فارسی و اردو کی چند نظموں کا مجموعہ ۸۰
 پروفیسر محمد سجاد مرزا ایک دہلوی
 الاستدلال، امین علم منطق کے اصول نہایت غنی و عمدہ

سلیبیان اور اسل طریقہ بیان کی گئی ہیں، صفحہ ۲۰۱، سے
 الانسان، امین انسان کے تمام قوانین انسانی و جمالی اور
 طبی کی علمی تشریح کی گئی ہے صفحہ ۱۱۳، قیمت ۱۰۰

تہلیل ابوالعت، اردو زبان میں فن فصاحت و بلاغت
 اور بدیع پر دلکش اور سہل و آسان کتاب سے
 حکمت عملی بن اخلاق پر جدید و قدیم حکمت کی جامع کتابت سے

مفتی کتابیں
 بابا ایام، مولانا عبدالحی صاحب ناظم مذہب انسانی کے
 کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں کا واحد و پاک مطالعہ اور شرح
 کے ملامت اور علوم و فنون کی ترقی نہایت باہمی ترقی و ترقی

سیاحت قسطنطنیہ، دانشی مرحوم کی خوش و خواہش پر تالیف
 صاحب نے مشہور و معروف مسکن کے غرض سے قسطنطنیہ اور دین بزرگوار
 بدیع گوئی، جناب ہوش بگاری کی نسخہ کتاب بن عربی

فارسی اور اردو کے شعراء اور ادیبوں کی بدیع گوئی کے دلچسپ
 و انصاف یکجا کئے ہیں، قیمت ۱۰۰

جسٹریٹس

معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

ترتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دارالمصنفین اعظم کٹہہ شائع ہوا

کتابخانه دارالینظم

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ ابنی المسلمین حصہ اول طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ سے ۱۸۰
 الفیض حصہ دوم طبع اول قیمت باختلاف کاغذ سے ۱۸۰
 الفاروق حضرت فاروق اعظم کی لافٹ اور طرز حکومت سے
 انگریزی امام غفری کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ
 سیرۃ النعمان امام ابوحنیفہ کی سوانح عمری اور ان کی جہاد و مسائل
 شعرا و شاعرانہ قول شاعری کی حقیقت نامی شاعری کا آغاز و خاتمہ
 الفیض حصہ دوم شعرا کے توہین کا دور ہے
 الفیض حصہ سوم شعرا کے متاخرین کا دور ہے
 (حصہ چہارم زیر طبع ہے)
 الفیض حصہ چہارم فلسفیانہ ہونیاد اور اخلاقی شاعری پر مبنی
 الازیتقا علی التمدن الاسلامی ہرجی زیدان کے تمدن
 اسلامی پر عربی میں ریویو

سفرنامہ مصر و شام مطبوعہ معارف پریس عثمانیہ

موازنہ انیس و دہر میر انیس کی شاعری پر ریویو ہے

المامون خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات تھے

سفرنامہ دوم مصر و شام مطبوعہ معارف پریس قیمت ۱۸۰

امضائیں عالمگیر شہنشاہ احمد نیک زیب عالمگیر پر لکھا

اور ان کے جوابات ۱۸۰

علم الکلام مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ نامی عہد مہمد

کی ترقیان اور علمائے متکلمین کے نظریات

اور مسائل طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس قیمت ۱۸۰

رسائل شبلی مولانا کے اختلافات علمی مضامین کا مجموعہ

قیمت پھر

قصیدہ امرتسر امرتسر کے ایلاوس مذکورہ علماء میں مولانا

نے جو فارسی قصیدہ پڑھا تھا طبع لکھنؤ

واعطی مطبع نامی کانپور ۱۸۰

مجموعہ کلام شبلی اردو ۱۸۰

مفتویٰ صبح امید ۱۸۰

کلیات مولانا کے نام فارسی قصائد و غزلیات و غزلیات

قطعات کا مجموعہ جواب تک متفرق طرز

سے دیوان شبلی و سنہ گل بوئے گل برگ

گل کے ناموں سے چھپے تھے اس میں

سب بجا کر دئے گئے ہیں ۸۰ پونڈ کے

ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھاپا قیمت ۱۸۰

مولانا حمید الدین صاحب بی اسے

تفسیر سورہ تحریم جدید طرز پر عربی میں قرآن مجید کی تفسیر

تفسیر سورہ قیامہ ۱۸۰

تفسیر سورہ وائس ۱۸۰

تفسیر سورہ الکافرون ۱۸۰

تفسیر سورہ العصر ۱۸۰

الرای الجمع فی من ہوا الذبیح عربی میں حضرت اسماعیل کے

فوج ہونے پر ایک دلائل اور پڑ دور سالہ ۱۸۰

اسباق النور اہل طرز پر عربی گرامر اردو ۱۸۰

جلد دسّم ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۲ء عدد ششم

مضامین

۴۰۶ - ۴۰۲	شذرات
۴۰۸ - ۴۰۷	۱ وحدۃ الوجود اور اکابر اسلام
۴۱۲ - ۴۱۱	دیوان طالب
۴۱۲ - ۴۱۱	۲ نظریہ اضافیت
۴۳۸ - ۴۲۶	خاندان تغلق
۴۵۳ - ۴۴۹	سلمان ساوجی
۴۵۶ - ۴۵۴	خطوط میخی
۴۵۸ - ۴۵۶	اخبار علیہ
۴۶۶ - ۴۵۹	نواب علانی اور مرزا غالب
۴۶۸ - ۴۶۶	ادبیات
۴۶۰ - ۴۶۹	۳ ضرورت وقت
۴۶۸ - ۴۶۱	مطبوعات جدیدہ
۴۸۰ - ۴۶۹	

مشکلات

بے مہرئی دہر بین کہ در یک ہفتہ
گل سر زد، وغیرہ کرو، و شکفت و پرخت

نہایت رنج و افسوس اور حسرت و اندوہ کے ساتھ ہم ناظرین کو یہ خبر سناتے ہیں کہ ملک کی بزم افش کا ایک نوجوان مبراٹھ گیا، مولانا محمد یونس فرنگی علی مرحوم نے پچھلے مہینہ لکھنؤ میں برضِ حق وقات پائی، مرحوم مولانا عبدالحی مرحوم فرنگی علی کے نواسہ تھے، اور اپنے ذاتی علم و فضل میں اپنے ہم عصر نوجوانوں میں ممتاز تھے، ۲۴-۲۵ برس سے زیادہ عمر نہ تھی، معقولات اور فلسفہ سے اون کو خاص دلچسپی تھی، اور اپنی عمر کا بڑا حصہ انھیں کی تحقیق اور کاوش میں بسر کیا، خود اپنے ذاتی شوق سے انگریزی اور فلسفہ جدیدہ حاصل کیا، دارالمصنفین اور معارف سے مرحوم کو خاص محبت تھی، کئی سال سے اون کی صحت خرد و شقی، با این ہمہ وہ اپنے علمی انہماک سے باز نہیں آتے تھے، گزشتہ سال عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہو کر گئے تھے، وہاں مرض نے طول کراہ۔ آخر وطن اگر اس شہیدِ علم نے جان دی، مرحوم کی ایک کتاب روح الاجتماع دارالمصنفین سے چھپکر شائع ہو چکی ہے، اور اپنی ایک اور دوسری تصنیف ابن رشد کا مسودہ وہ دارالمصنفین میں بھیج چکے تھے جو عنقریب چھپکر شائع ہوگی، مرحوم کے دوستوں کو اون کی ذات سے بڑی بڑی توقعات تھیں، اور خیال تھا کہ اون کی کوششوں سے فرنگی علی کی عقلی اور فلسفیانہ شان پھر دوبارہ زندہ ہوگی، افسوس کہ دستِ اجل نے امان ندی باقائے

دائینا پانچت آسٹریا جنگ سے پہلے علوم و فنون کا ایک مرکز تھا، لیکن جنگ یورپ نے جس طرح اس کا شیرازہ کھیر دیا، اس کا پُر افسوس منظر یہ ہو کہ دائینا یونیورسٹی کا مال جو ۱۹۱۸ء سے مرمت طلب تھا اس درجہ تباہ اور کمزور ہو گیا ہے کہ وہ اب مطلق کام کے لائق نہیں رہا ہے تاہم آسٹریا کی عام مالی حالت اس کی درستی کا سامان نہیں کر سکتی، اسلئے یورپ کی اصطلاح میں وہ مردہ ہو گئی حقیقت یہ کہ اس جدید تمدن نے قطعاً اور تکلف کی مہرمانہ نمائش کی جو عادت پیدا کر دی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نفس مقصد سے زیادہ، جوشی اور تعلقات کی زیبائش اور دیکھا دے پر صرف کرنا پڑتا ہو، ایوانِ تعلیم کے اندر جو کچھ ہو، مگر اس کے ظاہری درود و بار کے نقش و نگار اور رنگ و روغن میں رعب و رعیت کا ظہور ضروری ہے، خدا جانے یہ طلسم باطل کب ٹوٹے گا،

جدید یورپین تمدن کے مداح اس کے مناقب کی تصنیف خواہی کرتے ہوئے سب سے زیادہ زور اس بات پر صرف کرتے ہیں کہ اس تمدن نے دنیا کے بڑے بڑے عجائب زار شہروں کو پیدا کیا ہے، جن کی تنہا آبادی دوسری قوموں کے پورے ملک کی آبادی کے برابر ہے، لیکن شاید انھیں یہ نہیں معلوم کہ ان عظیم الشان شہروں کی آبادیاں اس وقت تک بقیاس نہیں ہوئی ہیں جب تک ان کے پاس کے ہزاروں گاؤں برابر نہیں ہوئے ہیں، سید جمال الدین افغانی نے ایک دفعہ عودۃ الوطنی میں ہندوستان کے تعلق لکھا کہ اگر زیر کتبے ہن کہ ہم نے ہندوستان آکر، میان بسپی، مدراس، کلکتہ جیسے شہر بنائے، لیکن یہ معلوم ہے کہ ہندوستان کو اپنی کتنی متاع گرانما یہ لٹا کر یہ چند مصنوعی شہر تھ آئے ہن، چنہ، ڈھاکہ، مرشد آباد، شکر کلکتہ بنا ہے، سورت، کعبائیت، احمد آباد، بن وغیرہ اگر بسپی تعمیر ہو ابے، ارکات اور کوجی وغیرہ نے مدراس اور دہلی نے کراچی کی صورت اختیار کی ہر اسلئے من شہروں کی حکمین اور تجارت کی ہندیاں ہل گئیں اور حقیقت میں جہاں ہندوستان پہلے تھا اس حقیقت سے وہیں اب بھی ہے،

لیکن گذشتہ جنگ عظیم نے جہان یورپین تمدن کی بیسیوں کمزوریوں اور عیوب کو نمایاں کر دیا ہے، وہاں اس خاص وصف آبادی کی کمزوری بھی بڑا ظاہر ہو رہی ہے، چنانچہ لندن جو دنیا کا سب سے بڑا آباد شہر ہے، بیس سال سے اس کی مردم شماری ہر سال کم ہو رہی ہے، اور یہ امر اس واقعہ کا ثبوت ہے کہ اس شہر کا آسمانی کمال اپنے نقطہ اوج پر پہنچ کر اب گرا رہا ہے،

احاطہ المصلحتی کے مسلمان ملت سے اس کوشش میں تھے کہ کبھی یونیورسٹی میں اردو کو بھی جگہ ملنی چاہیے اس کوشش کا بڑا حصہ بی بی سلم اکبریشنل کانفرنس نے انجام دیا، احمد شہد کہ اس کی یہ کوشش کامیاب ہوئی، اب اسکولوں اور کالجوں میں اس کو جگہ مل گئی ہے، خاص اردو اسکول الگ قائم ہوئے ہیں، پونہ میں اردو ٹریننگ اسکول چند سال سے قائم ہے، کالج کے اعلیٰ امتحانات ادب میں اردو بھی داخل ہو گئی ہے، اب اردو کسٹکس میں بڑا قائم ہو گیا ہے، جس کا مرکز پونہ ہے، اور ہمارے دوست پروفیسر شیخ عبدالقادر (انفٹن کالج) اس کے صدر ہیں، اس کے زیرِ اہتمام اردو نصاب کی ۴۴ کتابیں تیار ہو رہی ہیں، اردو کتابوں پر انعام کا سلسلہ بھی جاری ہوا ہے، کیا الہ آباد یونیورسٹی کے ارکان اور حکام، اس سے سبق لے سکتے ہیں؟ حضرت مسیح کا قول کیسا سچا ہے، ”نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں“

ابھی حال میں انگلستان میں پارلیمنٹ کے ممبروں کا جو انتخاب ہوا ہے، اس سے بعض عجیب انگشتاں ہوتے ہیں، رائے دہندہ عورتوں کی تعداد بے انتہا بڑھ گئی ہے، بلکہ بعض حلقوں میں رائے دہندہ مردوں سے رائے دہندہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے، دوسرے عہدوں کو چھوڑ کر صرف مجسٹریٹ انگلستان میں اس وقت ۶ ہزار عورتیں ہیں، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ آئندہ اگر یہی ترقی جاری رہی تو انگلستان میں مردوں کی حکومت نے بجائے عورتوں کی حکومت قائم ہو جائیگی، پھر معلوم نہیں، ہوم گورنمنٹ، دفانداری پر آئندہ کس کی حکومت ہوگی؟

چنانچہ عورتوں نے اپنی کثرت رائے سے اپنی اصلاحات اور حقوق طلبی کا خود سامان کرنا شروع کر دیا ہے، جنگ سے پہلے انگریز مرد ۳۰ برس کی عمر میں شادی کر لیتے تھے، مگر جنگ کے بعد کچھ تو کثرت مصارف، اور گرانی کے باعث، اور کچھ اخلاقی انحطاط کے باعث، اب اول تو ۳۵ سے پہلے شادی نہیں کرتے، اس کے ماسوا عورتوں کو اپنے منسوب شوہروں (۹) سے سالہا سال باقاعدہ نکاح کی امید واری کرنی پڑتی ہے، اور اکثر یہ توقع مدت کی زحمت انتظار اور خوشگوار تجربوں کے بعد شکست ہو جاتی ہے، ایسی حالتوں میں عورتوں کو سخت صیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ذیلی میل رادی ہے کہ اس سال عورتوں نے ممبروں کو رائے دینے وقت اون ممبروں کو ترجیح دی جنہوں نے یہ وعدہ کیا کہ انتخاب کے بعد پارلیمنٹ میں اس مدت انتظار اور زمانہ تجربہ کو کم کرنے کا قانون منظور کرائیں گے، لیکن سچ یہ ہے کہ شریعت کو چھوڑ کر کوئی قوم قانون سے نہیں بن سکتی!

گلکٹہ یونیورسٹی، ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں کی اصل اور بنیاد ہے، اسی کے تجربوں سے ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں اپنا اصول و آئین بناتی ہیں، اور ہر چند سال سے یونیورسٹی مذکور کی مالی و قانون کا واقعہ، کوچہ و بازار کا انسان ہے، یونیورسٹی نے مجبور ہو کر گورنمنٹ سے امداد طلب کی، محکمہ حسابات نے اصلاح کی یہ تجویز سوچی کہ آئندہ سے یونیورسٹی کے حساب کے کاغذات گورنمنٹ میں پیش ہوا کریں، یہ بات اس دریا دل لیکن خود دار یونیورسٹی کو پسند نہ آئی اور سنا ہے کہ اوس نے ہمت کر کے گورنمنٹ کی امداد سے قطعاً کنارہ کشی کر لی ہے، اگر یہ خبر سچ ہے تو دوسرے صوبوں کی یونیورسٹیوں کے لیے اور خصوصاً قومی یونیورسٹیوں کے لیے، گلکٹہ یونیورسٹی کی یہ نظیر شاید بہت آموز ہو، اوس نے ثابت کر دیا ہے کہ یونیورسٹی کی حقیقت سلطنت کا تعلق نہیں بلکہ تعلیم و تربیت کی عہدگی ہے، حضرت دروکتے ہیں سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف جس کے ہاتھ آئے جام و دم ہو

وہی ریاستوں میں تعلیمی ترقی کے لحاظ سے اب تک صرف بڑوہ کا نام لیا جاتا تھا مگر اُدھر چند سال سے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد نے جو تعلیمی ترقی کی رفتار ظاہر کی ہو اس سے اندازہ ہوتا ہو کہ وہ بہت جلد اس حیثیت سے بھی ہندوستانی ریاستوں میں اپنی نمایاں شان جگہ حاصل کرے گی، حیدرآباد کی سال گذشتہ (۱۳۲۹ء) کی جو تعلیمی روداد شائع ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اس سال سرکار نظام نے اس صیفہ پر، ۴۱، ۳۱۰ روپے صرف کئے ہیں، جو برطانوی ہندوستان کے موازنہ سے کہیں زیادہ ہے، اسی طرح مدارس اور طلبہ کی تعداد میں بھی کامیاب اضافہ ہوا ہو، چنانچہ سال زیر روداد میں ۴۳۰ نئے مدرسوں اور تیس ہزار ۶ سو ۴۷ نئے طالب علموں کا اضافہ ہوا، ایک دارالمعلمین اور ایک دارالمعلقات نئے کھلے، ۳۴۲۷ مواضع میں سے جن کی آبادی ۵۰۰ اور ایک ہزار کے درمیان ہو، اور وہاں مدارس قائم نہ تھے، سال زیر بیان میں ادون میں سے ۲۴۸ موضوعوں میں مدرسے قائم کر دیئے گئے، کئی جامعہ عثمانیہ کے ابتدائی وسطی جماعت میں پہلے سال ۱۲۹ طالب العلم داخل ہوئے تھے، دوسرے سال ۱۰۲ طلبہ داخل ہوئے،

حیدرآباد کی ان چند سالہ تعلیمی رفتار ترقی کا اندازہ ذیل کے نقشہ سے بخوبی ہوگا،

۱۳۲۹ء	۱۳۲۳ء	
۳۳۰۱	۱۰۵۳	لڑکوں کے مدارس،
۶۸۵	۱۱۶	لڑکیوں کے مدارس،
۱۸۴۴۹۸	۷۵۰۰	زیر تعلیم لڑکے،
۳۲۰۸۵	۷۵۰۰	زیر تعلیم لڑکیاں،
۴۳۰۰۰۰	۲۰۲۵۰۰	کل مصارف تعلیم،

اُردو زبان کے مصنفین اور مترجمین کی ہمت افزائی کے لئے انیسویں صدی کے ہم چمک نہ کر سکے یہاں تک کہ کوئی ایسا ہمارا دارالاشاہد بھی نہیں جو مستند اور سنجیدہ کتابوں کو بے معاوضہ ہی شائع کرنے کی ہمت کرے، پنجابی زبان خود پنجاب کی بھی علمی زبان نہیں، تاہم سکھ اصحاب اوس کو ترقی دینے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں، سیکھ ایجوکیشنل کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے کہ پنجابی لٹریچر کو ترقی دینے کے لئے سال کی بہترین پنجابی تصنیفات پر انعامات تقسیم کیے جائیں،

آج کل "نیشنلسٹ" کے لئے اکثر ہماری زبان میں "قوم پرست" اور "وطن پرست" اور "نیشنلزم" کے لئے "قوم پرستی" اور "وطن پرستی" کے الفاظ بولے جاتے ہیں، چونکہ مذہبی حیثیت سے "پرست" کے معنی کو خیال کر کے اکثر یہ الفاظ محتاط اہل قلم کو کھٹکتے ہیں، جدید ایرانی محاورہ میں ان کی جگہ "قوم خواہ" اور "وطن خواہ" "قوم خواہی" اور "وطن خواہی" "قوم خوانانہ" اور "وطن خوانانہ" استعمال ہوتا ہے، کیا یہ محاورے اُردو میں چل جائیں گے؟

معارف کے گذشتہ نمبر میں دنیا سے اسلام کے مذہبی انقلاب پر جو مضمون ہم نے شائع کیا تھا، اسلامی مالک کے اخبارات کی ہر تازہ آمد اور خیالات کی مزید تصدیق کے خواہم ہم بیچارہ ہی، تاہم ۱۴ دسمبر کا تاریخ کو مشہور مصری عالم شیخ عبدالعزیز شتاؤیل جو جنگ لبنان کے زمانہ سے اپنی مذہبی خدمات ترکی میں انجام دیتے رہے تھے، اور جو شتاؤیل کی جنگی صلح کے بعد جرمنی میں جا کر پناہ گزین ہو گئے تھے، اب وہ مجلس ملیہ کی طلب پر انگورہ آگئے ہیں، اور وہ ان حکومت کے اشارہ اور اعانت سے تبلیغ اسلام اور ضروریات زمانہ کے مطابق مذہبی حکام و وسائل کی تشریح اور احکام و فتاویٰ کی تدوین کے فرائض انجام دینے کے لئے ایک انجمن کے قیام کا سامان کر رہے ہیں، جس کی شاخیں تمام ممالک اسلامیہ میں ہونگی، ہندوستان میں شیخ موصوف کو لوگ مدینیہ یونیورسٹی کی تجویز کے واقعہ اول کی حیثیت سے پہچانینگے،

مقالات

مسئلہ وحدت الوجود

کے متعلق

اکابر اسلام کے خیالات

(از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی)

ہمارے شعور نے اس مسئلہ کو اگرچہ جبر و صول کی داستان کی طرح ایک بال بال مضمون بنا دیا ہے، لیکن درحقیقت وہ صرف شائع آنے تک نہیں ہو، بلکہ ایک فلسفیانہ حقیقت، ایک مذہبی عقیدہ، ایک اخلاقی نظریہ، اور ایک تاریخی مسئلہ ہے، جو باوجود گونا گونا گونہ اشکالات و اعتراضات کے نہایت محکم اور لا دیر ہے،

مسئلہ وحدت الوجود کی تاریخ، مورخانہ حیثیت سے اس مسئلہ کو توحید و تنوید کی مشکلات نے پیدا کیا، اگرچہ یونان میں نہایت قدیم زمانے سے اس قسم کا ایک دھندلا سا خیال موجود تھا، تاہم سب سے پہلے زونون نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی، اور انشائیہ میں اس سے اخلاقی فائدہ اٹھایا، یعنی انھوں نے تمام افراد انسانی میں اشتراک پیدا کرنے کے لئے تمام افراد کو ایک عام عالم کے مختلف اجزاء قرار دیکر، تمام اختلافات کو مٹانا چاہا،

یہودیت اور عیسائیت میں بھی یہی سائل مختلف صورتوں میں موجود ہیں، لیکن ہندو فلاسفہ نے غالباً سب سے زیادہ اس مسئلہ کو واضح کیا ہے، ہندو فلاسفہ کے جو مختلف فرقے ہیں ان میں بیدانتیوں کے فرقے کا خاص ہی عقیدہ ہے، اور انھوں نے اس عقیدہ کی بنا پر دنیا کی تمام چیزیں دن کو خواب و خیال قرار دیکر صرف

لے انسان کو بیدار بنانے کا لفظ اختیار کیا۔

خدا کے وجود کو حقیقی وجود قرار دیا ہے، چنانچہ ابو الفضل آئین الکریمی نے لکھا ہے،

جزایز و چون بست ندانند، و عالم را نمود بے بود انگارند، چنانچہ آدمی زاد در غنودگی خیالی
بیکر را تا ناشائی شود، و ہزاران غم و شادی اندوزد، این میداری را بد انسان شمارند، یک خشنده
نور بے گوناگون اعتبار دگرگون نامہا برگرفت،

صاحب دبستان المذاہب نے اس عقیدہ کی تشریح اور بھی زیادہ واضح الفاظ میں کی ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

و اعتقاد این طائفہ آنست کہ جهان و جانیان نمودے اند بے بود و حقیقت این واجب الوجود
است، و اورا پریم آتا خوانند، گویند این نمایش و جدائی صورت ترکیب و ہیات چون سرب و پیکر خواہست
اس عقیدے پر جو سرسری اعتراضات ہوتے ہیں اس کا جواب اویغون نے ان الفاظ میں دیا ہے،
اگر کسی پرسد کہ مادہ کو ہر خود ہیچ شک نیست از جہت آنکہ یکے دانستند و یکے نادان و یکے آسایش
و دیگرے رنجور، این چگونه خیال و نمایش باشد، جواب گویند اگر خواب نرفتنہ و خود را بادشاہ و فرمانروا
و پرستار و فرمان پذیر و گرفتار و آزاد بندہ و خداوند، بیمار و تندرست، و آزرده و خوش دل و اندوگین دیدہ
بسا ہنگام در خواب خوشی و فرح یافتہ، و بیمار ترس و ہراس بر تو برتر و غالب شدہ و بخت شکست کہ
کہ آنچہ خیال و نمایش است، آنکہ در خواب است اینہم را حقیقت ہی پذیرد، و اسے روپ کہ از را جہائے
و اوست از نامہ نگار پرسید کہ در خواب دیدہ میشود کہ زخمی منکر بر بدن رسیدہ چون از خواب برے آیم شربت
از ان نمی بینم میدانم کہ خیال بودہ، و اگر در خواب بازنے مباشرت واقع شود دیداری زیر جامہ پوش
منی میایم، و سخن ثانی چہ اثر می باشد، بعقیدہ این طبقہ بدن گوئہ پاسخ دادہ شد کہ اینکہ تو از بیداری
سے بیداری بزم گمان آنہم خواب است و خواب آنکاشہ کہ بیدار شدم، چہ بسا ہنگام در خواب دیدہ
میشود کہ بیدار شدم و آنچہ دیدم در خواب بودہ برانگوئہ این بیداری نزد بیدار دلان گمانی خوابے است،

آئین الکریمی جلد سوم صفحہ ۲۰۲، یہ پوری تفصیل دبستان المذاہب عقائد ویدانیان میں مذکور ہے،

یونان اور ہندوستان کے خیالات کے معلوم ہو جانے کے بعد اب سوال یہ ہو کہ یہ عقیدہ مسلمانوں میں کیونکر پیدا ہوا، مورخین یورپ کا سطحی اور قیاسی جواب تو یہ ہے کہ

یونان اور ہندوستان اس خیال کے اخذین کیونکہ ہندو اور یونانی دونوں ہمدوست کے قائل تھے،

یونانی فلسفہ و حکمت تو اسلامی فلسفہ و حکمت کے بدیہی اخذین، لیکن مسلمانوں نے اس عقیدہ کو جس طرح ہندوؤں سے لیا اوس کی صورت وہ یہ بیان کرتے ہیں،

کہ جب اسلام عرب سے نکل کر آریہ نسل کے ایرانیوں میں پھیلا، تو گو اوس نے بظاہر اودن کو مغلوب کر لیا مگر اودن کے آباؤ اجداد یعنی خیالات پر غالب نہ آسکا، اور اودھوں نے تصوف کے پردے میں توحید کو وحدت الوجود کے قالب میں بدل لیا، جو ان کے قدیم عقائد تعددِ آتہ کے مطابق تھا،

لیکن ان دونوں باتوں کا تاریخی ثبوت مناسک ہے، کیونکہ یونانی علوم و فنون کی توسیع و اشاعت کا جو زمانہ تھا یعنی پہلی دو تین صدیاں اوس وقت یہ خیال نہیں پیدا ہوا تھا، اس سلسلہ کی ابتدا یا طور شیخ محی الدین اکبر کے زمانے سے ہوا جو شیخ سعدی و عراقی کا زمانہ ہے،

ہندوؤں اور مسلمانوں کا اختلاط بھی اس زمانے سے بہت پہلے ہو چکا تھا، تاہم ہم کو اس زمانے سے پہلے اسلامی لٹریچر میں اس عقیدہ کی جھلک نظر نہیں آتی، لیکن ہم کو اس قیاسی استدلال پر قیاسی اعتراضات کی ضرورت نہیں، بلکہ خود اسلامی مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عقیدے کا اخذ یونانی اور ہندو نہیں، بلکہ خود اسلام ہی کا ایک فرقہ ہے، چنانچہ اسلام میں یہ عقیدہ جس طرح بتدریج پیدا ہوا اوس کے متعلق علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں ایک مفصل مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

ملہ حاشیہ پر مقدمہ دیوان غالب جدید از مفتی محمد انوار الحق ایم۔ اے، ڈائریکٹر سرشتہ تعلیم بھوپال،

ملہ شہر انجم حصہ پنجم صفحہ ۱۴۲ بحوالہ حاشیہ مذکور،

اس مجاہدہ خلوت، اور ذکر سے اکثر حس کا پردہ چاک ہو جاتا ہے، اور امرِ افسدہ کے اون
عوالم پر اطلاع ہو جاتی ہے، جن کا اور اک صاحب حس نہیں کر سکتا، اس کشف کا سبب یہ ہو کر روح
جب حس ظاہر کو چھوڑ کر باطن کی طرف رجوع کرتی ہے، تو حسی احوال ضعیف اور روحانی احوال قوی
ہو جاتے ہیں، اور ذکر اس میں مبین ہوتا ہے، کیونکہ وہ روح کی نشوونما کے لئے بمنزلہ غذا کے ہے، تدریجی
ترقی کے بعد رفتہ رفتہ یہ عالم شہود میں جاتا ہے، اور حس کا پردہ چاک ہو جاتا ہے،

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجاہدے کی یہی حالت تھی، اور ان کرامات سے اون کو کافی حصہ ملا تھا،
لیکن وہ لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے تھے، امام قیصری نے اپنے رسالے میں جن مونیوں کا ذکر کیا ہے
وہ صحابہ ہی کے مقلد تھے، اور اون کے بعد جو مونی پیدا ہوئے اونھوں نے بھی انہی کی تقلید کی،
پھر متاخرین کی ایک جماعت نے کشف مجاہب کی طرف توجہ کی، اور اوس کے متعلق اون کی رہا
کے مختلف طریقے نام ہو گئے، جب اون کو یہ بات حاصل ہو گئی تو اونھوں نے یہ خیال کیا کہ جو وصفت اون کی
معلومات تک محدود ہے، اور اونھوں نے تمام موجودات کا عرش سے فرش تک احاطہ کر لیا ہے،

متاخرین مونیہ نے جب اس کشف کی طرف توجہ مبذول کی تو اونھوں نے موجوداتِ علویہ و سفلیہ
فرشتہ، روح، اور عرش و کرسی کی حقیقت پر بحث شروع کر دی، اسی طرح انہی لوگوں میں بعض
لوگ وحدتِ مطلقہ کی طرف گئے، اور اپنے عقل و تفارص کے لحاظ سے یہ رائے پہلی رائے سے بھی زیادہ
عجیب و غریب ہے،

انہی متاخرین مونیہ میں جو لوگ محقق ہیں وہ کہتے ہیں کہ کشف کے وقت بسا اوقات مرید کو اس
وحدت کا دم ہو جاتا ہے، اور اوس کو وہ لوگ مقامِ جمع کہتے ہیں، پھر وہ اس درجہ سے ترقی کر کے موجودات
میں تیز کر کے لگتا ہے، اور اس کو وہ مقامِ فرق سے تعبیر کرتے ہیں، انھیں متاخرین مونیہ میں بعض لوگوں
نے کشف اور ادراک کے متعلق گفتگو کی تو اس میں غلو کر دیا، اور بہت سے لوگ حلول اور وحدت کی طرف

پلے گئے، اور اپنی کتابوں کو اس سے بھر دیا، جیسا کہ ہر وحی نے کتاب المقامات وغیرہ میں کیا، ابن عربی ابن سبعین، اور ابن دونون کے شاگرد ابن حقیق، ابن قارض اور نجم اسرائیلی نے اپنے تصانیف میں انہی لوگوں کی تقلید کی، ان لوگوں کے اسلاف، متاخرین اسمعیلی روافض سے جو اپنے اسلاف کے عقیدے کے خلاف حلول اور الوہیت الہ کے قائل تھے، میل جول رکھتے تھے، اسلئے ہر ایک نے دوسرے کے مذہب کو قبول کر لیا، اور ان کا کلام گم نہ ہو گیا، اور ان کے عقائد باہم مشابہ ہو گئے، اور صوفیہ کے لبرچرچین قطب کا لفظ پیدا ہو گیا جو بعینہ روافض کا عقیدہ ہے، پھر ان کے نزدیک قطب کے بعد ابدال کا درجہ ہے جیسا کہ نقیاری کے متعلق شیعوں کا عقیدہ ہے، ان لوگوں نے خرقہ تصوف کی جو اسناد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف کی ہے، وہ بھی اسی قبیل سے ہے،

ان صوفیہ نے غلطی کے ذکر سے اپنی کتابوں کو لبریز کر دیا ہے، حالانکہ متقدمین صوفیہ نے نفیاً و اثباتاً اس سے بحث نہیں کی ہے، یہ خیال شیعوں اور رافضیوں کی کتابوں سے ماخوذ ہے،

متاخرین صوفیہ میں جیسا کہ علامہ موصوف نے تصریح کی ہے، اسلامی دنیا میں ابن عربی اور ابن سبعین نے مسئلہ وحدت الوجود کا محور بھونکا ہے، اور یہ دونوں اسمعیلیہ اور باطنیہ فرقہ کے خیالات سے متاثر تھے، لیکن علامہ ابن تیمیہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان دونوں کو صاف صاف باطنیہ کہتے ہیں، چنانچہ لاری علی المطلق میں ایک موقع پر لکھتے ہیں،

وما یذکر من طوائف من الباطنیۃ باطنیہ اور باطنیوں کے فرقوں میں باطنیہ سبعہ جیسے اصحاب سائل
السبعہ کا صحابہ رسائل اخوان الصفا و باطنیہ صوفیہ جیسے ابن سبعین اور ابن
الصوفیہ کا بن سبعین وابن عربی وغیرہما عربی وغیرہ نے ذکر کیا ہے،

ان تصریحات کے ساتھ اگر اجمالی طور پر باطنیہ فرقہ کی تاریخ بھی پیش نظر رکھی جائے تو اس خیال کی تائید کا ایک عمدہ ذریعہ ہو سکتی ہے،

لے مغربہ ابن خلدون علم تصوف، ص ۵۵، الروای المطلق صفحہ ۵۱۶، نسخہ ملی،

اسلام میں ابتداء ہی سے غلامی و روافض میں متعدد فرقے مثلاً سبائہ، یثیانیہ، جہنابہ، خطابیہ اور تمیزیہ وغیرہ پیدا ہو گئے تھے جو حلول و اتحاد کے قائل تھے، سبائہ کا خیال تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قالب میں خدا کی روح حلول کر گئی ہے، اسلئے وہ خدا ہو گئے ہیں، خطابیہ کا اعتقاد تھا کہ حضرت جعفر صادق کے قالب میں خدا کی روح حلول کر گئی ہے، علی ہذا القیاس یہ تمام فرقے ائمہ کے قالب میں حلول روح الہی کے مدعی تھے، اسلام میں ایک اور فرقہ غریبیہ کے نام سے پیدا ہو گیا تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان تھا، اپنے لڑکوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا تھا، اور اپنی آبادیوں میں مسجدیں بھی تعمیر کر لی تھیں لیکن درحقیقت وہ تمام فرائض اسلام کا منکر تھا، اور تمام محرمات شریعہ کو مباح سمجھتا تھا، چونکہ یہ تمام حلولیہ فرقے بھی فرائض اسلام کے منکر تھے اور محرمات شریعہ کو مباح سمجھتے تھے، اسلئے غریبیہ بھی انہیں میں مل گئے،

باطنیہ مذہب کی دعوت کا آغاز ہوا تو اس مذہب کے مؤسسين میں سیون بن دیمان نے مغرب کا مسخ کیا، جہاں غلامی شیعہ اور حلولیہ نے اس مذہب کا خیر مقدم کیا، اور رفتہ رفتہ اس مذہب کے متعدد داعی پیدا ہو گئے، مثلاً حمدان زمرط کے بھائی مامون نے ایران میں اس مذہب کی اشاعت کی، ابو حاتم نے ارض دہلیم کو اپنی کوششوں کا جوالا لگا ہ بنایا، عبید اللہ بن حسن نے قیروان کے اطراف میں اس مذہب کو پھیلایا، اور کاسہ معاصمہ اور بہت سے برابر اس مذہب میں داخل ہو گئے، اور ان کے ذریعہ سے وہ بلا و مغرب پر غالب آگیا مصر میں انشیدی خاندان حکومت کر رہا تھا، اس کے بعض نمبر بھی عبید اللہ کی جماعت میں شامل ہو گئے اور ان لوگوں نے سلسلہ میں داخل مصر ہو کر خاص اپنے اتباع کے لئے ایک شہر آباد کیا، جس کا نام قاسرہ رکھا، غرض رفتہ رفتہ ان کی دعوت تمام دنیا سے اسلام میں پھیل گئی اور متعدد سپہ سالار، ولایہ، اور سلاطین ان کی جماعت میں شامل ہو گئے، ہندوستان ایک دور افتادہ ملک تھا، لیکن ملتان کے لوگ بھی باطنی مذہب میں داخل تھے، چنانچہ سلطان محمود نے ان میں ہزاروں اشخاص کو تیغ کر دیا،

جو تھی صدی تک اگرچہ یہ مذہب تمام دنیا سے اسلام میں پھیل چکا تھا، اس کی وجہ سے متعدد ہنگامے

برپا ہو چکے تھے، اور لاکھوں آدمیوں کی لاشیں اوس کی بے نیٹ چڑھ چکی تھیں، لیکن اوس کی تکمیل کا ایک درجہ اور باقی رہ گیا تھا، جس کو حسن بن صالح نے پانچویں صدی میں پورا کیا، اور اس مذہب کی دعوت کا جو قدیم طریقہ تھا اوس کو بدل کر ایک جدید طریقہ دعوت قائم کیا، یہی وجہ ہے کہ اوس کے اتباع تاریخ میں ”اصحاب الدعوة الجدیدہ“ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں،

تاریخی حیثیت سے اسی صدی کے بعد اسلام میں وحدت الوجود کا غلط فہم بلند ہوا، اور شعرا نے اسکو اسلامی لٹریچر کا ایک نشہ آور جزو بنادیا، اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں نے باطنیوں سے اس عقیدہ کو سیکھا، اس تاریخی تفسیر کے ساتھ اگر امور ذیل کا محاذ رکھا جائے تو یہ قرینہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے،

(۱) یونانی فلسفہ اگرچہ دنیا سے اسلام میں پھیل گیا تھا، لیکن وہ ایک چھوٹی سی علی جماعت تک محدود تھا، اسلئے تمام دنیا سے اسلام میں اوس کا اثر نہیں قائم ہو سکتا تھا،

(۲) ہندوؤں میں وحدت الوجود کا قائل صرف ایک فرقہ تھا جس کی تعداد محدود تھی، اس کے ساتھ ہندو مغلوب و محکوم تھے، اور ایک مغلوب و محدود فرقہ کا اثر تمام دنیا سے اسلام میں نہیں پھیل سکتا تھا، بلکہ ان غالب تو یہ ہے کہ خود ہندوؤں نے ملتان میں باطنیوں ہی سے اس عقیدے کو اخذ کیا،

(۳) باطنیہ ابتدا ہی سے ایک پولیٹیکل طاقت نہ کہ تمام دنیا سے اسلام میں پھیل گئے تھے، اور خیالات کی عام اشاعت صرف سیاسی اور فوجی طاقت سے ہو سکتی ہے،

(۴) باطنیہ مذہب بالکل دہری تھے، قدم عالم کے قائل تھے، نبوت اور شریعت کے منکر تھے، اور تمام عورتوں شریعہ کو مباح سمجھتے تھے، اور یہ تمام مقاصد صرف ایک مسئلہ وحدت الوجود سے حاصل ہو سکتے تھے، اسلئے اونھوں نے اسی کو اپنے مذہب کا محور قرار دیا،

اسلام میں اس عقیدہ کی اشاعت کے اسباب | اسلام میں یہ عقیدہ پیدا ہوا تو تصوف کا اصول موضوعہ بن گیا، اور

سلف مل و کل شریعتانی تذکرہ باطنیہ،

اوس کی اشاعت کے مختلف اسباب پیدا ہو گئے، چنانچہ مجدد الٰہی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں،
 اکثر بنائے ایسے وقت بعض تقلید و بعض بحد علم و بعض دیگر علم عمر زج بذوق و لونی اہل و بعض
 بالحد و زندہ دست بدامن این توحید وجودی زودہ اند و ہمہ را از حق میدانند بلکہ حق میدانند و گردن
 خود را از ریفہ تکلیف شرعی با محکمہ کشائند و عہدات در احکام شریعیہ مینمایند و این عامله خوشوقت و خوش
 و ایمان او امر شریعہ را اگر اعتراض داند لفظیہ میدانند، مقصود اصلی در اسے شریعت خیال میکند حاشا و
 کلام حاشا و کلام خود با شد سبحانہ من بعد الاعتقاد السور،

اسی مکتوب میں ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں،

دوین زمان بسیارے ازین طائفہ کہ بڑی صوفیان خود را و مینایند توحید وجودی را نشانے سازند

و بازار کا سد خود را باین تخیلات رائج و کشتہ اند،

ان ملاحظہ فرمادہ، عوام مقلدین، اور کم پایہ صوفیوں کے علاوہ خواص کا ایک گروہ بھی اس امر
 میں گرفتار تھا، اور اوس کی نسبت اگر بدگمانی سے کام لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح خواص کے عقائد
 و خیالات کا اثر عوام پر پڑتا ہے، اسی طرح کبھی کبھی خواص بھی عوام کے عقائد و خیالات سے متاثر ہو جاتے
 ہیں، لیکن مجدد الٰہی ثانی اوس کی نسبت حسن ظن سے کام لیتے ہیں، اور فرماتے ہیں،

بعض اکثر مراقبات توحید بر این احکام می آرد، و بعض دیگر را علم توحید و تکرار آن سے

از ذوق بآن احکام می بخشند، و بعض دیگر را انتشار این احکام علیہ محبت است کہ بواسطہ استیلا

حب محبوب غیر محبوب از نظر حب میخورد، و محبوب بیخ نمی بیند نہ آن کہ نفس لامر غیر محبوب بیخ نیست

انہی خواص کے گروہ میں بعض لوگوں نے ذوق، مراقبہ اور محبت کے علاوہ اس مسئلہ پر فلسفیانہ

مبہت سے بھی بحث کی ہے، اور اہل ظاہر، متکلمین، حکماء، سلفیائے اور دہریہ نے وجود باری کے

متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہیں، اول سب پر اس عقیدہ کو ترجیح دی ہے، اور اس کے ذریعہ سے تمام اشکالات وجود کو حل کیا ہے، چنانچہ ہم اس موقع پر اون کے ترجیحی دلائل کا خلاصہ درج کرتے ہیں،

(۱) دنیا کی ہر چیز بے شبہ موجود معلوم ہے، لیکن اس کا وجود انتزاعی ہے جس طرح چار سے زوجیت کا انتزاع کیا جاسکتا ہے، اسی طرح وجود باری سے زید و بکر کا وجود منتشر ہے، لیکن کسی چیز کے معلوم محسوس ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ موجود بھی ہو، ایک پیاسے کو سراب پانی کی شکل میں نظر آتا ہے، حالانکہ وہ پانی نہیں ہوتا، بعینہ اسی طرح اہل تصوف کے نزدیک دنیا ایک سراب ہے،

(۲) حکماء و متکلمین کے نزدیک موجودات کے تین درجے ہیں، ادنیٰ، متوسط، اعلیٰ، ادنیٰ درجہ کا موجود وہ ہے جس کا وجود غیر کی وجہ سے ہو، جیسے مکانات کا وجود، متوسط درجہ کا موجود وہ ہے جس کا وجود خود اپنی وجہ سے ہو جیسے اشاعرہ کے نزدیک خدا کا وجود، اعلیٰ درجہ کا موجود وہ ہے جس کا وجود خود عین ذات ہو جیسے حکماء اور محققین متکلمین کے نزدیک خدا کا وجود، لیکن اگر وجود کو صرف خدا کی ذات میں محدود کر دیا جائے، اور اس کو تمام عالم کے وجود کا منشاء انتزاع قرار دیا جائے تو اس کا وجود اور بھی اعلیٰ و اشرف ہو جاتا ہے، مثلاً زید کا وجود جو جسم نامی، محسوس متحرک بالارادہ، نامطلق اور ضالحک کا منشاء انتزاع ہے، ان تمام چیزوں سے اشرف و اعلیٰ

(۳) حکماء و عقلاء نے موجودات کے متعلق جو غلطیاں کی ہیں اون کو غفلت ہو س پرستی نہیں قرار دیا جاسکتا، بلکہ اس کی کوئی معقول وجہ قائم کرنی چاہیے، اور یہ وجہ اسی وقت قائم ہو سکتی ہے، جب وجود کو ذات خداوندی میں محدود کر کے اس کو تمام موجودات کا منشاء انتزاع قرار دیا جائے، مثلاً سونفطائیہ اس حد تک صحیح کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز حقیقی وجود نہیں رکھتی، لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے تمام موجودات کے حقیقی منشاء انتزاع کو بھی نظر انداز کر دیا، اس لیے کلیۃً تمام موجودات کے منکر ہو کر عالم کو غلطی سے صرت خیالی چیز کہنے لگے، اس کے برعکس دہریوں نے صرف موجودات خارجی پر نظر ڈالی، اور اون کے وجود کی نوعیت سے قطع نظر کر لی، اور موجودات کو صرف مکانات میں محدود کر دیا، بشبہ نے وجود باری کے

صرف ایک روشن ترین نظریہ یعنی جسم کو دیکھا اسلئے اس کو بھی غلطی سے جسانی قرار دے لیا، محکمین نے ممکن اور واجب دونوں کو پیش نظر رکھا، لیکن وجہ انتزاع سے غافل ہو گئے، اور دونوں کو مستقل وجود قرار دے لیا لیکن ان غلطیوں کا سبب صرف اسی وقت پیدا ہو سکتا، جب وجود کو ایک ذات میں محدود تسلیم کر لیا جائے درنہ اگر متفاوت الدرجہ مستقل موجودات تسلیم کر لئے جائیں تو حقائق کے سوا ان غلطیوں کا کوئی سبب نہیں قرار دیا جاسکتا،

(۴) مگر، کے نزدیک چونکہ خدا کا تعطل محال تھا، اسلئے وہ قدم عالم کے قائل ہو گئے، لیکن مونیہ کے نزدیک چونکہ ممکنات کی ایجاد بھی خدا کے وجود کا ظہور اور اس کی تجلی ہے، اسلئے ازل میں کوئی ایسی آن نہیں نکل سکتی جس میں خدا کی کوئی شان یا کوئی تجلی نمایاں نہ ہو، خدا خود کہتا ہے: ”کل یوم ہونی شان“ اگرچہ یہ تجلی صرف علی تجلی ہے، لیکن یہ بھی ایک عالم ہے، اور اسلئے خدا کسی حالت میں مطلق نہیں رہ سکتا،

(۵) اس عقیدہ کے دوسرے رویت باری کا مسئلہ بھی آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہے، کیونکہ جس شخص

نے مراب کو دیکھا، اور اس کی نگاہ لازمی طور پر ہوا پر بھی پڑی ہے، تاہم جب تک ہوا اسباب کی صورت میں نمایاں نہ ہو اور قوت باصرہ کو علم کا درجہ نہ حاصل ہو جائے اس کی رویت نہیں ہو سکتی، اور یہ وجہ اس دنیا میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ خواہش کی تو اذن کو جواب ملا ”لن ترانی“

(۶) وجہ باری کی تجلیات غیر تنہا ہیں جن میں بعض خاص اور بعض عام ہیں، سورج میں درخش اور ہبشت کی صورت میں اس کی تجلیات نمایاں ہوئی یقیناً، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص یقیناً اور آخرت میں اس کی عام تجلی ظاہر ہوگی،

اہل ظاہر کی مخالفت کے اسباب، شریعت علم عمل دونوں کے مجموعے کا نام ہے، لیکن سلسلہ وحدت الوجود کی وجہ سے

سلسلہ رسالتی میر محمد باختم، وحدت الوجود پر بہت سے صوفیاء رسالے لکھے گئے، لیکن ان میں اکثر غیر مفہوم ہیں،

ادس کا عملی حصہ بالکل بیکار ہو جاتا ہے، اور انسان کی سعادت صرف حقیقت شناسی اور کمال عرفان میں محدود ہو جاتی ہے، چنانچہ صاحب دستان المذاهب نے جہان اس عقیدے کا ذکر کیا ہے وہ ان لکھا ہے،
طاعت و عبادت بفاعت ادا م است، و درکات جہنم و طبقات بہشت و رحمت و تناسخ و
جزاے کردار ہمہ خیالات است،

و ایشان را عقیدہ آنست کہ ریاضت برائے آنست تا بر سالک معلوم گردد کہ جہان نمودہ و بے بود
است، و موجود حقیقی خداست و جزا و جزا ہر چہ بہت خیال است کہ از دست کرنی حقیقت وجود ندارد،
نیاز بر ریاضت ہم نہ باشد و کمال دران دانند کہ از ریاضت ہم گزردہ چہ آن طلب است و تا دہ طلب
است خود را شناختہ چہ خود عین ذات الہی است،

چنانچہ اسلام میں جن لوگوں نے اس عقیدہ کی پیروی کی وہ فرائض و عبادات کی پابندی سے
بالکل آزاد ہو گئے، اور جیسا کہ ہم مجدد العت ثانی کی عبارت او پر نقل کر آئے ہیں، اودن کو شریعت کی
پابندیوں سے نجات حاصل کرنے کا یہ ایک عمدہ ذریعہ ہاتھ آگیا، اہل ظاہر کی مخالفت یہیں سے شروع
ہوتی ہے، اور وہ عملی حیثیت سے اس عقیدہ کو گمراہی و ضلالت کا سب سے بڑا سرچشمہ خیال کرتے ہیں،
چنانچہ علامہ ابن تیمیہ الرد علی المنطق میں لکھتے ہیں،

نفس میں دو قوتیں ہیں، ایک قوت ظلیہ نظریہ، اور دوسری قوت ارادی عملیہ، اسلئے اوس کی
دونوں قوتوں کی تکمیل خدا کی معرفت اور خدا کی عبادت سے ہونی چاہیے، لیکن یہ لوگ عبادات،
کا مقصد نفس کے اخلاق کی اصلاح قرار دیتے ہیں، تاکہ وہ اوس علم کے لیے تیار ہو جائے جس کو
یہ لوگ نفس کا کمال خیال کرتے ہیں، یا اوس کا مقصد اصلاح منزل اور اصلاح مدن قرار دیتے ہیں
جو حکمت عملی میں داخل ہے، اس بنا پر وہ عبادات کو علم کا صرف وسیلہ خیال کرتے ہیں، اسلئے
جس شخص نے اس مقصد کو حاصل کر لیا اوس سے عبادات کو ساقط کر دیتے ہیں، جیسا کہ ملاحظہ

استعملیہ، اور ادن لوگوں کا خیال ہے جو اس اکادمین شریک ہیں، اور صوفیہ کی طرف منسوب ہیں،
اس اکادمی اور بیدینی کے ساتھ اس شرک کی بعض قسمیں بھی پیدا ہوتی ہیں، اور قبر پرستی وغیرہ
کے لئے ایک حیلہ بات آجاتا ہے، چنانچہ علامہ موصوف اسی کتاب میں لکھتے ہیں،

قراصلہ، اور ملاحدہ باطنیہ، اور وہ جہاں جو صوفیہ اور متکلمین میں داخل ہو گئے ہیں مثلاً اہل حدیث
وغیرہ، وہ شفاعت کو اس بات پر مبنی سمجھتے ہیں کہ خدا اپنی مشیت اور قدرت سے کچھ نہیں کرتا، وہ
جزئیات کا عالم نہیں، اور عالم میں کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا کر سکتا، بلکہ عالم اس کا ایک فیض ہے جو بغیر
اوس کی مشیت، اوس کی قدرت اور اوس کے علم کے پہنچا ہے، اس بنا پر جب ایک طالب شفاعت
جو اہر عالیہ مثلاً عقل، نفوس، ستارے، چاند، سورج یا بعض صحابہ کے نفوس کی طرف متوجہ ہوتا ہے
اور اوس کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے، تو جب ادن پر فیضان آتی ہوتا ہے، تو اوس شفیع کے ذریعہ سے اس
طالب شفاعت کو بھی یہ فیضان پہنچ جاتا ہے، مثلاً سورج جب آئینہ پر چمکتا ہے تو آئینہ کی شعاعیں
منعکس ہو کر دوسرے مقام پر پڑتی ہیں، اور وہ اوس سے چمک اٹھتا ہے،

یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ قبروں کے پاس یا قبروں کے علاوہ دوسرے مقامات پر دعائے موتی کو جانتے سمجھتے
ہیں، ادن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور ادن سے زیادہ کرتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ شفاعت کے واسطے میں
جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، اوس کی وجہ سے جو کفر لازم آتا ہے وہ مشرکین عرب کے کفر سے بھی بڑا ہے،

اس عقیدہ کی بنا پر وحدت صرف ایک ذات میں محدود ہو جاتی ہے، اور انسان صرف ایک لفظ
”اللہ“ کا ورد کرنے لگتا ہے، بعض صوفیہ یہ لفظ بھی نہیں بولتے بلکہ اس کو اسم ضمیر یعنی ”ہو“ سے تعبیر کرتے ہیں،
چنانچہ صاحب فصوص نے ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام کتاب ہو ہے، لیکن علامہ موصوف
کے نزدیک ذکر و فکر کا یہ طریقہ بھی خلاف سنت ہے، چنانچہ اپنے مجموعہ فتاویٰ میں لکھتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثابت ہے کہ افضل ترین ذکر لا الہ الا اللہ اور افضل ترین دعا محمد بن عبد اللہ چھ شخص نے پرخیاں کیا کہ یہ عوام کا ذکر ہے، خواص کا ذکر اسم مفرد اور افضل کا ذکر اسم مفرد ہے، توبہ لوگ گمراہ ہیں، اور غلطی میں پڑے ہوئے ہیں، اور بعض لوگوں کی یہ دلیل کہ خدا خود کستا، تو قل اللہ فم ذہبی فوضعم یومون "کہہ خدا، پھر اون لوگوں کو چھوڑ دے کہ اپنے خوش میں کھیلتے رہیں، ان لوگوں کی یہ بھی غلطی ہے، کیونکہ اسم خود استعمال کے جواب میں مذکور ہے، اور وہ خدا کا یہ قول ہے: قل من انزل الکتاب الہی جابرہ موسیٰ نور ادبی للناس "اس قول تک قل اللہ یعنی اللہ وہ ہے جس نے اس کتاب کو اتارا جس کو موسیٰ لائے، پس اسم مفرد ہے، اور اس کی خبر پر استعمال نے دلالت کر دی ہے، لیکن اسم مفرد چاہے مظهر ہو یا مفعول وہ کلام تام ہے، نہ جملہ مفیدہ، نہ اس کے ساتھ ایمان کا تعلق ہے، نہ کفر کا، نہ امر کا، نہ نہی کا، اس سے قلب کو نہ کوئی معرفت مفیدہ حاصل ہو سکتی ہے نہ کوئی مفیدہ حالت، بلکہ تصور مطلق حاصل ہوتا ہے جس پر قلب نفی و اثبات کی چیز کا حکم نہیں لگاتا، اور چونکہ اس نے اس ذکر پر ہوا طبیعت کی ادنیٰ میں بعض احاد و اتحاد میں مبتلا ہو گئے،

جمع میں ہیغۃ و الشریعۃ اگرچہ عام طور پر تمام صوفیہ توحید و جود کی کے نشے میں سرشار ہیں، لیکن حضرت مجدد الف ثانی توحید شہودی کے مائل ہیں، اور اس کو عقل اور شریعت کے موافق اور حید و جود کی کو ان دونوں کے مخالف سمجھتے ہیں، چنانچہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں،

پس توحید و جود کی کہ نفی، اسوائے ایک ذات است تو الٰہی و تقدس مطلق و شریع و جنگ است شہودی کہہ دیں
بدین بیچ غایت نیست مثلاً در وقت طلوع آفتاب ستارہ ہر نفی کو دین و مودوم و انفس غایت واقع است، ستارہ در آن وقت ناویدین بیچ غایت نیست بلکہ آن در دین بواسطہ قریبہ ظہور نور آفتاب است ضیعی ہر نفی کو گھبراہی ہو بہا ان آفتاب کھل شود و وقت پیدا کند ستارہ را از آفتاب جدا بنید دین و بدو حق البقیں است،

حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک توحید شہودی کے بغیر فنا کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ کسی مکتوب میں لکھتے ہیں

۴
تاریخ
انجمن
مطالعہ
عربی
و
فارسی
کتاب
خانہ
کراچی

توحید شہود ہی از فرویات این اہرست چہ فناءے ابن توحید متحقق نمیشود و عین الیقین ہے آن مرئی شہود
زیرا کہ رویت کیے باسنتیلا او کثر نم عدم رویت ماسوائے اوست،

لیکن علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک فناء کا یہ درجہ بھی نقص سے خالی نہیں، چنانچہ اپنے فتاویٰ میں ایک موقع پر لکھتے ہیں،

فناء کی دوسری قسم یہ کہ شہود ماسوائے فنا ہو اور فناء کا یہ درجہ بہت سے سالکوں کو اسلئے حاصل ہو جاتا ہے کہ ان کا دل خدا
کے ذکر خدا کی عبادت، اور خدا کی محبت کی طرف شدت سے کھینچ جاتا ہے، اور ان کے قلب میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ غیر محبوب کو دیکھ سکے،

اور غیر مقصود پر نگاہ ڈال سکے، ان کے دل عین خدا کے سوا کوئی چیز نہیں کھینکتی، یہی وہ مقام ہے جہاں ایک قوم کے قدم ڈھنگ گئے

ہیں، اور ان لوگوں نے خیال کر لیا ہے کہ یہ خدا ہے اور عاشق و معشوق متحد ہو گئے ہیں، یہاں تک کہ ان کے جو دین کوئی فرق باقی

نہیں رہا ہے، لیکن غلطی ہے، حقائق کے ساتھ کوئی چیز خدا نہیں ہو سکتی بلکہ کوئی چیز نہ مری نہ مری نہ ہو سکتی، یہ ایک

دو دونوں بل نہ جائیں، اور ان کے خدا سے تیری چیز پیدا ہو جائے جیسا کہ دوہ بانی اور شراب متحد ہو جائے، البتہ مراد محبوب

اور کردہ متحد ہو سکتے ہیں، اور ان کے ارادہ اور کراہت میں اتفاق ہو سکتا ہے، اسلئے جس چیز کو ایک محبوب کھتا ہے دوسرا اسی اوست

عجوب رکھ سکتا ہے جس چیز کو یہ منہض کھتا ہے، دوسرا بھی اوست کہ منہض رکھ سکتا ہے، لیکن اس قسم کی فنا نقص سے خالی نہیں اور

اکا براد لیا، مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، اور سابقین دین و مہاجرین انصار بھی اس نمایاں نہیں پڑے

چہ جائیکہ انبیاء، یہ درجہ صحابہ کے بعد پیدا ہوا، اسی طرح جن چیزوں سے عقل و فہم کم ہو جاتی ہے وہ در صحابہ کے بعد پیدا ہوئیں

صحابہ کرام احوال یا مائیں میں اس سے کمال تر، اس سے قوی تر، اس سے مستحکم تر تھے، کہ ان کی عقلیں کم ہو جائیں، یا ان پر

غشی، یہ ہونشی بانٹنے کی حالت طاری ہو جائے، ان چیزوں کی ابتداء و زوال میں عباد و بصرہ سے ہوتی،

ان تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ توحید و جود ہی خود بعض تعقین صوفیہ کے نزدیک عقل اور شریعت کے مخالف ہے،

توحید شہود ہی بے شبہہ ان کے نزدیک ایک بے داغ چیز ہے لیکن اہل ظاہر اس پر بھی راضی نہیں ہو سکتے،

دوسرا نیا بیہ یوان

(۲)

انجناب مولانا حبیب الرحمن خان حسرت شروانی، صدقہ اللہ و آلہٗ وسلم،

طالب اعلیٰ درجہ انگریزی کا ملک اشتر تھا، اس کا کلام عام طور پر نیا بیہ، بجھکواس کے دیوان کے دو نسخے ملے، ایک ابتداء دتی سے، یہ نسخہ معمولی خط کا بہت غلط ہے، مگر اکثر جگہ غلطی سمجھ میں آجاتی ہے، کثرت کلام کے لحاظ سے قابل قدر ہے،

دوسرا نسخہ لکھنؤ سے دستیاب ہوا، اہتمام تحریر کے لحاظ سے نادر ہے، میں پہلے تک اس کی قدر کرتا تھا مروجہ علامہ شبلی نے طلب فرما کر عرصہ تک زیر مطالعہ رکھا، ان کی جو ہر شناس نظر نے اس کا خاص جوہر پرکھا صبح قدر جو ہر شاہ داند یا بداند جو ہریء واپس فرمایا تو لکھا کہ یہ نسخہ خود طالب اعلیٰ کی تحریر دیکھ مزین ہے، میں نے بھی اسے خیال سے دیکھا تو علامہ کی رائے کو صحیح پایا، دلائل حسب ذیل ہیں،

اس نسخہ کے کاتب نے اپنا نام میرزا جان احمدی لکھا ہے، سنہ کتابت نہیں لکھا، عموماً قصائد وغیرہ کے عنوان اصل کاتب نے نہیں لکھے، حاجی خاصو صا غیر فانوس ردیفون کے موقع پر مین مین ایک غزل دو غزل کے انداز سے بیاض چھوٹی ہوئی ہے، اصل کاتب کی تحریر ہاشمناں آخر کی چند رباعیوں کے پختہ تعلق ہے، جو عنوان قصائد کے خالی ہیں ان کے عنوان، بعض رباعیوں کے عنوان، ان بیاضوں میں (جو اصل کاتب نے چھوڑے) بعض غزلین ایک اور قلم کی لکھی ہوئی ہیں جو اصل کاتب کے قلم سے صاف طور پر ممتاز ہے، قصائد کے عنوان اس پنج سے لکھے گئے ہیں کہ یہ واضح ہوتا ہے کہ کاتب مدوح کا ہم عصر اور متوسل ہے، مثلاً طالب کے مربی میرزا غازی ترخان (امیر جاگیر) کی شان میں جو قصائد ہیں ان کے عنوانوں میں کسی جگہ سرخ روشنائی سے تحریر

”در مدح مرحومی میرزا غازی ترخان“۔ ایک جگہ لکھا ہے، در مدح نواب مرحومی غازی ترخان، ”جہانگیر بادشاہ کی مدح کے ایک قصیدہ کا عنوان ہے، در مدح حضرت نعل المی ملائذہ ظلہ“ ایک اور قصیدہ کا عنوان ”بمدح مدظلہ“ اعتماد الدولہ وزیر جہانگیر طالب کا رشتہ دار تھا، اس کی مدح کے قصیدہ کا عنوان ہے، در مدح نواب قبلہ گاہی ام اعتماد الدولہ العلینہ مدظلہ“ دوسرے قصیدہ کا عنوان ہے، بمدح مدظلہ“ نور جہان کے ایک مدحیہ قصیدہ کا عنوان ہے، در مدح ہمد علیا نور محلیم گفتہ شد علی ہذا القیاس۔

ان عنوانوں سے معاشرت اور تعلق دونوں ثابت ہوئے ہونگے، نور جہان کی مدح کے قصیدے کا عنوان اس وقت لکھا گیا جب تک وہ نور محلیم نور جہان نہ ہوئی تھی، یہ تمام عبارتیں سرخ قلم سے ایک ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، ایک اور خصوصیت ہے، بعض ردیفوں کی تکمیل اسی قلم سے ان بیاضوں میں ہے جو کاتب نے چھوڑ دی تھیں معلوم ہوا کہ اصل کاتب کو یہ غزل نہ ملی تھی یا موزون نہ ہوئی تھی، اور اس کے انتظار میں یہ بیاض چھوڑی گئی تھی، اسی قلم سے جا بجا اصلاحیں ہیں، اصلاح کی بحث تفصیل سے آگے آتی ہے،

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خط و قلم کس کا ہے، جواب قطعی یہ ہے کہ خود طالب اہلی کا کیونکہ اس وجہ سے کہ حاشیہ پر جا بجا نیز متن میں اسی قلم کا لکھا ہوا طالب کا کلام ہے جس پر لکھا ہے، ”سرا قلمہ“ معلوم ہوا کہ قائل کلام در اقم کلام ایک ہی ہے، اور یہ مافی ہوئی اصطلاح ہے، ان غزلوں کے مقطعوں میں لفظ ”طالب“ کی شان تحریر عموماً یہ ہے ”طالب“ دوسری دلیل یہ ہے کہ بہت سی اصلاحیں اسی قلم کی ایسی ہیں جو تصحیح کتب نہیں بلکہ اصلاح کلام میں معلوم ہوا کہ خود طالب نے اپنے کلام میں اصلاحیں نظر ثانی کے وقت کی ہیں، ان دلائل کی بنیاد پر یہ کہنا جاوے کہ یہ دیوان بطور بیاض کے خود طالب کے لئے لکھا گیا تھا، جو اس کے پاس رہا اور وقتاً فوقتاً اس کے قلم سے فیضیاب ہوتا رہا، ایسے نسخہ پر کتاب خانہ فکر کر سکتا ہے، میرے کتابخانہ کو یہ سرمایہ فخر علامہ شبلی مرحوم کی

جو ہر شئ اس نظر کے فیض سے حاصل ہوا، ہر حمد اللہ تعالیٰ،

طالب کا خط پختہ شفیقہ ہر اور قلم باریک،

اصلاحین، اصلاحین بجائے خود سراپہ ندرت ہیں، بعض تو محض کتابت کی نصیح ہیں کہیں کتابت سے لفظ چھوٹ گیا تھا، اضافہ کر دیا ہو کہیں لفظ غلط لکھ گیا تھا کاٹ کر صحیح کر دیا ہو، کہیں مصرعے رد و بدل ہو گئے تھے وہاں خط کھینچ کر ایک شعر کے دو وزن مصرعون کو مربوط کر دیا ہو، علیٰ ہذا القیاس، قابلِ یہ رہ اصلاحین ہیں جو کلام میں کی گئی ہیں، ان اصلاحوں نے پایہ کلام بلند سے بلند تر کر دیا ہو، اس سے طالب کی قوت طبع کا اندازہ ہوتا ہو، مثلاً دو چار نمونے ملاحظہ ہوں،

ایک قطعہ جس کا قافیہ ہر تاجدار سی، خاکساری ہر اسکا ایک شعر ہے،

تپ غیر تم سوخت یا ران چرم سوزم بلائی است در آدمی جزو ناری

ایک دوبار پڑھ کر دیکھیے کہ کہیں جوڑ بند ڈھیلے تو نہیں، اب اصلاح دیکھیے، مصرع اول

۴ تپ غیر تم در عرق دارد آری، اندازہ کیجئے، گرمی کلام کس درجہ پر پہنچ گئی، تپ کے واسطے عرق مصرع جوئے بلاغت میں غوطہ کھا کر نکھر گیا،

ایک اور شعر

دست ہوس قوی شدہ در کشور وجود ترسم کہ عیشِ رخصت بنا موس غم کند

اول مصرع میں اصلاح ہوئی، ۴ دست ہوس قوی شدہ بازوئے دل ضعیف، ایک بار

غیر اصلاحی مصرعہ کہ کمر پڑھ کر اصلاح شدہ سے مقابلہ کیجئے، گرمی کمان کا زور محسوس ہونے لگے گا، تیسرا شعر

چنان کہ اختہ جو ش خیال طالب را کہ موبو شدہ چون طبع خوشین نازک

اصلاح میں، طبع کا لفظ نکر سے بدل دیا گیا، نزاکت نکر د اولیٰ طلب،

جو تھا شعر

گردید آب دیدہ طالب چمن شناس زمین پس حرام گشت بہ شبنم وضوئی گل

مصرع اول میں اصلاح ہوئی بجائے ”گردید“ کے ”شد باز“، اب مصرع یہ ہے، ۶ شد باز
آب دیدہ طالب چمن شناس، غور کیجئے مضمون میں کس قدر وسعت پیدا ہو گئی، گردید سے یہ مفہوم ہوتا
تھا کہ آب دیدہ اول مرتبہ چمن شناس ہوا ہے، اور آغاز گزیرا رہی ہے، ”باز شد“ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ پہلے
بھی یہ چشمہ روان رہ چکا ہو، درمیان میں خزان مٹی ٹورک گیا تھا، بہار آئی تو پھر جاری ہوا، جب رکا
ہوا تھا تو مجبوراً پھول شبنم سے وضو کرتے تھے، اب روانی آگئی تو دارالافتائے محبت سے فتویٰ جاری ہوا
کہ آب آیتیم برخاست، اکثر کے ہوتے ہوئے اس سے پیاس کیون بھائی جائے، لہذا روانی
آب کے لیے باز شد، اگر آب ”چمن شناس“ ”باز شد“، وضوئے گل ”شبنم“، ان الفاظ پر ذوق
دوبارہ بحیثیت مجموعی غور کرینگے تو پورے مضمون کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے گی، اب طالب
کی دو غزلیں پوری سن لیجئے، اس کے بعد طالب رخصت ہوتا ہوں،

علامہ شبلی نے طرز طالب کی خصوصیت حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمائی ہے، ”ندرت
تشبیہ و لطف استعارہ“ میرا خیال ہے کہ ”سرخوشی و نزاکت“ ”وجود بار جہانگیر و نور جہان کا طرہ امتیاز
تھی“ کلام طالب کی شان امتیاز ہے، و کچھ عربی و طالب و دونوں کشمیر دیکھتے ہیں، اس کی روح پرور
ہوا، اور رنگ بہار سے متاثر ہوتے ہیں، ولی خیال الفاظ شعریں تراوش کرتا ہے، عربی کہتا ہے

ہر سوختہ جانیکہ کشمیر در آید گرم رخ کباب است کہ بابل و پراید
طالب ز مرہ سنج ہوتا ہے

فیض پالہ بخشد آب و ہوائے کشمیر از خشت خم نہاد گدگدایانائے کشمیر
دو غزلیں سنانی یقین مضمون میں مضمون پیدا ہو گیا، ان غزلوں میں طالب کا اصلی رنگ صاف نمایاں ہے

غزل

بہار آمد کہ گرد جسم و جان مست شود دل مست چون بلبل زبان مست
 بہار آمد کہ از بوئے گل و سوسے زمین بہوش گرد آسمان مست
 چراستانہ می غلط بہر سوسے بجدول نیست گراں روان مست
 از ان پیمانہ کا مداولین دور ز کم ظرفی شدم از بوئے آن مست
 نشد تغیر و کیفیتم، هیچ بہان متم همان ستم بہان مست
 زمانے نیست کہ گلبانگ شو قم نیتقد بلبلے از آشیان مست
 چو برستان نہ شد هیچ تکلیف چرا طالب نباشم جاودان مست
 مقطع سے ادھر کا شوگر کس قد نادر اور مینے ہو، بلبل کے مست کرنے کے واسطے جو نواہر وہ

بھی گلبانگ ہو، نظیری نے بھی اس مضمون کو کیا ہو مگر اپنے رنگ میں سے

زیر شاخ گل انمی گزیدہ بلبل را غزل دیگر نو اگر ان بخورد گزند را چہ خبر
 کہ شمع نازک و لب نازک سخن نازک ز فراق تا قدم، چو طبع من نازک
 کیکہ دید بنا گوش ادبے در خواب نیا پیش بنظر برگ یا سمن نازک
 بعد نازکی لالہ زار عارض او گمان مبر کہ گئے روید از چمن نازک
 ہزار سوزن آنکم فزد و بر مرغان ، کسے کہ بر تن او دوخت پیرن نازک
 فغان کہ از گل و آب منغم نمی جوشد کہ شمع کہ شود طبع برہمن نازک
 مگر غم شیرین بہ تیشہ داد الماس کہ لوح فتنہ تراشد کوہن نازک
 چنان گداختہ جوش خیال طائب را کہ موہوشدہ چون فکر خوشن نازک

دیکھنا پانچویں شعر میں کتنی دور کی بات کہہ گیا۔ والسلام بالکرم

”ماہیت اشیا“

”نظریہ اضافیت“

”جرمنی کے پروفیسرین کا مشہور و معروف نظریہ اور اس کا مختصر حال“

از

جناب مولوی محمد نعیر احمد صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایس سی، مددگار پروفیسر طبیعت و معائنہ

سولہ برس ہوئے کہ جرمنی کے پروفیسرین نے ایک نئے نظریہ کی بنیاد ڈالی جس کا موضوع اشیا کی ماہیت تھی۔ اس نظریہ کی نسبت لوگوں کا یہ خیال تھا اور شاید اب بھی ہے کہ وہ نیوٹن اور اقلیدس کے بنا کردہ نظام کو باطل قرار دیتا ہے، پروفیسر موصوف کا اس وقت یہ قول تھا کہ اس مسئلہ کا طرز بیان ہی کچھ ایسا نرالا اور عام طرز بیان سے اس قدر مختلف تھا کہ ماہرین فن میں سے شاید بارہ ہی نفوس اس کی تہ کو پہنچ سکے اور اس کی حقیقی قدر و منزلت کر سکے۔

پچھلے عرصہ کے اس نئے نظریہ اضافیت میں مکان، زمان، تجاذب کی مناسبت سے بحث کی گئی ہے، مشہور انگریزی عالم سائنس سر ایلچی نیوٹن کے وقت سے اب تک علوم طبیعیات میں جو ترقیاں ہوئی ہیں ان میں یہ نظریہ عظیم ترین ترقی سے موسوم کیا گیا ہے، کیونکہ طبیعت کی بنیاد جن چیزوں پر ہے اس کا موضوع ہیں، اخبارات و رسائل نے اس نظریہ کو انقلاب انگیز قرار دیا، لوگوں کی نظریں ہی نے اس کی طرف اٹھ گئیں اور نیزہ دلچسپی کا سب سے بڑا سبب اس لئے ہوا کہ ان اخبارات کے بیان کے مطابق دنیا میں صرف بارہ اشخاص اس نئے نظریہ کو کما حقہ سمجھ سکے ہیں، اس نئے نظریہ کی جتنی شرحیں لکھی گئیں ان سے بارہ نفوس کے اس محدود دائرہ میں چند ان دوست پیدا نہیں ہوئی،

شروع شروع میں اگر ناظرین کو اس نظریے کے سمجھنے میں وقت ہو تو ذرا صبر سے کام لیں، بہت جلد قطعی طور پر یہ بتلانے کی کوشش کی جائیگی کہ نظریہ آئنسٹین کیا ہے، اور اس سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں لیکن چونکہ یہ مضمون کسی قدر نامانوس ہے خصوصاً ہندوستان کی مشترک زبان (اردو) کے جاننے والوں کے لیے، اس لئے اہتمام مطلب کے لیے مزید تمہید کی ضرورت ہے۔

جب ہم کسی واقعہ یا مظہر قدرت کی توجیہ کرنا چاہتے ہیں، تو یہ توجیہ چار حصوں پر تقسیم ہوجاتی ہے، سب سے پہلے ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ واقعہ کب وقوع میں آیا، اس کی کیا کیفیت تھی، اس کی ماہیت کیا ہے، اور پھر ایسا کیوں ہوتا ہے، مضمون کے سمجھنے میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے ہم نظریہ کی کیفیت پر زیادہ زور نہیں دینگے، بلکہ دیکھا، اور کیوں، کا زیادہ لحاظ رکھینگے، اور دو حقیقت جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ دنیا میں صرف بارہ اشخاص اس کی ریاضیت کو سمجھ سکے تو یقیناً ذہن انسانی کی قدر و منزلت ہماری نگاہوں میں بہت بڑھ جاتی ہے، بہر حال ہمارے مضمون کے لیے جو چیزیں زیادہ کار آمد ہیں وہ صرف وہی نتائج ہیں جو اس قدر ریاضیت استعمال کرنے کے بعد حاصل ہوئے نیز ہمارے مقید مطلب صرف یہ امر ہے کہ اس سے علوم طبیعیات اور ان کے فروع پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے،

نظریہ کا اثر | نظریہ اضافیت کو عام زبان کا جامہ پہنانا، اگر ہوشیاری سے کام نہ لیا جائے تو یقیناً بہت دشوار ہو جاتا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ ہم ریاضیات کو اس بنا پر نظر انداز کر دیں کہ جمہور کو اس سے زیادہ دلچسپی نہیں، جمہور کو تو اس سے بے محنت نہیں ہو ا کرتی کہ ایک مشین بنائی کیونکر جاتی ہے، بلکہ جب اون کے سامنے ایک نئی بنائی مشین آتی ہے تو اون کو متناہ ہو ا کرتی ہے کہ دیکھیں اس مشین سے کیا کیا چیزیں تیار ہو سکتی ہیں، ان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مشین کی ساخت کا اصول اون کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات و جزئیات سے ان کو غرض نہیں ہوتی، ہمارا نظریہ بھی گویا ایک مشین ہے جو بنی بنائی ہمارے سامنے موجود ہے، اب اگر جمہور کے نقطہ نظر سے اس کو دیکھئے تو واقعی اس عجیب و غریب اور انقلاب انگیز

یہاں یہ امر ظاہر کر دینا از بس ضروری ہو کہ جب کسی مسئلہ میں رفتاروں کی مقدار وہ ہو جس سے ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں روشناس ہوں، یا جس کو ہم اپنے علمی تجربات اور فکری مشاہدات میں پاتے ہیں، تو نظریہ اضافیت کا اثر ان پر قریب قریب نفی کے ہوتا ہے، کیونکہ اس کی رو سے جو فرق پیدا ہو گا وہ اس قدر قلیل بلکہ اقل ہو گا کہ اس کا شمار بھی ممکن نہ ہو گا، لیکن جب ہم کو مادی اجسام کی ان رفتاروں سے سابقہ پڑتا ہے جو نور کی رفتار (۸۶۰۰۰ میل فی ثانیہ) کے لگ بھگ ہیں تو اس وقت نظریہ مذکور ایک خاص اہمیت اختیار کر لیتا ہے، ماہرین فن اپنے معمولی میں جو تجربے کرتے رہتے ہیں اس قسم کی رفتاروں کا تعلق صرف انہیں سے ہے، اس مضمون کے مقاصد کا لحاظ کرتے ہوئے آتا ہی رہنا کر دینا کافی ہو کہ ایسے تجربوں سے نظریہ اضافیت کی پوری تصدیق ہوتی ہے،

مضمون کے آغاز میں یہ ذکر جو چکا ہو کہ یہ نظریہ انقلاب انگیز ہے، اس کے بعد گزیر کر کے ہم نے اس کی ریاضیات پر اظہار خیالات کیا، اور اس پر تنقید کی کہ اس کے عملی نتائج قابل اتفاق نہیں ہیں اب مناسب ہو کہ اس کی اصل اہمیت ذہن نشین کی جائے،

نظریہ کی اہمیت | حسب ذیل تین طریقوں سے ہم اس کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں،

اولاً، اگرچہ اس نظریہ کے اثرات جیسا کہ اوپر بیان ہوا عملی زندگی کے ان پہلوؤں میں جن کا طبعیت نے ابھی طرح مطالعہ کیا ہے، نہایت ہی قلیل اور ناقابل اتفاق ہیں، تاہم ایک زمانہ ایسا آسکتا ہے کہ اس قسم کے آلات ایجاد ہوں اور ایسے تجربے کئے جائیں کہ یہی قلیل "اضافی اثرات" کثیر معلوم ہونے لگیں، چنانچہ سائنس دانوں اور انجینئروں نے برقی صنعت کی جو عظیم انسان عمارت قائم کی ہے آپ جانتے ہیں کہ اس کی بنیاد کیا تھی؟ محض یہ کہ جب کہر یا کورگر تے ہیں تو اس میں الہکی چیزوں کے کھینچنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، قدیم یونانیوں کو بھی اس واقعہ کا علم تھا جو یہ ظاہر کرتا اور ذہنی معلوم ہوتا ہے،

نمائیا، اس نظریہ کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ بہت سے مظاہر فطرت جو اب تک ناقابل توجیہ تھے اس کی روشنی میں صاف نظر آنے لگے، مین، مانا کہ یہ مظاہر علی نقطہ نظر سے کوئی حقیقت نہیں رکھتے، چنانچہ ان کے سمجھنے کے لئے بھی علم مناظرہ و برق کے مبادیات کا جتنا ضروری ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے مظاہر کا وجود ہے اور اس نظریہ سے ان کی توجیہ ہو جاتی ہے، علوم میں ترقی کا ہمیشہ ہی حال رہا ہے کہ اس کی ابتداء نہایت حقیر ہوتی ہے اور انتہا بہت عظیم انسان چھوٹے چھوٹے اسباب ہی بڑے بڑے برے نتائج کی علت ہو کر رہے ہیں،

نمائیا، اس کی اہمیت کا راز یہ ہے کہ اس کی روشنی میں وہ مظاہر فطرت جو اب تک علمہ علمہ تصور کئے جاتے تھے، سب کے سب ایک نظام واحد میں منسلک نظر آنے لگتے ہیں، ہستیانے ہمیشہ اسی طرح ترقی کی ہے، اور ہر کامیاب علمی نظریہ ہم کو فطرت کی وحدت سے قریب کر دیتا ہے، بیجانہ ہو گا اگر علماء سائنس کو ان سراغ رساںوں سے تشبیہ دیجائے جو اشراق کے کسی گروہ کی کارروائی کی تحقیقات میں مصروف ہوں، اور جن کی کوشش یہ ہو کہ وہ کسی طرح "ابوالاشراق یعنی ان کے غمتر کو گرفتار کر لیں، ان اشراق میں سے جو زبردست ہوتے ہیں ان کی کارروائیوں کو تو مقشبین کا یہ گروہ صرف اسی نظر سے دیکھتا ہے کہ ان سے ان کے سرغنون کا پتہ کیونکر چل سکتا ہے، یہ سرغنے ہر کس و ناکس کے قبضے میں تو آتے نہیں، وہ بڑے ہوشیار اور چالاک ہوتے ہیں، لیکن ایک ماہر مقشبین صرف انگوٹھے کے نشان ہی سے، یا نقش قدم کے ہونے ہی سے بہت کچھ اندکڑ لیتا ہے، اور جب کوئی ابوالاشراق گرفتار ہو جاتا ہے تو قانون اور ان کے علم برداروں کو بہت سی اُن عجیب اور خفیف غنیف باتوں کا بھید معلوم ہو جاتا ہے جو اس سے پیشتر کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی تھیں،

یہی حال سائنس میں کا بھیننا چاہئے، اس نے دیکھا کہ طبعیت میں تمام مظاہر قدرت کی توجیہ و تشریح مکان، زمان، جمود، تجاذب، نور، اور برق کے مفہومات کی اضافت کرنے کی کوشش میں

لے یعنی انہی کی وہی توت جوان کو علی مارا کرتی ہے جب تک کہ کوئی خارجی توت اثر کر کے اس کی حالت کو بدل نہ دے،

مصرحت میں، اسلئے یہ بتایا کہ مکان، زمان، جمود، تجاذب وغیرہ سب کو ہم ایک حقیقت واحدہ کے مختلف رخوں سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس واحد حقیقت کو وہ مکان، کتنا ہی، اس مکان میں بجائے ابعاد ثلاثہ کے وہ پانچ یا چھ بُندانہ ہے، اسی وجہ سے اس کا مفہوم ذہن میں قائم کرنا مشکل ہے، لیکن فائدہ یہ ہے کہ بجائے چار حقیقتوں کے اب صرف ایک حقیقت رہ جاتی ہے، اور اگر ریاضی میں کافی دخل ہو تو پھر اسی بنا پر نظریہ کی پوری عمارت قائم ہو سکتی ہے، مزید بیان آنٹنشین نے مادہ نور، اور برق میں نئے نئے تعلقات ثابت کئے، تجربہ بہ ظاہر اس کی تصدیق پر آمادہ ہے، آنٹنشین کے نزدیک اس مکان میں نور، بالکل خط مستقیم میں حرکت کرتا ہے، حالانکہ موجودہ نظریہ نور کے مطابق اس کا راستہ خط مستقیم کے قریب قریب ہوتا ہے، حرکیات (علم الحکرت) جو متحرک مادہ کا علم ہے وہ صرف پانچ یا چھ بُندانہ والا بندہ رہ جاتا ہے، کیت، زمان، اور نیز فاصلہ کی پیمائش میں ہو سکتی ہے، آنٹنشین کا یہ دعوئی ہے کہ زمان، نور مکان کا وجود مادہ کے وجود سے وابستہ ہے،

آنٹنشین نے اضافیت سے جو معنی مراد لئے ہیں وہ یہ ہیں کہ زمان، کیت، اور فصل مطلق کی پیمائش ناممکن ہے جب دو مشاہد ایک دوسرے کی اضافیت سے حرکت کر رہے ہوں اور وہ دونوں ایک ہی دائرہ کا مطالعہ کریں تو ان کا ایک ہی نتیجہ پر پہنچنا ممکن نہیں، بنا برین جیسا پہلے گزر چکا، طبیعیات میں زمان مطلق، کیت مطلق، کے کچھ معنی نہ رہے، زمان، کیت، اور فصل سب کا وجود مشاہد کی اضافیت سے ہے، فلسفہ میں اس اصول کو مدت سے پیش کیا جا رہا ہے، لیکن آنٹنشین کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے، اضافیت، کو قابل پیمائش کر دکھایا، اور اس کے واسطے علی ثبوت کو ممکن قرار دیا،

مختصر تاریخ | البرٹ آنٹنشین نے اضافیت پر سب سے پہلا مضمون رسالہ "اتاسن وڈرفزک"

سے موجودہ معنی اقلیدسی ہندسہ میں بدکارا ناجائز، ملے کسی شی میں ادہ کی جو مقدار ہوتی ہے وہ اس کی کیت کہلاتی ہے،

۱۹۷۱ء میں شائع کیا پہلے وہ سوئزرلینڈ کے ٹینٹ دفتر میں ملازم تھا، اب وہ برلن میں پروفیسر ہے۔
۱۹۷۲ء سے اس نے اب تک متعدد مضامین شائع کئے ہیں اور ۱۹۷۱ء کے اوائل سے اس نے اس
نظریہ کو وسعت دینا شروع کیا، اب تک تو صرف زمان و فاصلہ سے بحث کرتا تھا اب اس نے کیفیت
کو بھی شامل کر لیا، کیفیت، اور وجود، مادہ کی فطری خاصیتیں ہیں، جن کا تعلق تجاذب سے بہت قوی ہے،
آنٹنشین کے نظریہ اضافیت کے ارتقاء کے تین دور ہیں:-

پہلا دور ۱۹۰۷ء سے قبل کا ہے، اس وقت دوسرے محققین نے داغ پیل ڈال دی تھی، جن کو
مادہ کے برعکس نظریہ کی تلاش تھی، آنٹنشین نے سب سے پہلا نظریہ ۱۹۰۷ء میں قائم کیا اور ۱۹۱۵ء میں
اس کو وسعت دیکر ایک کلیہ کی صورت میں پیش کیا،

نظریہ کی کیفیت | آنٹنشین کا اہل نظریہ اضافیت مکان و زمان کے شائع ہونے کے کچھ عرصہ
بعد منکاوٹسکی نے یہ بتلایا کہ آنٹنشین کا کارنامہ صرف یہ ہے کہ اس نے زمان کو جو تھا بعد قرار دیا ہے نظریہ
مکان کے ابعاد ثلاثہ طول، عرض، اور عمق ہیں۔ اس کا ذکر ہر ہندسہ کی کتاب میں ہے اور ہر شخص اس
واقعہ سے ذہن انسانی دو بُعدی مکان کا مفہوم بھی قائم کر سکتا ہے چنانچہ ہندسہ ثنوی اس کی دلیل ہو،
نیز یک بُعدی مکان بھی قرین فہم ہے جس کی مثال خط مستقیم ہے، لیکن جہاں ذہن چار بُعدی مکان
مفہوم قائم کرنے سے قاصر ہے، مگر طبیعیات میں جو ریاضی مساواتیں استعمال کی جاتی ہیں ان میں
جہاں طول، عرض، و عمق کا استعمال ہوتا ہے وہاں زمان بھی شامل ہوتا ہے اور اس کی وہی حیثیت
ہوتی ہے جو تین بُعدی مکان کی ہے، اس بنیاد پر صرف ذہنی طور پر زمان کو جو تھا بعد قرار دے سکتے ہیں
تشیل | اس کی تمثیل ہم کو متحرک تصاویر یعنی سینما میں ملتی ہے، تماشا گاہ میں عرض پر دے
پر جو تصویریں تظیل (سایہ انگن) کی جاتی ہیں ان میں صرف دو بُعد ہوتے ہیں، لیکن ہم ان کو
لے برعکس [یعنی جہاں ہمیں] نظریہ وہ نظریہ ہے جسکی رو سے نور، برق، مقناطیس ایک ہی حقیقت قرار پاتے ہیں، لے روسی عالم

تین بُعد تصور کرتے ہیں، جیسے کسی عکاسی تصویر (فوٹو) میں دو بُعد ہی ہوتے ہیں اور اس میں تیسرا بُعد یعنی عمق کا پتہ نہیں ہوتا، لیکن ہم اس میں عمق کا بھی تصور کرتے ہیں،

غور طلب امر یہ ہے کہ سینما میں تصویریں حرکت کرتی نظر آتی ہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ ایک ہی تصویر نہیں جو متحرک ہو بلکہ وہ ایک سلسلہ تصاویر ہے جس میں معین چیزیں دکھائی جاتی ہیں، ایک تصویر جب دوسری تصویر کی جگہ لیتی ہے تو اس سرعت کے ساتھ کہ ہم کو اس کا علم نہیں ہوتا، جب ہم ایک معمولی عکاسی تصویر کو دیکھتے ہیں تو ہم مکان کا خیال تو قائم کرتے ہیں لیکن زمان کا اس میں شائبہ تک نہیں ہوتا جب تک ایک متحرک تصویر کو دیکھتے ہیں تو مکان کے ساتھ ساتھ زمان کا بھی خیال ہمارے ذہن میں قائم ہوتا ہے، زمان کا یہ احساس الٰہی اظہار کے اندر و فی تصویر داخل تپتی (FILM) کی حرکت کا نتیجہ ہے، اس حرکت کا پردے پر کوئی جواب نہیں ہے، اسی وجہ سے دیکھنے والے کو اس کا احساس نہیں ہوتا، جہاں تک اس مشاہد کا تعلق ہے آئندہ مذکور کی اندورنی جمل تپتی کی یہ حرکت ایک اور بعد میں ہے جس کو بعد زمانی کہنا چاہئے۔

عرصہ ہوا کہ یہ گمان پیش کیا گیا تھا کہ روزمرہ کی زندگی میں زمان کا جو احساس ہوتا ہے جو ایک چوتھے مفروضہ بُعد میں غیر محسوس حرکت کا نتیجہ ہے، ہم ایسے لانا تھا عالموں کا وجود مان سکتے ہیں جو ایک دوسرے کے قریب قریب متماثل ہوں، ان میں کچھ نہ کچھ فرق تو ہو ہی گا، جب ہمارا شعور ایک ایسے عالم سے دوسرے عالم میں سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتا جائیگا تو اس فرق کو ہم اشاری کی حرکت سے تعبیر کر سکتے ہیں، کسی ایک لمحہ میں ہم چار بُعدی مکان والے عالم کا بالکل شعور نہیں کر سکتے ہم کو صاف بعد بُعدی مکان کا شعور ہوتا ہے،

اسے یعنی وہ آواز جس کے ذریعہ سے پردے پر تصویریں ڈالی جاتی ہیں،

اس کی توضیح کے لئے سیم ٹینیل پیش کرتے ہیں کہ فرض کیجئے کہ مکان میں صرف دُوبھی بعد
 ہیں، تو ایسے دُوبعدی آدمی کا تصور کیجئے جو کسی حوض کے پانی کی سطح پر سکونت پذیر ہو اور
 جس کو صاف ان ہی مظاہر کا شعور ہو جو اس سطح پر واقع ہوتے ہوں، بالفرض اگر پانی کی پناں
 (LWEL) ایک خاص شرح سے صعود کر رہی ہو تو ایسا آدمی کیا مشاہدہ کرے گا؟ ایک چکن
 نیزہ لیجئے اور اس کو انتصاباً (یعنی سیدھا کھڑا) پانی میں کچھ اندر اور کچھ باہر رکھئے، اب یہ چھٹا آدمی نیزہ
 کی اس مدور تراش ہی کا مشاہدہ کر سکتا ہو جو پانی کی سطح سے بن جاتی ہے، اور اس کے لحاظ سے چون
 جون پناں ایٹھکی یہ تراش بظاہر ثابت الحُل اَدشکل میں مدور ہی نظر آتی ہوگی، پناں کا صعود مدور زمان
 کے مرادف ہے، ایسے آدمی کو اشیاء کی ایسی تراشوں کے صعود کا علم، ان مقامات پر جہاں کہ وہ
 اشیاء سطح کو قطع کرتی ہیں، نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر نیزہ انتصابی حالت سے کسی قدر مائل کر دیا جائے
 تو یہ سطحی آدمی فوراً کہیںکا کہ نیزہ حرکت کر رہا ہے، کیونکہ نیزہ اور آبی سطح کے تقاطع کا مقام، پناں کی بلندی
 کے ساتھ ساتھ اپنا محل بدلتا جائیگا، دُوبعدی آدمی کے لئے نیزے کا وجود صرف اسی تراش تک محدود
 مزید برآں اگر وہ ہوشیاری کے ساتھ مشاہدہ کرے تو اس کو معلوم ہو گا کہ اس کے متحرک یا
 مائل نیزے کی تراش گول نہیں رہی بلکہ بیضوی ہو گئی ہے، اور اس کو لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا
 کہ حرکت کی حالت میں اشیاء کی شکل بدل جاتی ہے، ساتھ ہی اس کے اس کا فیصلہ یہ ہو گا کہ متحرک
 یا مائل نیزے سے اس وقت کا اظہار نہیں ہوتا جو انتصابی نیزے سے، ظاہر ہوتا تھا، یعنی اگر اس سیر
 میں بھی کوئی سطحی آدمی پہنچا جو وقت کو نیزے میں پانی چڑھنے کی رفتار سے پیمائش کرتا تو اس کے
 اور ہمارے دُوبعدی آدمی کے وقتوں میں فرق ہوتا۔

وقت بعد رابع | اس تمثیل کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں، غالباً اکثر ناظرین کہیں اس کو
 لغو نہ خیال کرنے لگے ہوں، لیکن علمی مباحث میں کبھی کسی نئی کو لغو نہیں کہتے، بشرطیکہ وہ اپنے

موضوع مقاصد کو انجام دے، ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ زمان کے ساتھ جو نسبت ہم کو ہے وہی نسبت اس سطحی آدمی کو پتال کے صعود سے ہے، اس مفروضہ سے ہم نتائج اخذ کر سکتے ہیں اور اگر مشاہدات فطرت ان نتائج کی تصدیق کریں تو ہمارا مفروضہ درست اور صحیح ہوگا، جس طرح طبیعت کے دیگر مفروضات درست ہو کر تے ہیں، ہمارا مفروضہ اپنے مفروضہ مقصد کو پورا کرتا ہے، پس اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ہماری رفتار اس چوتھے یا زمانی بعد میں نور کی رفتار کے مساوی ہے، اور آئنسٹین اور نیٹاؤسکی کا نظریہ اپنی سادہ ترین شکل میں بھی ہے تو اس مفروضہ سے ماخوذ نتائج کی تصدیق مشاہدہ سے ہوتی معلوم ہوتی ہے، ایک متحرک کرہ ایک ثابت مشاہد کو بیضوی نظر آتا ہے، جیسے سطح آدمی کو دائرہ بیضوی معلوم ہوا تھا،

شکاؤسکی نے جو ریاضی شرح لکھی ہے اس میں زمان کو خیالی مانا ہے جس طرح جبر و مقابلہ میں مقادیر خیالی تصور کیجاتی ہیں، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص ہماری سطح آبِ اور نیزہ والی مثال کو طول دے تو وہ ایسے نتائج پر پہنچے گا جو آئنسٹین کے مشاہدات سے کسی قدر مختلف ہوں گے تاہم باوجود اس نقص کے یہ مثال ہمارے سامنے اضافیت کا اصل نقشہ ایک حد تک پیش کر دیتی ہے،

اگر آئنسٹین کے زمانی مکان کو ہم ایک طبیعیاتی حقیقت تسلیم کر لیں تو نہایت حیرت زا اور دلغیب تجربے ایجاد کئے جاسکتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ فی الحال ایسے تجربوں کو عملی جامہ پہنانے کا کافی سامان موجود نہیں ہے، مثلاً اگر ایک شخص کو ایسی رفتار سے حرکت دیکھا جائے جو نور کے رفتار کے مساوی ہو یا اس سے لگ بھگ ہو، (بشرطیکہ وہ ایسی رفتار کے ہوتے ہوئے زندہ بھی رہ سکے) تو اس کے علاقے زمانی میں ایک تغیر عظیم واقع ہو جائیگا یعنی جو ہمارے لئے مستقبل ہے وہ اس کے لئے حال ہو جائیگا، یا ہمارا حال اس کے لئے مستقبل ہو جائیگا، نیز وہ ہمارے لحاظ سے ایک ہی وقت میں کئی جگہ موجود ہو سکتا ہے، انجی جی وینر شہور انگریزی علمی افسانہ نویس نے ایک افسانہ لکھا ہے

جس کا نام "وقت کی کل ہوا" اس میں ایک آدمی ایک ایسی شین ایجاد کرتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ حسب منشا زمان میں حرکت کر سکتا ہو، اس نظریہ کی رو سے یہ انوکھا افسانہ نہیں رہتا بلکہ عالم خیال سے محکمہ طبیعیاتی ممکنات میں آجاتا ہے،

نظریہ اضافیت کی ان عجیب و غریب پیچیدگیوں میں ابھنا کچھ زیادہ مفید نہیں، اس کی وجہ سے اس کی حقیقی علمی وقعت کا اندازہ نہ ہو سکیگا، یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس نظریہ کے بموجب تقدیری ہندسہ بالکل غلط قرار پاتا ہو، اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس ہندسہ میں زمان، طول اور کمیت مطلق کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہو، یہ کہنا درست ہوگا کہ اس سے نیوٹن کے کلیہ تجاذب کا بطلان لازم آتا ہو یا یہ کہ زمانہ کا جو مفہوم ہم نے قائم کر رکھا ہو اس کو یہ غلط ٹھہرانا ہو، اقلیدسی ہندسہ اور نیوٹنی حرکیات اپنے اپنے موضوعات مقاصد کو سرا انجام دیتے ہیں، لیکن وہ بالکل یہ صادق نہیں آتے، نظریہ اضافیت کی نسبت خیال ہے کہ وہ ہر صورت میں صادق آتا ہو، ان مسئلوں میں جن میں رفتاریں عظیم نہ ہوں اضافیت، اقلیدسی ہندسہ اور نیوٹنی حرکیات میں تحویل ہو جاتا ہو، لیکن جب رفتاریں عظیم ہوں تو نظریہ اضافیت ان اثرات کا پتہ بتاتا ہو جو فطرت میں فی بحقیقت ظہور پذیر ہیں لیکن نیوٹنی حرکیات سے ان کا پتہ نہیں لگتا،

تمام طبعیین اس نظریہ پر ایمان نہیں لائے ہیں، اور نہ ابھی تک اکثر ماہرین فن نے اس کو قبول کیا ہے، لیکن اس کو اگر کبھی قبول عام حاصل ہوا تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ مثل دیگر کھلیاب طبیعیاتی نظریوں کے اس میں بھی نئے نئے مظاہر کے متعلق پیشینگوئی کرنے کی طاقت ہو، اور دنیا میں جتنے بھی مظاہر مشاہدہ میں آتے ہیں سب کو ایک ہی سلسلہ میں منسلک کرنے کی قوت ہو، اس طرح یہ نظریہ تمام علوم طبیعیہ پر صادق آتا ہو، اس میں بیشتر مکان و زمان اور مادہ کی بحث ہو اور ضمنی طور پر نور اور برق کا بیان بھی آجاتا ہو، اس کے ذریعہ سے نیوٹن اور میکسول دونوں کے لئے مشہور انگریز ماہر فاضل دان جس نے برتانیسی نظریہ قائم کیا،

کا رٹا مے متحد ہو جاتے ہیں،

روایت ہے کہ نیوٹن نے ایک سیب کو درخت سے زمین پر گرنے دیکھا اور اس سے اس نے سورج، چاند اور ستاروں کے طلوع و غروب کا حساب لگایا، اگر پھر صحیح ہے تو آئنسٹین نے ایک آدمی کو ایک بلند عمارت سے گرنے دیکھا اور بعد میں اس سے گرنے کی حالت میں احساسات کے متعلق سوال کیا، اس طرح نیوٹن نے بھی اس نے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا، ہر وہ شے جس کی توجیہ نیوٹن کر سکتا تھا آئنسٹین کے بیان بھی ممکن ہے لیکن اس کے علاوہ نیوٹن کے ماننے والے مینج کے مدار کی غیف سی تبدیلی کی توجیہ نہیں کر سکتے تھے، آئنسٹین کر سکتا ہے، نور کے راستہ میں جو انحراف ہوتا تھا اور جس سے ہم اب تک بغیر تھے آئنسٹین ہی نے اس کی طرف ہم کو توجہ دلائی، قطع نظر اس امر کے کہ یہ نظریہ مکان و زمان و تجاذب جو آئنسٹین نے ایجاد کیا ہے عام طور سے قبول کیا جائے نہ کیا جائے۔ ہم اس جوہر ذہنی پر تعجب کے بغیر نہیں رہ سکتے جس نے ایک چھت سے گرنے آدمی اور اس روشنی کے درمیان جو ۱۹۱۹ء میں سورج کی طرف گرتی دکھائی دی تھی، ایک علاقہ ثابت کر دکھایا، یہ خبر خالی از دجسپی نہ ہوگی کہ جاپان کے علماء نے پروفیسر آئنسٹین کو مدعو کیا ہے اور اس نے اس دعوت کو قبول بھی کر لیا ہے، ایک جاپانی عالم نے جو اس نظریہ کو باطل کرنا چاہتا ہے، اُس سے مناظرہ کا ارادہ بھی کیا ہے، یہ مناظرہ اگر کہیں ہوا تو دجسپی سے خالی نہ ہوگا،

علم الکلام

مولانا شبلی مرحوم کی وہ مشہور تصنیف جس میں علم الکلام کی تاریخ اور اس کے عہد بہ عہد کی ترقی اور تدریجی رفتار اور ہر دور کے اکابر متکلمین کے مسائل و مجتہدات پر تبصرہ ہے، مدت ہوئی کہ ناپید ہو گئی تھی، اب مطبع معارف نے نہایت عمدہ کاغذ پر اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے، قیمت عام،
»ینجبر«

منتخب صحائف

خاندان تغلق

کے متعلق

پانچ تاریخی سوالات

مترجم جناب سعید انصاری، معلم جامعہ ملیہ،

عنوان بالا سے ایک مختصر مضمون رائل انشیاٹک سوسائٹی کے جولائی ۱۹۷۰ء نمبر میں سرورق ہو گیا ہے۔ قلم سے نکلا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے پانچ سوالات تمام کر کے اس عہد کے بعض تحقیقی طلب واقعات پر روشنی ڈالی ہے اور وہ سوالات یہ ہیں :-

(۱) اس خاندان کا یہ نام کیونکر ہوا؟

(۲) اس بغاوت کے اصلی واقعات جو ۱۲۷۰ء میں دہلی کی مہم کے موقع پر محمد جوہا کی فوج میں ہوئی تھی، کیا تھے؟

(۳) سلطان غیاث الدین کا اپنے بیٹے محمد جوہا سے بھگال کی ابتداء مہم میں ناراضگی کا کیا سبب تھا؟ اور بیٹے پر اپنے باپ کی موت کی ذمہ داری کہاں تک سبب؟

(۴) محمد تغلق کے عہد حکومت کے تاریخ دار واقعات،

(۵) اس لڑکے کی دلہیت جسے احمدیاز (خواجہ جہان) نے محمد تغلق کے مرنے پر تخت نشین کیا تھا، کیا تھی؟

ان سوالات میں سے پہلے تین کا قصہ ناظرین معارف کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، جو زیادہ اہم اور دلچسپ ہیں،
(سعد)

۱۱) خاندان کا نام

اس نام (تغلق) کی تحقیق کے متعلق فرشتہ یہ لکھتا ہے کہ ہندوستان کے مؤرخین متقدمین اور متاخرین ہر دو گروہ نے خاندان تغلق کی اصل کے متعلق متفقانہ طور پر لکھنے کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا ہے، ماقم الحروف محمد کاسم فرشتہ جب نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کے ادائل حکومت میں بحیثیت سفیر ابراہیم عادل شاہ سلطان احمد کے دربار سے لاہور آیا، اس وقت میں نے اس کے متعلق ایسے اچھے سے دریافت کیا جو سلاطین ہند کی تاریخ پڑھنے میں دلچسپی لیتے اور اس سے بخوبی واقفیت بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے اس کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا لیکن اس قدر بتایا کہ روایت کے طور پر یہ مشہور ہے کہ ملک تغلق جو سلطان غیاث الدین تغلق کا باپ تھا، غیاث الدین بلبن کے ترکی غلاموں میں سے ایک غلام تھا، اس نے جاثون سے جو اسی ملک کے باشندے تھے، دوستی پیدا کر لی، ان جاثون نے ملک تغلق کی شادی اپنے ہاں کر دی جس سے غیاث الدین تغلق پیدا ہوا، طمحات، میں یہ لکھا ہے کہ تغلق، اصل میں قلع تھا جو ایک ترکی زبان کا لفظ ہے اور ہندوستان کے لوگوں نے تلفظ کرنے میں اس کو الٹ کر تغلق کر دیا اور بعضوں نے تو قلع سے قلعو، بنا دیا۔“

ر خلاصۃ التواریخ، میں یہ روایت یوں بیان کی گئی ہے کہ غیاث الدین تغلق شاہ کی ماں پنجاب کی ایک ”جاش“ (جاش کی عورت) تھی، ابن بطوطہ اس کی اس طرح تصدیق ملے اس سے غالباً شیخ عین الدین بیجاپوری کی طمحات مراد ہے۔

کرتا کہ وہ غیاث الدین تغلق شاہ (ایک قزوینی ترک تھا جس کے معنی مار کو پونے غلطاً نسل کے لکھے ہیں یعنی باپ ترکی ہو اور ماں ہندی)۔

اس روایت سے جسے متعدد راویوں نے بیان کیا ہے، غیاث الدین تغلق کی نسل کا پتہ ماں کی طرف سے تو چل جاتا ہے لیکن لفظ تغلق کی اصل حقیقت نہیں ظاہر ہوتی۔ فرشتہ اور شیخ عین الدین نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ محض قیاس پر مبنی ہے جس طرح سے علم اللسان میں لفظ پٹنہ، پٹھان اسے مشتق بتایا جاتا ہے اور خدیو، خود، اور دیو سے مرکب بیان کیا جاتا ہے،

اس میں شبہ نہیں کہ تغلق کسی قبیلہ کا نام ہے اور خیال یہ ہے کہ غیاث الدین کا باپ ترکوں کے اس قبیلہ سے تھا جو ختن کے قریب آباد تھا اور جسے سکول اسٹین نے اپنی کتاب (صحرائے یکتے کے آثار) میں تگتلی، (تائے بفتح دلام بالکسر) کے نام سے موسوم کیا ہے، تغلق خان (ملک تغلق) یا تو غیاث الدین بلبن کے ہاتھ بطور مال تجارت آگیا ہو یا مغلوں کے حملہ سے بھاگ کر ہندوستان میں آکر نہالی ہو، جو ختن کے قریب اس کے بیٹے کے اس افتخار کی حزیہ توضیح کرتا ہے۔ بلبن نے تاتاریوں سے انیس موقعوں پر مقابلہ کیا اور شکست دی۔ اس بنا پر میں، "الملک الفازی" کہلاتا ہوں۔

اب مختلف فیہ مسئلہ لفظ کا لفظ رہا۔ بلبن پول نے اس کا لفظ تغلق، (تائے دلام بفتح) کیا ہے اور سکول اسٹین نے تغلق، (تائے بفتح دلام بالکسر) لکھا ہے لیکن اس مسئلہ میں ابن بطوطہ کی تقلید زیادہ مناسب ہے وہ تغلق، (تائے دلام بضم) لکھتا ہے۔ یہ قیاس سے باہر ہے کہ اس نے اپنے مربی کے قبیلہ کے نام میں جسے وہ آٹھون پر سناتا رہا ہو غلطی کی ہو، گو عام طور پر وہ اس مسئلہ میں صحیح رہتا نہیں بن سکتا کیونکہ ہتمش، کو اس نے بلشس، لکھا ہے لیکن سلطان شمس الدین ہتمش اس کے

لے کراٹیکلس مصنف، ۱۸۶ ص ۱۸۷ مطبوعہ ۱۸۸۷ء، ۲، کراٹیکلس، ۱۹۲ مصنف

ہامس، ۳، اسلامی خاندان، مصنف لین پول منت، ۳ ص ۳۰۲

آنے سے ایک صدی قبل گزر چکا تھا اس لئے اس غلطی سے درگزر کیا جاسکتا ہے۔

بعض مورخین اس خاندان کے دوسرے بادشاہ کا نام محمد ابن تغلق لکھتے ہیں۔ یہ ایک مرتج غلطی ہے، کیونکہ تغلق کسی شخص کا نام نہیں جس سے ولایت منسوب کی جائے بلکہ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے اور ہر اہل قبیلہ کو اپنے نام کے ساتھ یہ لفظ لکھنے کا حق ہے،

(۲) ورنگل کی پہلی مہم پرفوج کی بغاوت

۷۱۴ھ مطابق ۱۳۱۳ء میں محمد جوہا اپنے باپ غیاث الدین تغلق کی طرف سے تلنگانہ کی ریاست فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ شہزادہ نے دیوگیر کے راستہ سے جسکا بعد میں 'دولت آباد' نام رکھا گیا، حملہ کیا۔ راجہ غیاث الدین تغلق کی حکمرانی تسلیم کرنے پر راضی ہو گیا لیکن شہزادہ نے اسے منظور نہ کیا اور پائے تخت ورنگل کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ میں فوج میں بغاوت پھیل گئی جس کا سرکاری بیان ہم عصر مورخ ضیاء الدین برنی نے ان الفاظ میں دیا ہے :-

”ایک ماہ سے زیادہ گزر گئے اور کوئی خط یا حکم دارا خلافہ سے نہیں آیا، اس سے پہلے سلطان کو دو ویاتین احکامات عموماً ہر ہفتہ میں ملا کرتے تھے، سلطان محمد اور اس کے رفقاء نے اس قطع رسل اور سائل کو کوئی اہمیت نہ دی، اس کی خبر فوج تک پہنچی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دستہ در سالہ میں تشویش اور بدظمی پیدا ہو گئی۔ عبید شاعر اور شیخ زادہ دمشقی نے جو نہایت ہی کمینہ، بد بخت اور دروغ گو شخص تھے اور جنھوں نے کسی ذریعہ سے سلطان محمد تک رسوخ حاصل کر لیا تھا، فوج میں یہ غلط افواہ پھیلا دی کہ سلطان غیاث الدین تغلق کا انتقال ہو گیا ہے، سلطنت کے معاملات میں بدظمی پھیل ہوئی ہے، کسی خاص بنے تخت پر قبضہ کر لیا ہے اور دہلی سے رسل و رسائل کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، پھر کیا تھا ہر شخص خود سر ہو گیا،

در انھیں دونوں کبجھوں نے ایک اور جھوٹی خبر اڑادی اور وہ یہ کہ ملک تھر ملک نکلیں،

ملک مل افغانی، اور ملک کافوران امراسے یہ کہا کہ سلطان محمد تعین سلطنت کا دشمن سمجھتا ہے اور چونکہ تم نے آپس میں سازش کر رکھی ہے، اس لئے تم باغی ہو اور تمہیں عجلہ کر دیا ہے، حالانکہ تم لوگ علاء الدین خلجی کے عہد میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے اور اس کی فوج کے بڑے بڑے افسر تھے، انھوں نے یہ بھی کہا کہ شہزادہ کا ارادہ ہے کہ تم سب کو ایک ہی دن گرفتار کر کے قتل کرادے۔ ان امرانے ان دونوں عداروں کو شہزادہ کے جلوت و خلوت میں ہمیشہ ساتھ دیکھا تھا، ان کی باتوں کا یقین کر لیا اور آپس میں مشورہ کر کے اپنی اپنی فوج ساتھ لیکر عجلہ ہو گئے، ان کی عجلگی سے تمام فوج میں ایک عام اتبری پھیل گئی، ہندو اسلامی فوج میں اس اختلال کے متظر بیٹھے تھے بھٹوں سے نکل کر خیموں کو لوٹا اور واپس چلے آئے، سلطان محمد نے دیوگیر کا رخ کیا، راستہ میں ڈاک لٹانے والے ملے جن سے غیاث الدین تغلق کی خیر و عافیت معلوم ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ وہ چاروں امرا باہم برسر پیکار ہیں، ان کی فوجوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور ان کے اسلئے اور گھوڑے ہندوؤں کے ہاتھ لگ گئے ہیں، سلطان محمد صبح و سالم دیوگیر پہنچا اور پھر ساری فوج اکٹھی ہو گئی۔ ملک تمر گوندانہ بھاگ گیا اور وہیں مر گیا، ملک تمر گوندانہ دھ ہندوؤں کے ہاتھ سے مارا گیا جنھوں نے اس کی کھال سلطان محمد کے پاس بھیج دی، ملک مل افغانی، عبید شاعر اور دوسرے بغاوت پھیلانے والے انخاص سلطان محمد کے پاس دیوگیر بھیج دئے گئے، جس نے ان کی بیوی بچوں کو پہلے سے گرفتار کر رکھا تھا، ان سب کو اس نے اپنے باپ کے پاس بھیج دیا، سلطان غیاث الدین نے ایک عام دربار منعقد کر کے عبید شاعر، ملک کافور اور دوسرے باغیوں کی زندہ کھالیں کھنچوائیں، اور دن کو مع ان کے بیوی بچوں کے ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا ڈالا، ان سزاؤں سے دیکھنے والوں کے دل لرز گئے اور تمام شہر کانپ اٹھا۔ برہمنی کے اس بیان کی تائید جو محمد تغلق اور اس کے جانشین فیروز تغلق کے دربار میں تھا دیوگر موخین ہالیوانی اور فرشتہ نے بھی کی ہے، ان میں سے بعض نے کچھ اصافے بھی کئے ہیں،

جن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ محمد تفلق خود دہلی واپس آیا اور مجرموں کی سزا کے وقت موجود تھا۔
فرشتہ کا یہ بیان ہو کہ فوج میں ایک دباہیل گئی تھی، جو واقعات پیش آئے ان کا سارا الزام عبید اور
شیخ زادہ دمشقی کے سر ہے جو ایک طرف سلطان غیاث الدین اور اپنے آقا محمد تفلق دونوں کے لئے غدار
ثابت ہوئے اور دوسری جانب امرائے فوج کو درغلایا، اس کا کچھ تہ نہیں چلتا کہ ان سازشوں سے
آخر ان کا مقصد کیا تھا؟

ابن بطوطہ نے جو اس واقعہ سے بارہ برس بعد محمد تفلق کے زمانہ حکومت میں ہندوستان آیا، بالکل
اسی مختلف قصہ بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ جب غیاث الدین تفلق نے دلا خلافت میں اپنا قدم چالیا تو
اپنے بیٹے کو تنگ کا علاقہ فتح کرنے کے لئے بھیجا، ہمراہ ایک کثیر فوج متعدد امرا مثلاً ملک تیمور ملک تملین،
ملک کافور اور ملک بریم وغیرہ کے کر دیا، جب محمد تفلق دہان پہنچا تو اس نے اپنے رفیق ملا عبید شاعر کو یہ حکم
دیا کہ فوج میں یہ خبر شہر کر دے کہ سلطان تفلق کا انتقال ہو گیا ہے، تاکہ لوگ یہ سنا کر اس کی اطاعت قبول کر لیں
لیکن امیروں نے اس خبر کی تردید کی اور ہر ایک محمد تفلق سے بگڑ بیٹھا، امرائے اس کے
قتل کا ارادہ کیا لیکن ملک تیمور نے ایسا کرنے سے روکا، محمد تفلق مع دس وفادار سواروں کے اپنے
باپ کے پاس بھاگ گئے چلا گئے، باپ نے مال و دولت اور تازہ فوج کو ساتھ کر کے اُسے پھر واپس بھیجا، اور
جب اسے اس خبر کا علم ہوا تو اس نے ملا عبید کو قتل کر ڈالا اور حکم دیا کہ ملک کافور کو الٹا چنوا دیا جائے،
یہاں تک کہ وہ مر جائے، بقیہ امرا سلطان شمس الدین بن سلطان ناصر الدین بن سلطان غیاث الدین
بلین کے پاس بھاگ کر بنگال چلے گئے،

ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق بانی اور غدار خود محمد تفلق ثابت ہوتا ہے جس نے فوج کو
درغلا کر تخت مہل کر نیکی کو شش کی اور اپنے کارپردازوں کو باپ کے ہتھ امتحام کے لئے چھوڑ دیا،
اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد تفلق خود کو شہنشاہ تسلیم کرانے میں ناکام ہو کر اپنے مومنین یا

مخالفین سے پہلے پہل دہلی پہنچ گیا تھا، اور اپنے باپ کو فوج کی بغاوت کی اطلاع خود کی جسے بعد میں برنی نے لیا، برنی محمد تغلق کے معاصیے ختم پوشی نہیں کرتا، بلکہ انہیں کے ساتھ ساتھ وہ اس کے معائن اور اس کی مسلم قابلیت کا بھی ذکر کرتا ہے۔ ایک درباری سے پچھلا یہ کہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ ابن بطوطہ کی طرح محمد تغلق کو باغی ثابت کرے، ابن بطوطہ ہر خوف و خطر سے آزاد تھا، کیونکہ اس نے اپنے سفر کے حالات اس وقت شایع کئے جب وہ اپنے دور دست وطن میں پہنچ چکا تھا، ابن بطوطہ ایک

باریک بین اور دور اندیش شخص تھا، محمد تغلق کا ممنون احسان بھی تھا، پھر اس کے دامن اخلاق پر غلط دھبہ لگانے کی اس کی نیت کبھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس پر زور دینے کی چندان ضرورت نہیں کہ برنی کے بیان پر ابن بطوطہ کے بیان کو ترجیح دیا اور یہ عام طور پر مسلم شدہ بھی ہو لیکن اس کے تسلیم کرنے میں دو دقتیں رہ جاتی ہیں ایک یہ کہ غیاث الدین نے دوسری ہم کی کمان چھرا اپنے بیٹے کے سپرد کی ہے کی دوسری وقت یہ ہے کہ بنگال کی ہم میں دہلی سے غیر حاضری کے وقت اپنا قائم مقام محمد تغلق کو کیسے مقرر کیا؟

معلوم یہ ہوتا ہے کہ محمد تغلق نے اپنے باپ کو اپنے اس جرم سے تلک گانہ کی دوسری روانگی تک بے خبر رکھا، ابن بطوطہ کے بیان سے یہ یقینی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ محمد تغلق کا جرم اس کے دہلی چھوڑنے تک ظاہر نہیں ہو سکا، برنی لکھتا ہے کہ "بھر چار ماہ کے بعد سلطان غیاث الدین نے سلطان محمد کو ایک کثیر فوج کی کمان دیکر دکن کی جانب بھیجا۔ یہ بات بعد از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ غیاث الدین اپنے بیٹے کے جرم سے چار مہینہ تک بے خبر رہے، ممکن ہے کہ دوسری فوج کی روانگی اس مدت

سے پیشتر عمل میں آئی ہو جتنا برنی نے لکھا ہے اور غالباً دہلی سے دیو گری تک پہنچنے میں چار ماہ لگے ہوں، دوسری دقت یعنی محمد جو نا کا قہر اپنے باپ کی عدم موجودگی میں بحیثیت قائم مقام، کی توجیہ

اس قدر آسان نہیں ہے، مسٹر تھاکس اس کو غیاث الدین کی بیوقوفی اور دیوانہ پن پر معمول کرتے ہیں، لیکن غیاث الدین کے حالات زندگی میں اس قسم کی غلطیوں کا پتہ اور کہیں نہیں ملتا

ہمارا خیال یہ ہے کہ تلنگانہ کی شاندار فتح کی خوشی میں غیاث الدین نے محمد تغلق کے اس جرم کو سناٹ کر دیا ہو یا اس خیال سے کہ پانچ تخت کے وفادار امرا اور افواج کے درمیان وہ کم خطرناک رہے گا بہ نسبت اس کے تلنگانہ میں تقریباً خود مختار فوجوں کی سرورگی میں رہو، اسے دہلی بلا کر اپنا قائم مقام رکھا ہو، ان میں سے دوسرا قبیلہ اسکان سے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔

(۳) سلطان غیاث الدین کی بیٹی سے وجہ ناراضگی اور مؤخر الذکر پر پاپ کی متوفی مزاری

جس وقت محمد جوہا دوسری ہم پر تلنگانہ میں تھا، اسکے باپ غیاث الدین سے بنگال کے حکمران نے امداد طلب کی، خاندان غلامان کے آخری چرانہ معین الدین کی قیادت کی کمزور حکومت کے زمانہ سے غیاث الدین بلبن کی اولاد بنگال میں خود مختار بن بیٹھی تھی، شمس الدین فیروز غیاث الدین بلبن کے پوتے نے اپنے بیٹے غیاث الدین بہادر کو شرتی بنگال کا حاکم مقرر کیا اور خود شرتی میں ایک دوسرے بیٹے شہاب الدین بھڑا کو بنگال کی تخت نشینی کیسے چھوڑ کر گیا۔ غیاث الدین بہادر (حاکم شرتی بنگال) نے اپنے بھائی کی حکومت تسلیم نہیں کی اور ۱۳۱۹ء میں اس کو شکست دیکر سارا بنگال اپنے قبضہ میں کر لیا۔ شہاب الدین اپنے ایک دوسرے بھائی ناصر الدین کے ساتھ بھاگ کر دہلی چلا گیا اور غیاث الدین تغلق سے امداد چاہی، اس نے اس ہم کی سربراہی خود کرنے کا تصفیہ کیا اور اپنی عدم موجودگی میں دہلی کی حکومت کے لئے اپنے بیٹے محمد تغلق کو تلنگانہ سے بلا لیا،

ای زمانہ میں نظام الدین اولیا دہلی میں موجود تھے۔ نظام الدین احمد مورخ، طبقات الکبریٰ میں یہ لکھتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق اور ان کے تعلقات کچھ کشیدہ ہو گئے تھے لیکن وہ کوئی وجہ کشیدگی نہیں ظاہر کرتا۔ لیکن نظام الدین اولیا کے حالات زندگی میں جو اس نے اپنی تاریخ کے قلم پر لکھے ہیں، ان کے اختلاف کو تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے:-

”قطب الدین مبارک شاہ کے قتل کے بعد جب ناصر الدین خسرو دہلی کے تخت پر بیٹھا تو

اس نے نہایت چھپی کے ساتھ شاہی خزانہ کو لٹایا اور مذہبی عنصر کو ہتھوڑا بنانے کی غرض سے اس نے مشائخین اور پیشوایان دین کو بھی شامل کر لیا، ان میں بعضوں نے لینے سے انکار کر دیا اور بعضوں نے بخر نظام الدین اولیا کے جو لینے سے انکار کرتے ہوئے ڈرتے تھے، بطور امانت رکھ چھوڑا اس خیال سے کہ اس کے بعد جب کوئی ذمہ دار حکمران آئیگا تو وہ اس زر و مال کا مطالبہ جو اس بید روی سے لٹایا گیا ہو، ضرور کرے گا، غیاث الدین تغلق نے آخر ان کی امید کے موافق ان سے وہ رقمیں وصول کیں، تمام دیگر شیوخ نے جو کچھ لیا تھا، واپس کر دیا لیکن نظام الدین اولیا نے چونکہ اپنے جتہ کی قسم خرچ کر ڈالی تھی، سلطان کے مطالبہ کا کچھ جواب نہ دیا، غیاث الدین تغلق ان کی اس سستی سے بہت ناراض ہوا اور شیخ کے بعض دشمنوں کے کہنے پر انھیں ترپن علماء کی عدالت میں اس جرم پر طلب کیا کہ وہ خلاف قانون ناچ رنگ کی مغلین منعقد کرتے ہیں، انجام کار فیصلہ شیخ کے حق میں ہوا لیکن شیخ و سلطان کے تعلقات کچھ بہتر نہ ہو سکے۔

ابن بطوطہ یہ لکھتا ہے کہ محمد جو نا شیخ کا مرید تھا اور جب شیخ کو حال آتا تو اسی حالت میں وہ ان کے پاس جایا کرتا، کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ اس حالت میں شیخ کی زبان سے جو کلمات نکلے ہیں وہ آئندہ سچ ثابت ہوتے ہیں، ایک موقع پر شیخ نے محمد تغلق سے یہ کہہ دیا: "جاؤ ہم تم کو بادشاہت دیدیتے ہیں" غالباً یہی وہ کلمات تھے جنکو سکر سلطان غیاث الدین کا غصہ دوبالا ہو گیا نظام الدین احمد نے طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ سلطان نے بنگال سے شیخ کے پاس کہلا بھیجا کہ اچھا واپس آکر سمجھ لوں گا، شیخ نے اس کا یہ جواب دیا کہ: "ہنوز دلی دور است" اور اس وقت سے یہ فقرہ ضرب النثل بن گیا، بالآخر یہ دھمکی سچ ہوئی اور سلطان کوئی انتقام نہ لے سکا،

ابن بطوطہ کے بیان کے لحاظ سے سلطان کی واپسی سے قبل شیخ کا انتقال ہو گیا اور محمد جو نا

نے دوسرے بیانات کے مطابق شیخ نظام الدین اولیا غیاث الدین تغلق کے ایک یاد دہا بعد کے مذہبی اور سلطان کی دہانہ کی اس کے بیٹے اور شیخ کے عام تعلقات کی بنا پر تھے۔

نے ان کے جنازہ میں شرکت کی۔ غیاث الدین نے جب اپنے مقرب کی اس عزت و احترام کا حال سنا تو اس نے اپنے بیٹے کو ایک خط لکھا جس میں دیکھو دی سے محروم کر دینے کی دھمکی دی، نیز یہ الزام دیا کہ اس کی ان حرکات سے اسکی وفاداری پر دھبہ آتا ہے، اس موقع پر مختلف نجویوں نے پیشین گوئی کی کہ سلطان دہلی موت کر لے گا لیکن غیاث الدین نے جو اس ہمین کامیاب رہا، یہ سنکر ان سے انتقام لینے کیلئے تیزی سے روانہ ہوا۔

محمد جو نے جب اپنے باپ کی واپسی کی خبر سنی تو اس کے خیر مقدم کا خاص اہتمام کیا۔ اس نے تعلق آباد (دہلی کا دوسرا نام ہے) سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر کلتری کا ایک خیمہ نصب کیا، تمام مورخین نے اس مقام کا نام جہان یہ خیمہ نصب کیا گیا، افغان پور لکھا ہے لیکن آج کل تعلق آباد کے قریب کوئی مقام اس نام کا نہیں ہے، میرا خیال یہ ہے کہ خیمہ، اغوان پور میں نصب کیا گیا ہو گا جو تعلق آباد سے ۵ میل پر ایک گاؤں پر ممکن ہے کہ موجودہ نام، افغان پور کی گزری ہوئی صورت ہو یا مسلمان مورخین نے یہی نام کو بدل کر یہ بنالیا ہو جیسا وہ بعض اوقات کرتے ہیں،

بہر حال بیٹے نے سلطان کا خیر مقدم اس خیمہ میں ادا کیا، جو بعد میں اس پر گر پڑا اور سلطان وہیں دب کر مر گیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا خیمہ اتفاق سے گر پڑا یا عمدہ کرایا گیا، اور محمد تعلق پر باپ کی موت کی ذمہ داری کہاں تک ہے، اس کے لئے مختلف مورخین کے بیانات سننے چاہئیں، برنی جو محمد تعلق کو اپنے باپ کے قتل سے متهم کر چکی کوشش کہی نہیں کر سکتا، یہ لکھتا ہے:-

”جب سلطان محمد نے سنا کہ سلطان تعلق دار الخلافہ تعلق آباد کو واپس آ رہا ہے تو اس نے حکم دیا کہ افغان پور میں ایک چھوٹا سا خیمہ بنایا جائے تاکہ سلطان رات وہیں بسر کر کے صبح تعلق آباد میں شاہی جلوس کے ساتھ داخل ہو، شہر میں اس کے لئے بڑی بڑی تیاریاں کی گئیں، سلطان محمد مع امرا و اراعیان سلطنت اپنے باپ سے ملنے کیلئے آگے بڑھا اور رسم قدمبوسی بجالایا، اس وقت

جبکہ سلطان کا کھانا چنا چار ہوا تھا اور امرا و اراکین ہاتھ دھونے کیلئے باہر گئے ہوئے تھے، ایک ایسی آفت نازل ہوئی جیسے کوئی بجلی آسمان سے مخلوقِ زمین پر گرے، جس چوڑے پر سلطان تعلق بیٹھا ہوا تھا، اس کی چھت یکایک گری اور سلطان مع پانچ یا چھ اشخاص کے چھت کے نیچے دب کر مر گیا۔ ایلٹ، ڈاؤسن اور رینکنگ نے بجلی کو لفظی معنی میں لیا جو اور ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ آسمان سے ایک بجلی زمین پر گری اور جس چھت کے نیچے سلطان بیٹھا ہوا تھا، وہ گر پڑی جس سے وہ اور پانچ یا چھ دوسرے اشخاص دب کر مر گئے،

یہ ترجمہ کی غلطی ہے، اگر برنی کو یہ کہنا مقصود ہوتا کہ خیمہ پر بجلی گر پڑی تو وہ صاعقہ بلا آسمانی کی بجائے بلا سے صاعقہ آسمانی، لگتا، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صاعقہ، کا لفظ اس نے استعارۃ استعمال کیا ہے،

بعد کے مؤرخین جو برنی کے قلم کے کسی طرح نہیں ہو سکتے، تاہم ان کے بیانات پڑھنے کے قابل ہیں، نظام الدین احمد نے طبقات اکبری میں اس طرح لکھا ہے:-

”جب الٹ خان (محمد جوہا نے اپنے باپ کی واپسی سنی تو اس نے افغان پور کے قریب ایک خیمہ بنوایا تاکہ سلطان جب آئے تو رات یہیں بسر کرے اور صبح کو جب شہر آراستہ پیراستہ ہو جائے اور شاہی استقبال کیلئے تمام ضروری سامان مکمل ہو جائے تو وہ شہر میں داخل ہو جب سلطان خیمہ کے قریب پہنچا تو تعلق آباد میں خوشیاں سنائی جا رہی تھیں، الٹ خان مع امرا و وسائے شہر اس کے استقبال کے لئے نکلا، سلطان تعلق شاہ خیمہ میں بیٹھا اور خاص خاص کھانے اس کے لئے لاؤ گئے کھانا جب ختم ہو چکا تو لوگ ہاتھ دھو کر باہر نکل آئے لیکن سلطان ہاتھ دھونے کی غرض سے اندر ہی رہ گیا، اتنے میں چھت گری اور سلطان اس کے نیچے دب کر مر گیا، اس کی مذت حکومت چار سال اور کچھ ماہ ہے،

”بعض تاریخوں میں یہ مذکور ہے کہ خیمہ چونکہ تازہ بنا ہوا تھا اور لوگوں نے اس کے گرد ہاتھی دوڑا کر جو سلطان اپنے ہمراہ بنگال سے لایا تھا جس سے زمین دہل اٹھی اور چھت گر پڑی، دورانہیش ملین سے یہ غصہ نہیں رہ سکتا کہ ایسے خیمہ کی تعمیر جس کی اتنی کوئی ضرورت نہ تھی، قدرتا یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ الٹے خان نے اپنے باپ کی موت کی پیشیندہی کر رکھی تھی، یہ بھی ظاہر ہے کہ مصنف طبقات فیروز شاہی، (برہنی) نے چونکہ اپنی تصنیف سلطان فیروز کے عہد میں لکھی جو سلطان محمد کا بہت ہی احترام کرتا تھا، اس لئے اس نے فیروز کے خیال سے اس واقعہ کو ظاہر کرنے سے گریز کیا ہوگا، بہر حال میں نے یہ واقعہ اکثر متبرائے خاص کی زبانی سنا ہے۔“

نظام الدین احمد اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے اُس دھکی کا بھی ذکر کرتا ہے جو سلطان نے شیخ کو بنگال سے دی تھی اور پھر شیخ کا جواب بھی لکھتا ہے،
 بدایوںانی نے اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے:-

”سلطان تغلق شاہ اپنے ہمراہ بہادر شاہ (حاکم بنگال) کو لیکر دہلی منصور و فہمندا لوٹا۔ الٹے خان نے اس خبر کے سننے ہی حکم دیا کہ فوراً اتفاق پور کے قریب ایک بلند عمدہ محل تیار کیا جائے، مین دن میں یہ بکرتیا رہو گی، تاکہ سلطان پہلے مین اترے اور رات آرام سے گزار کر تازک و احتشام کے ساتھ پھر تغلق آباد مین داخل ہو۔“

”سلطان وہاں پہنچا اور الٹے خان مع امرا اور روسا کے اس سے ملنے کو گیا، اس کے ہتھکڑیاں مین اس نے ایک دعوت بھی کی، سلطان نے حکم دیا کہ ہاتھیوں کی ایک دوڑ کرائی جائے اور چونکہ محل کی بنیاد ابھی تازہ پڑی تھی، ہاتھیوں کے دھماکے سے مین زلزل ہونے لگی، یہ دیکھ کر سلطان اٹھ رہا ہے، لوگ بغیر ہاتھ دھوئے نیچے سے باہر نکل آئے، سلطان تغلق شاہ ہاتھ دھونا ہی رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا اور محل اس کے اوپر گر پڑا،

”ہم کو اس واقعہ سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے کہ ایسے محل بنوانے سے جو بالکل غیر ضروری تھا یہ شبہ پیدا ہوتا رہے کہ انخ خان نے اسے بلا نیاد کے بنوایا ہو جیسا کہ اکثر بیان کیا جاتا ہے لیکن مصنف متاخر بیخ فیروز شاہی، اس کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا ہے اس نے شاید فیروز کی خوشامد اور اس کے لحاظ کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔“

بدایوںی نے بھی بادشاہ کی دہلی اور شیخ کے جواب کا ذکر کیا ہے،
فرشتہ اس مسئلہ پر اس طرح بحث کرتا ہے:-

”جب انخ خان نے سنا کہ اس کا باپ واپس آ رہا ہے تو اس نے افغان پور کے قریب ایک خیمہ بنوایا تاکہ سلطان جب پہنچے تو رات وہیں گزارے اور صبح کو جب شہر آراستہ پیراستہ ہو جائے اور شاہانہ خیر مقدم کی تیاریاں مکمل ہو جائیں تو وہ شان کے ساتھ شہر میں داخل ہو، سلطان وہاں پہنچ کر آراؤ و ترفیق آباد میں ہر طرح کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں، دوسرے دن صبح کو انخ خان اوڑھ کر امرا کو سلطان نے شرف دست بوسی بخشا، اور اس کے بعد تمام لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا، جب دسترخوان اٹھا یا جا رہا تھا اور لوگوں نے یہ سمجھا کہ بادشاہ اٹھنے کو ہے، وہ بلا ہاتھ دھوئے باہر نکل آئے، انخ خان جس کی موت کی گھڑی ابھی نہیں آئی تھی، اس غرض سے باہر نکلا کہ گھوڑوں اور ہاتھیوں کی صف آرائی کرے، اس عرصہ میں چھت گری اور سلطان نے مع پانچ اشخاص کے خدائے تعالیٰ کی آغوش رحمت میں ملکہ پائی،

مذہب تارخون میں یہ لکھا ہے کہ خیمہ چونکہ تازہ بنا ہوا تھا، ہاتھیوں کے دھمک سے گر پڑا، اور بعض مورخوں نے یہ کہا ہے کہ ایسے خیمہ کی تعمیر جو غیر ضروری تھا، یہ شبہ پیدا کرتی ہے کہ انخ خان نے اپنے باپ کی موت کے لئے پہلے ہی سے یہ تدبیریں کر لی تھیں، ضیاء برنی نے جس نے اپنی تاریخ فیروز کے عہد میں لکھی، سلطان کے خون سے اظہار حقیقت سے پہلو تہی کی۔ لیکن دانشمند اصحاب

پر یہ امر واضح ہو کہ یہ بیان سراسر غلات عقل ہو، کیونکہ الغ خان اپنے باپ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا، اس معجزہ کی اسے کہاں طاقت کہ خیمہ میں اس وقت گرے جب وہ باہر نکلے، اسے سب پر طعت قصہ صدر جہان گجراتی کا ہو، اس نے اپنی تاریخ میں لکھا ہو کہ الغ خان نے ایک طلسم کے ذریعہ سے خیمہ بنایا تھا، چنانچہ صیوقت طلسم ٹوٹا، فوراً چھت گر پڑی، حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں یہ بیان کیا ہے کہ جب سلطان ہاتھ دھونے میں مصروف تھا، ایک بجلی آسمان سے نازل ہوئی اور چھت پھا کر اس کے سر پر گری، یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن صحیح واقعہ کی خبر خدا ہی کو ہے۔

ان بیانات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات چند ان قابل لحاظ نہیں، فرشتہ کا اشارہ بعض موضعین سے نظام الدین احمد پر ایک دفعی حملہ ہے کیونکہ اس کی یہ عادت ہو کہ جس ہانڈی میں کھاتا ہو اسی میں چمید کرتا ہے، حاجی محمد قندھاری کا بیان غالباً برنی کے لفظ کی غلط فہمی کی بنا پر ہے، فرشتہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ محمد جو ناکی مدافعت کر رہا ہے لیکن ابن بطوطہ کے بیان سے جو عینی شہادت پر مبنی ہو ساری حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے، وہ کہتا ہے کہ عمارت زیادہ تر لکڑی کی بنی تھی اور لکڑی ہی کی بنیاد پر قائم بھی تھی، مشہور ملک زادہ اور احمد بن ایاز (خواجہ جہان) کی نگرانی میں تیار ہوئی تھی، ابن بطوطہ نے عمارت کی اصلیت یہ بیان کی ہو، اس عمارت کی تعمیر میں جو راز مضمحل تھا وہ یہ کہ اسکی ساخت اس طریقہ پر تھی کہ جب ہاتھی اس کے کسی جانب سے گزریں تو وہ فوراً گر جائے۔ مورخ مذکور نے اس سازش کی تفصیل سے بحث نہیں کی لیکن اس کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ صدر جہان کا سارا طلسم یہ تھا کہ بنیاد سے ایک شمشیر ایا لگایا گیا تھا کہ ہاتھی کے گزرتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھسک جائے اور ساری عمارت گر پڑے، ابن بطوطہ اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

”سلطان خیمہ میں اترا، امرا و اعیان سلطنت دعوت کھا کر منتشر ہو گئے، محمد نے اپنے باپ سے ہاتھ کو صفت آرا کرنے کی اجازت چاہی اور وہ راضی ہو گیا، شیخ رکن الدین نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ اور

سلطان کا عزیز بیٹا محمود و نون اس کے ساتھ تھے، محمد نے اگر تیغ سے کہا کہ اب شام ہو گئی ہے، چلے آرام کیجئے۔ تیغ اتر آئے اور باقی خیمہ کے ایک جانب لائے گئے۔ ان کے آنے ہی خیمہ سلطان اور اس کے بیٹے محمود پر گر پڑا تیغ نے یہ مجھ سے کہا کہ میں یہ آواز سن کر لوٹا اور کیا دیکھتا ہوں کہ خیمہ سلطان کے اوپر گر پڑا ہے۔ شہزادے نے حکم دیا کہ کھانڑیاں اور بھاڑے لا کر اسے نکالیں، لوگ غروب آفتاب کے وقت لائے اور کھودا، سلطان اپنے بیٹے محمود کے اوپر اس طرح لپٹا ہوا پایا گیا گویا اسے بچا رہا تھا، بعض یہ کہتے ہیں کہ سلطان جب کھود کر نکالا گیا تو مر چکا تھا، اور بعض کا یہ بیان ہے کہ وہ زندہ تھا، اس کے بیٹے محمد نے اس کے دفن کرنے کا سامان کیا اور ات ہی کے وقت وہ تعلق آباد سے باہر اس قبر میں جسے اس نے اپنے لئے بنوا رکھی تھی، دفن کیا گیا۔ اس سازش کی بنا پر جو امیر خواجہ جہان (احمد بن ایاز) نے اس عمارت کی تعمیر میں کی تھی، وہ سلطان محمد تعلق کا محبوب نظر بن گیا اور سب سے بڑے عہدہ پر مامور کیا گیا:

ابن بطوطہ کا غیر جانبدارانہ بیان فیصلہ قاطعی ہے، یہ ایک ایسے شخص کی شہادت پر مبنی ہے جو خود موقع پر موجود تھا، ہاتھیوں کی صف آرائی خود محمد جو ناکی جو یز سے عمل میں آئی جس کے سبب یہ بلا نازل ہوئی اور احمد بن ایاز کا جو غیاث الدین تغلق کے عہد میں ایک معمولی نگران عمارت تھا، محمد تغلق کی تخت نشینی پر یکایک وزیر سلطنت کے عہدہ پر پہنچا سلسلہ شہادت کی تکمیل کر دیتا ہے:

تکلیف و تہک

سلمان ساوجی

خاک ایران کے ان علیٰ فرزندوں میں سے جنہوں نے تعلیم و تہذیب پر اپنی زندگی کا بڑا فرض اپنے بزرگوں کی معنوی دولت کی حفاظت اور ترقی قرار دیا ہے، ایک سرسبز عجلہ شدہ بن عبدلغفار تبریزی ہیں، نیز موصوف روسی زبان میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور اپنی عمر کا بڑا حصہ روسی تعلیم گاہوں میں صرف کیا ہے، جنگ سے پہلے وہ ماسکو کے مدرسہ السنہ شرقیہ میں پروفیسر تھے، انقلاب روس کے بعد وہ اسٹریا چلے آئے اور اب تک وہیں مقیم ہیں، موصوف نے ایران شہر برلن (صفر ۱۳۱۶) میں سلمان ساوجی پر ایک مختصر مضمون لکھا ہے، جن کی ہم ذیل میں تفصیل کرتے ہیں،

آٹھویں صدی ہجری میں خاک پاک ایران سے جو نامور شعرا پیدا ہوئے ان کے سرخیل یقیناً خواجہ حافظ شیرازی ہیں، لیکن حافظ کے بعد جس کا نام لیا جاسکتا ہے وہ سلمان ساوجی ہے، سلمان کی ولادت کا سال ۹۲۰ھ اور وفات کا ۹۷۰ھ ہے، سلمان کی غزل سرائی کی عمر خواجہ حافظ کی شیریں نوائی کی عمر سے دس سال بڑی ہے، مشرقی ایران کی بزم سخن شاہان آل مظفر کی سرپرستی میں حافظ کے دم سے روشن تھی، آئینہ سالی مغربی ایران کا گلشن سخن جلالتی سلاطین کی باغبانی میں سلمان ساوجی کے نغمہ ترنم سے معمور تھا، آل مظفر کا پایہ تخت شیراز تھا اور جلالتی خاندان کا تہذیبی خواجہ حافظ شیراز میں چھک رہا تھا، اور سلمان تبریزی میں،

باوجود اس کامل ہمسری اور ہم عصری کے یہ واقعہ تعجب انگیز ہے کہ حافظ کا دیوان آج بچہ بچہ کے ہاتھ میں ہے لیکن سلمان کا دیوان بڑے بڑے محققین کی نسل میں بھی نظر نہیں آتا، دنیا میں فارسی ادبیات کا کوئی اہل ذوق ایسا نہ ہو گا جو حافظ سے آشنا نہ ہو، دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے دیوان کے تراجم موجود ہیں، دنیا کے ہر گوشہ میں ان کے دیوان کے اعلیٰ و ادنیٰ سینکڑوں اڈیشن شائع ہو چکے ہیں، مگر سلمان کا دیوان اب تک فراموشی کے طاق پر گرد آلود پڑا ہے، یہاں تک کہ خود ایران میں بھی اس کا کوئی کامل نسخہ چھپ کر شائع نہیں ہوا ہے، اس سوال کا جواب مشہور جرمن شاعر گوٹے (GOUTHE) نے ایرانی شعراء کی مدح و ستائش کی تقریب میں جو الف ظ کہے ہیں ان سے ممکن ہے، وہ کہتا ہے :-

”اہل ایران نے اپنے قدیم شعراء میں سے صرف سات ناموروں کو چن لیا ہے، مگر باقی ماندہ انتخاب میں بہت سے ایسے شعراء ہیں جو مجھ سے میرا تب بہتر ہیں۔“

ماسکو کے مدرسہ السنۃ مشرقیہ لازاردوف میں سلمان کے کلیات کا ایک قلمی نسخہ (نمبر ۶۷۷۸) نہایت عمدہ اور نہایت نادر موجود ہے، اس کی سب سے بڑی ندرت اور قیمت یہ ہے کہ یہ سلمان کے ان تمام نسخوں سے سب سے زیادہ مکمل ہے، جو یورپ کے مختلف مشرقی کتب خانوں میں ہیں، اور جو ان کی فہرستوں میں مذکور ہے، انوس ہے کہ اس نسخہ پر کتابت کی تاریخ درج نہیں، مگر خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تیموری سلطنت کے اواخر عہد میں بلکہ سلطنت صفویہ کے اوائل میں لکھا گیا ہوگا، اس فرض کی بنا پر یہ نسخہ سلمان کے ڈیرہ سو برس کے بعد تکمیل پایا ہے، ماسکو کے مدرسہ السنۃ مشرقیہ کے کن بنچ میں ایک نسخہ بھی کاچا ہوا ہے، اس نسخہ پر بھی تاریخ درج نہیں ہے لیکن قریب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۹۵۰ء میں چھپا ہے، گوکہ یہ کلیات کے نام سے چھپا ہے لیکن یہ بالکل نامکمل ہے،

۱۹۵۰ء میں، خاکسار نے سلمان کی پہلی مین غزلین اسی قلمی نسخہ سے نقل کر کے اور مذکورہ

مطبوعہ نمبر سے مطابقت کر کے روسی ترجمہ کے ساتھ، "اشرقیات" کے مجموعہ میں چھپوایا تھا، یہ مجموعہ مشہور روسی مستشرق الگسی دیسے لودسکی (WEASOLOESKY) کی سی سالہ شیئ پر و فیسیری کی تحریروں میں پروفیسر موصوف کے دو متون اور شاگردوں نے ترتیب دیا تھا۔

اس کے بعد اسی قلمی نسخہ سے لیکر "جمشید و خورشید" کی داستان کی نقل کر کے چھپوانیکا مصمم ارادم تھا کہ یہ نخوس جنگ شروع ہو گئی، اور اس کے بعد روس میں ایسے انقلابات پیش آئے کہ یہ تمنا پوری نہ ہو سکی، مسلمان نے داستان مذکور کو اس خوبی سے نظم کیا کہ اگر یہ ذوق شناسان سخن کے پاس نہ پہنچے تو یہ سلمان کی روح پر فاسم ہوگا۔

خطِ مخی کے اکتشاف کی تاریخ

ایران کی قدیم عمارتوں پر سنگیڑوں نگی کہتے اور نوشتے ایک خاص خط میں منقوش ہیں جس کو اب خطِ مخی کہتے ہیں، کہ ان کی ظاہری شکل منج اور کیل سے مشابہ ہے، یہ قدیم خط ہمیشہ سے معما تھا یہاں تک کہ اونیسیویں صدی کے دوسرے سال میں یہ یورپ کے مستشرقین اور سیاحوں کی مساعرت کو ششون اور مفتحون سے حل ہوا، اور ان کو پڑھ کر قدیم ایران کی مردہ تاریخ کے بہت سے واقعات زندہ ہوئے، اور بہت سے گزشتہ بادشاہوں کے نام جو یونانی تلفظ میں کچھ سے کچھ ہو گئے تھے ان کی تصحیح ہوئی،

اس خط کے اکتشاف اور حل کی تاریخ ہم کو اس لئے پڑھنا چاہئے تاکہ ہم کو مستشرقین کی ان مفتحون اور کاوشون کا اندازہ ہو وہ علم کے شوق میں غیر قوموں اور بیرونی ملکوں کی تاریخ کے احیاء میں کر رہے ہیں، سب سے پہلا کا مفر نام ایک یورپین سیاح ایران نے ۱۸۱۵ء میں اس خط کا نام "خطِ مخی" جو ترکی زبان میں ایک اور یورپین سیاح لویردین کی معیت میں اس نے مصر

کے کتبہ کو نقل کیا، اس کے بعد ۱۸۶۵ء میں جرمن سیاح نیو بر (MEIBUHR) نے عرب اور ایران کی سیاحت کی اور ان کتبوں کی متعدد نقلیں حاصل کیں جو مدت تک مستشرقین کے ہاتھوں میں اس خط کے متعلق تنہا سرمایہ معلومات رہیں،

۱۸۷۰ء میں سب سے پہلی دفعہ اس خط کے چند الفاظ پڑے گئے، اس دریافت کا فخر جرمنی کے ایک مستشرق سیاح گروٹفند (Grotafend) کو حاصل ہوا، اس نے دو تین نفاذ پڑھے، اور ان کی مدد سے اس خط کی الف با کے چند حروف متعین کئے، ۱۸۷۵ء میں کوہ الوند اور وان میں کچھ کتبے پائے گئے، ۱۸۷۶ء میں ریچ (Reich) نے اپنا سفر نامہ ایران شائع کیا، ۱۸۷۳ء میں وٹزگارڈ ایک ڈنمارکی سیاح نے تخت رستم کے کتبوں کی نقل لی، اس کے بعد انگریز مستشرق رالسنسن (Rawlinson) نے ۱۸۷۶ء ۱۸۷۷ء میں مبینوں کے کتبوں کے چربے لئے ۱۸۷۳ء میں فرانس کی حکومت نے اپنے تین سیاح ہندون کو ایران بھیجا جن کے نام یہ تھے، پاسکال دی کوست (Pascal de Cosse) مکزیس (Mazieres) اور فلانڈن (Flandin) ان لوگوں نے اکثر بھی خطوط کے عکس لئے، اور ایک مفید سفر نامہ لکھ کر فرانس واپس آئے، لیکن جو شخص خط منجی کی تمام اور کامل نقلیں یورپ میں لایا وہ جرمن سیاح سنوارے (Stolberg) ہے، اس نے ۱۸۷۵ء میں چودہ سو سے زیادہ کتبوں کی نقلیں لیں، اور جرمنی واپس آکر پروفیسر فولڈیکے اور پروفیسر اندرسے کی مدد سے خط منجی کی تحقیق میں ایک بہترین کتاب لکھ کر شائع کی،

اس کے بعد شخصی اور مختلف علمی و فوڈ کی کوششیں اس خط کی تحقیق میں صرف ہوتی رہیں، انگریز عالم رالسن نے ۱۸۷۶ء میں مبینوں کے کتبہ کے دو جملہ کا ترجمہ کر کے لندن کی ایشیاٹک سوسٹی کے رسالہ میں چھپوایا، اور اس کے چند سال بعد ۱۸۷۸ء میں دو اور حرف پڑھ کر اس خط کے متعلق اپنی یادداشت شائع کی،

اس خط کی الف بالینی حروف تہجی کی ترتیب تعین اور تحقیق میں علمائے یورپ کے پورے پچاس سال صرف ہوئے اور تب جا کر بڑے جھگڑوں مناقشوں، اور مباحثوں کے بعد بالآخر ایک الف ہائیں ہوئی، اور اس کی پوری تشکیل ترتیب کو پہنچان، ذیل کی جدول میں ان حروف کے دریا کنندہوں کے نام مع قومیت اور سال دریافت ہم درج کرتے ہیں،

نام	قومیت	کتے حروف پڑے	سال دریافت
نینچن	جرمن	۴	۱۷۹۸ء
ہنٹر	جرمن	۲	۱۸۰۰ء
گروٹفند	جرمن	۱۲	۱۸۰۲ء تا ۱۸۱۵ء
سینٹ مارٹن	فرینچ	۲	۱۸۲۳ء
راسک	ڈنمارکی	۲	۱۸۳۶ء
بورنوف	فرینچ	۴	۱۸۳۶ء تا ۱۸۴۲ء
لاسن	ناروی	۶	۱۸۴۶ء
ٹراکے	بیلجی	۲	۱۸۴۸ء
رائسن	انگریز	۵	۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۶ء
ہولنڈمان	جرمن	۱	۱۸۴۶ء
ادپریت	فرینچ	۶	۱۸۴۶ء تا ۱۸۴۷ء

ان ۱۴ حروف کے علاوہ آٹھ حروف ایسے بھی ہیں جو اب تک پڑے نہیں گئے ہیں جن کو

ملا کر خط تہجی کے کل ۵۳ حروف ہوتے ہیں۔

اَلْخَبْرُ الْعَلِيّ

ریاستہائے امریکہ کی حکومت نے یہ قانون نافذ کیا ہے کہ جب تک کتابوں پر ان کے چھپنے کا ملک نہ لکھا ہو گا وہ امریکہ کی حدود میں نہ داخل ہو سکیں گے، کنڈا نے بھی اس کی تقلید کی ہے۔

مسٹر ایس، پرسی اسمتھ کی موت، عالم تاریخ کا حادثہ عظیم ہے، وہ مسوری قوم کی تاریخ، روایات، مذہب، اور تمام دوسری خصوصیات کے لئے سند تھے، انھوں نے چالیس سال تک نیو یارک میں اسی قبیلہ کے ساتھ گزارے تھے۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں وہ ان سے واپس آکر اسی قوم کے متعلق مضامین و رسائل لکھا کرتے تھے، حال ہی میں ان کی کتاب کا جو انھوں نے اس قوم کی تاریخ پر لکھی ہے چوتھا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔

ابن سکویہ کی تجارتی الامم سات جلدوں میں ہے، زمانہ ہواڑی، گیوجی نے لیڈن سے اس کی چھٹی جلد شائع کی تھی، اب پروفیسر مارگولیس نے ساتوں جلدوں کو مع ترجمہ کے شائع کیا ہے، مشر ایچ، ایف، اردو زبانی پروفیسر موصوف کے شریک کار تھے، لیکن عمر نے وفات کی، اور پروفیسر موصوف کو تنہا اس کو تکمیل تک پہنچانا پڑا، ساتوں جلدوں کی قیمت، پونہ سات شتنگ ہے۔

موسویو منہری بر کے زیر ادارت لی ایوڈیشن ڈی لی ہیومناتے، (ارتقاء انسانی) پر جو جلدوں میں اس موضوع کی دائرۃ المعارف لکھی جائیگی، حال میں اس کی چوتھی جلد پیرس سے

شائع ہوئی ہو، اس سلسلہ کی دست، ضخامت اور ہر گیری کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ چوتھی جلد ۲۵۰ طویل صفحوں پر مشتمل ہو، اور جن اہم کن بون سے مدد لگئی، جو ان کی تعداد ۲۲ تک پہنچتی ہے،

اکتوبر میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے تاریخ قدیم کے کیمڈن پروفیسر شپ کی سہ صدی رسم ادا لگائی اور اس شبہ کے چھ پروفیسروں کو اس تقریب پر ڈاکٹریٹ لینرس کی اعزازی ڈگریاں دی گئیں۔

دائیں یونیورسٹی کا ہال ۱۹۱۵ء سے مرمت نہ ہو سکا اور اب باکھل کام کے لائق نہیں ہو، بہت اقوام کی تباہی کا اس سے زیادہ دردناک کوئی منظر نہیں ہو سکتا،

۵ جنوری ۱۹۱۵ء کو قاہرہ میں، برطانوی باشندوں کے بچوں کیلئے ایک اسکول کھولا گیا تھا اور اس امید پر کہ دو سال میں اسکول خود اپنا کفیل ہو جائیگا، حکومت برطانیہ سے صرف اس قلیل میعاد کے لئے ۲۰۰ پونڈ سالانہ لیا گیا تھا، لیکن وہ اسکول اب تک اس قابل نہیں ہوا، اور متظمین نے امداد کیلئے پھر درخواست دی ہو۔

سہ اکتوبر کو پروفیسر جارج سینٹری کی،، دین سالگرہ منائی گئی اور اس موقع پر ان کے احباب اور شاگردوں نے ان کو اڈریس پیش کئے۔

ریاستہائے امریکہ کی حکومت نے بیس ہزار ڈالر کا انعام اس شخص کے لئے مفرد کیا ہے۔

جو اخلاقی تعلیم کسے بہترین اصول پر ایک کتاب لکھ سکے۔

انگلستان کے انقلاب و وزارت کے ساتھ، تعلیمی وزارت بھی بدل گئی ہے، اور اب مسٹر فشر کی بجائے مسٹر ڈو، بورڈ آف ایجوکیشن (مجلس تعلیم) کے صدر ہیں،

فرانسیسی طیارچی مسٹر الکزنڈر منی رول نے ڈیلی میل کا ایک ہزار پونڈ کا انعام پر واز حاصل کیا ہے

گذشتہ اکتوبر کی، اہ کو سب سے بڑے شہاب ثاقب کو دکھایا گیا، جسامت اور بعد مسافت کے لحاظ سے اب تک کوئی اسکا نانی نہیں پایا گیا تھا۔

مسٹر جی، ایچ، سے طوری نے جو گذشتہ مئی کے ہم ایورسٹ کے رہنما تھے ایک تقریر کے دوران میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ آکسیجن کے بغیر کھ کو، تک پہنچ سکتے ہیں، گذشتہ ہم میں وہ ۲۶۸۰۰ فٹ تک پہنچ گئے تھے۔

برطانیہ کا عمر ترین امیر البحر سر الکزنڈر ڈی ہور سے ۹۵ سال کی عمر میں مرزا، ۱۸۸۵ء میں نوکر ہوا تھا اور ۱۹۷۱ء تک مختلف فرائض انجام دینے کے بعد ملازمت سے الگ ہوا تھا،

لندن کی گذشتہ مردم شماری کے اعداد کی رپورٹ حال میں شائع ہوئی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ لندن کی آبادی برابر گھٹ رہی ہے۔

۱۹۱۱ء میں ۵۳۶۲۶۷۷ تھی ۱۹۲۱ء میں ۵۲۱۶۸۵۷ ہوئی اور ۱۹۳۱ء میں ۴۸۳۵۲۲۲ گئی ہے

اسی سلسلہ میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ انگلستان کو ملنے والے حلقوں میں عورتوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ایک طبقہ میں تو مردوں سے بھی زیادہ ہے۔

لندن اور اس کے ملحقہ کے اعداد و شمار میں ذیل کی چیز کے معلومات بھی دلچسپ ہیں، مردوں میں :-

۱۱۳۱۸۸۹	ہائیکند
۸۶۵۳۰۰	شادی شدہ
۷۲۴۵۹	جکی بیویان مرگئیں
۱۹۳۱	طلاق سے جدا شدہ
	اور عورتوں میں
۱۳۰۹۸۲۸	ناکند
۸۷۷۲۹۸	شادی شدہ
۲۲۳۶۱۵	بیوہ
۲۲۰۳	طلاق یافتہ

بیواؤں کی تعداد میں ۲۵۹۲۲ کا اضافہ ہے، ان میں سے ۱۱۰۰۰ سے زیادہ ۲۰ سے ۳۰

ہمک کے عمر کی ہیں اور شاید ایام جنگ کی بیوہ شدہ ہیں۔

لندن یونیورسٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ حکومت برطانیہ کی ایک ہزار زبانوں کے دو لاکھ

گرافٹونی ریکارڈ رکھے جائیں تاکہ طلباء اور محققین کو زبان کے مطالعہ و تعلیم میں سہولت ہو۔

حال میں لندن میں ایک گائے لائی گئی ہے جو سال میں تقریباً ۳۰ گیلن دودھ دیتی ہے، اس کو دن میں چار مرتبہ دوا جاتا ہے، چار سال قبل ۲۰ گیلن دودھ والی گائے آئی تھی، اب اس قسم کی ۹۰ گائیں برطانیہ میں ہیں۔

انگلستان کے مشہور معذور انریبل جان کولیر نے ایک تصویر بنائی تھی جس میں دکھایا تھا کہ ایک شہزادی اپنے شوہر کو قتل کر کے بھل رہی ہے، بلکہ پول کی میونسپلٹی نے اسے اس بنا پر خریدنے سے انکار کر دیا کہ اس سے لوگوں کی اخلاقی حالت پر برا اثر پڑے گا، تصویر کی قیمت ۲۰ پونڈ ہے، مصوٰف کا خیال ہے کہ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا گیا تو تمام بہترین غنائک تصاویر کو فن تصویر کشی سے خارج کر دینا پڑے گا۔

مشہور نقاش مسٹر مکالم اسٹراس نے تمام دنیا کی سیاحت کے بعد ایک مضمون حسن پر لکھا ہے، ان کا خیال ہے کہ کمال تناسب کا نام حسن ہے اور اس لحاظ سے صرف تین عورتیں ان کے معیار میں پوری ہوئیں۔

پروفیسر ہرس نے بجلی کے ذریعہ، ثبوت زندگی کا طریقہ ایجاد کیا ہے، ان کا قول ہے کہ اگر ایک آندے کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ اس میں جان پیدا ہو گئی ہے یا نہیں، تو چاہئے کہ بجلی کی لہر اس تک پہنچائے اور اگر اس سے بھی لہر پیدا ہو تو سمجھیں کہ اس میں جان پیدا ہو گئی ہے اسی طرح بچوں کے متعلق بھی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ وہ قابل نمونہ یا نہیں۔

بیرہ (ساحل افریقہ) میں ایک عظیم الجثہ دیا کی جانور پایا گیا ہے، اس کا طول ۱۷ فٹ، عرض ۱۰ فٹ، بلندی ۴ فٹ اور وزن ۷۰۰ پونڈ تک ہے۔

ماہرین کیمیا نے وہ تمام اجزاء معلوم کر لئے ہیں جن سے انسان کا جسم بنتا ہے، اور اس کے بنانے میں بھی کامیابی حاصل کی ہے، لیکن سانس نہ پیدا کر سکے کہ وہ ان کے بس سے باہر کی چیز ہے۔

ڈاکٹر گلن کوشش کر رہے تھے کہ وہ ایسے پر بنائیں جنکو لگا کر آدمی پر بند دن کی طرح عالم بالا کی سیر کر سکے (اڑ سکے) اب وہ اس میں کامیاب ہو گئے ہیں، اور چند دنوں میں ان مصنوعی پروں کا امتحان ہو گا۔

جزیرہ میکوئو کی یہ عجیب رسم ہے کہ لہن کے دونوں اگلے دانت توڑ دئے جاتے ہیں، ایک لڑکی کی شادی کیسے لازمی ہے کہ اس کا سر مغر دلی ہو، ورنہ اس کی شادی نہ ہوگی اور تمام عمر اس کو کنواری ہی رہنا پڑے گا۔

امراض ناک وقل کے ایک ماہر نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جو چشمہ کی طرح دونوں نفعنوں میں لگا جاتا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ اس طرح ہوا چمن کر جاتی ہے اور آدمی ناک اورقل کے تمام امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

کلیفورنیا کے ایکٹر کے ایک باغ کو بون اور کمرے سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے گرد

جابر سے بڑے سینکڑے بنائے گئے ہیں اور اس میں میں میں فٹ کے چٹکے لگے ہوئے ہیں، میناروں کے زیرین حصہ میں آگ سلگائی جاتی ہے اور یہ ٹپکے اس کی حرارت کو تمام باغ میں پھیلا دیتے ہیں اور اس طرح ہوا گرم ہو کر برف اور گھرے کی صورت میں باغ میں بہنیں گرنے پاتی ۛ

کیمبرج یونیورسٹی نے انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کی تین نئی جلدیں شائع کی ہیں، جو تین سال گذشتہ عالمگیر جنگ کی نئی ایجادات و اصطلاحات پر مشتمل ہیں۔

ہال مال گروپ رادیو کے مصر میں تنباکو کی کاشت گذشتہ صدی کے اواخر تک بکثرت ہوتی تھی، لیکن برطانی قبضہ کے بعد ہی حکومت نے اس کو قانوناً روک دیا، اور اس پر اس قدر بھاری محصول لگا دیا کہ لوگ اس کی تجارت سے آہستہ آہستہ دست کش ہونے لگے، لیکن اب تبدیل حکومت کے بعد پھر مصری سلطنت اور مراہطی قوجہ بڑھا رہی ہے، اور دوبارہ اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے کہ آیا اسکی کاشت پھر اپنی پہلی رونق پر آسکتی ہے یا نہیں، اور ۱۹۵۱ء تک نیل کے پاس کی جن زمینوں پر اس کی کاشت ہوتی تھی، ان کے علاوہ اور دوسری زمینیں اس مصرف میں آسکتی ہیں یا نہیں، چنانچہ اس کے تحقیق اور معائنہ کے لئے کو با اور ٹھیس سے تنباکو کی کاشت کے ماہرین بلائے گئے ہیں۔

گذشتہ جنگ عظیم میں ترکوں نے جو جانی قربانیاں کی ہیں ترکی وزارت جنگ نے ان کی رپورٹ شائع کی ہے، جس وقت اعلان جنگ ہوا، ترکی کے پاس کل ایک لاکھ پچاس ہزار باقاعدہ فوج تھی اور مسلح لوگوں کی تعداد دس لاکھ بیس ہزار نو سو تھی، لیکن آٹھ لاکھ جنگ میں اس کی فوج کی تعداد ۲۸ لاکھ ۵۰۰ ہزار ہو گئی، جن میں تین لاکھ ۲۵ ہزار افسر اور سپاہی میدان جنگ میں کام آئے، اور

چار لاکھ زخمی ہوئے، اور پندرہ لاکھ ۶۵ ہزار معرور اور قید ہوئے، اور جرمنیت اتوائے جنگ ہوئی، اس وقت
ترکی فوج میں صرف ایک لاکھ ۵۶ ہزار آدمی تھے۔

جنگ سے پہلے امریکہ اور دولِ یورپ کی قومی ثروت، اور جنگ کے قرضوں کا اندازہ حسب
ذیل ہے: ایک ملین ۱۰ لاکھ کا نام ہے،

نام	اندازہ دولت قبل از جنگ	قرض سال گذشتہ
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۵۰ ہزار ملین پونڈ	۴،۹۵ ملین پونڈ
برطانیہ	۷۰ ہزار ملین پونڈ	۶،۳۳ ملین پونڈ
فرانس	۱۳ ہزار ملین پونڈ	۱۲۰۶۰ ملین پونڈ
روس	۱۲ ہزار ملین پونڈ	قرض کا انکار
جرمنی	۷۰ ہزار ملین پونڈ	۲۴۴۲ ملین پونڈ
آسٹریا	۸ ہزار ملین پونڈ	تقریباً دیوالیہ
ایتلی	۶ ہزار ملین پونڈ	۲۹۰۳ ملین پونڈ

اوسفورڈ کے ایک پروفیسر صاحب نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ کل ستاروں کی تعداد کروڑ

پچاس ہزار ہے،

شتر مرغ کی اوسط عمر کا اندازہ ستر سال سے زیادہ لگایا گیا ہے۔

انشاء علی بن محمد

نواب علانی اور مرزا غالب

نواب علاؤ الدین خان علانی مرحوم، والی لوہارو، اور مرزا غالب کے درمیان جو دوستانہ تعلقات اور مراسم محبت تھے، سوانح غالب کا جاننے والا ان سے بجز نہیں، یہ تعلقات دوستانہ اور مراسم محبت جو دو ہم عہد با کمال بخور دن میں تھے، افسوس کہ ان کی ادبی یادگار دنیا سے مٹ رہی ہیں، ہم جناب ضیاء اللہ خان صاحب راجپوری کے ممنون ہیں کہ انھوں نے نواب علانی خان مرحوم کے خلف الرشید نواب مرزا بشیر الدین احمد خان صاحب (نواب) سے ذیل کے منظوم رقعے لیکر ہمیں عنایت فرمائے ہیں،

یہ منظوم رقعے بے تکلفانہ خطوط ہیں، نواب صاحب مرزا کو اپنے ہاں بلائے ہیں، اور مرزا غالب غدر کرتے ہیں کہ وہاں آم کہاں ملیں گے، مرزا غالب آمون کے بہت شائق تھے، نواب صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ انشاء اللہ تمام فرمائشیں حاضر ہوگی مرزا غالب کے اردو اور فارسی قطعات کا جواب نواب صاحب نے انھیں بحر و قافیہ میں دیا ہے، انشاء اللہ اب وہ بامزہ جھٹتیں ہیں، نہ ایسے خود دار اور با محبت لوگ ہیں، نہ ایسے با کمال شاعر ہیں نہ ایسے قدردان امراء

رقعہ مرزا غالب نام نواب علاؤ الدین خان مرحوم علانی

خوشی جو یہ آنے کی برسات کے پھین بادشاہ نواب اور ام کامین،

سراغاز موسم میں اندھے ہیں مسم
 سوانح کے جوئے مغلوب حسان
 کہ دلی کو چھوڑیں ہمارے کو جائیں
 نہ وان ام پائین نہ انگور پائین،
 ابھی جا کے پونچھو کہ کل کیسا پچائیں
 وہ کھٹے کہاں پائین اہلی کے بھول
 دھڑکے کرے کہان سے شکائیں
 کھواس کو ہم کھا کے کیا خطا ٹھائیں
 فقط گوشت سو بھیر کا ریشہ دار

خوانی بسوئے خویش وندانی کہ مردام
 نے شیخ مندوام نہ الہ بخش مرگ من
 دانی کہ مردہ راہ و درم خرام نیست
 از عالم جنابت و مرگ حرام نیست

جواب از طرف نواب صاحب مرحوم بنام مرزا غالب

خوشی ہے ہمیں آنے کی آپ کے
 سراغاز موسم میں کیا خوب ہو
 کہ با ہم سین بادہ اودام کھائیں،
 جو دلی سے حضرت ہمارے کو آئیں
 کہ کچھ مکسین نام کو بھی نہ پائیں
 وہ دلی سے انگور ہر شام آئیں
 ابھی جا کے ہر چیز جسدین پکائیں
 وہ لہن باغ سے جا کے اہلی کے بھول
 وہ بے ریشہ بکری کا لحم طری
 کہیں ان کو بے مہر دکاہل اگر،
 خوانم سوئے خویش وندانم کہ مردہ
 پندامت زخمتی لال بیگ
 دانی کہ مردہ راہ و درم خرام نیست
 از عالم جنابت و مرگ حرام نیست
 کہ کیا کیا اسے کھا کے ہم خطا ٹھائیں
 ہمارے اس بات پر بھی نہ ٹھائیں
 وانم کہ چون توئی شیخ خرام نیست
 مرگت چو شیخ مست و زراہ حرام نیست

پیش

شہنشاہِ سولہوی کی فرما

زندانی بچا پور میں

تہنائی کے سبب بن تہنائی کی سبب تین
اب ہونے لگیں ان سفلوت میں ملاقاتیں
ہر آن تسلی ہے ہر لحظہ تشفی ہے،
ہر وقت ہر دلوئی، ہر دم میں مدار تین
کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے ہیں وفد
ہر روز ہی چرچے، ہر رات یہی باتیں
معراج کی سی حامل سجد و نمین ہر کیفیت
اک فاسق و فاجر میں، اور ایسی کرنا تین
بے مایہ ہیں ہم لیکن شاید وہ بلا مجھ میں
بھبی ہیں درد و غم کی کچھ ہم نے بھی سوتیں
شیطانوں کی چالوں سے اب ہو میں دوا
اب ہو گی اہم شرح، مہو تو کی سب گھتیں

بیٹھا ہوا تو یہ کی، تو خیر منسا یا کر،

ملتین نہیں یوں جو ہر اس دیں کہ تین

ایک قیدی کی آزاد "بیانی،

فیضِ محبت سے ہے قیدِ محن
میرے لئے ایک بلائے حسن
شامِ غریبان کے برابر کہان
مذہبِ عشاق میں مسیح وطن

لے وَلِیْسَیْ اَلْمُؤْمِنِیْنَ مِنْہُمْ بَلَدٌ حَسَنًا (سورہ انفال پارہ نم)

آہ وہ فارنگر مسبر و شکیب ، سلسلہ زلف شکن در شکن
قفسہ جان وہ سخن دلپذیر ، دشمن دین وہ نگہ سحر فنی

جلوہ جانان سے ہے دار السرور ، خانہ جان اب نہیں بیت الحزن
ہسر و مردت سے تمھیں واسطہ ، یہ بھی حریفوں کا ہے اک حسن ظن

جب کہما عشق نے حسرت مجھے

کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

غزل فارسی

نواب حسام الملک سید محمد علی حسن خان طاہر

دردِ عشق اور دلم از غم ماسوا گزشت ، گشت دواؤ درد دل درد کہ از دوا گزشت
غزل بے نیازیم کرد بہ یا بے مقدرین ، زود بیکام دل رسد ہر کز مدعا گزشت
دلق رہین میکدہ مسر سجد پائے خشم ، از لب جام یادہ پرس انجیر بہ پارا گزشت
رفت شباب ما ہنوز دست مہوشانہ ایم ، بخت براہ ختمہ ماندہ قافلہ بے درا گزشت
عشق نہ عشق اول است جن نہ جن یار نو ، فکر و گروان نمود کارین از خفا گزشت
من بکمال عشق خویش چون ز عقل گزرم ، گر کمال عقل خویش فلسفی از خدا گزشت
چشم براہ و منظر طاہر و شوخیش میں ، چشم براہ و منظر طاہر و شوخیش میں
روئے ہفتہ آمد و بھیر از قفا گزشت

دوسرا باب۔ مغربی علوم کے اقسام اور ان کے فوائد کا مقابلہ، ہندوستانی توجہ کن علوم کی طرف ہو،
 تیسرا باب۔ ہندوستان میں صنعت کی ہیئت، حالت اور اس کے اسباب،
 چوتھا باب۔ صنعتی ہستی کے متعلق گورنمنٹ اور اہل ملک کی ذمہ داری،
 پانچواں باب۔ عملی تجاویز،
 چھٹا باب۔ قومی ترقی کے لئے کن اخلاق کی ضرورت ہو،

خلاصہ ادواب پہلے باب میں نہایت تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی زبان و فنون کی ترویج و اشاعت کی سب سے پہلی کوشش مسیحی مشنریوں کی طرف سے ہوئی، جن کا مقصد اشاعت مذہب تھا، لیکن اس سے ہندوستان کی سطح جامعین کچھ زیادہ قابل لحاظ غمخیز نہیں پیدا ہوئی، ۱۸۳۳ء میں ایک قانون منظور کیا گیا جس کی رو سے ہندوستانی حکومت کی دفتری زبان فارسی کی بجائے انگریزی قرار پائی اور ۱۸۵۷ء میں لارڈ ہارڈنگ نے اعلان کیا کہ آئندہ تمام سرکاری ملازمتوں کے لئے انگریزی قانون کو ترجیح دیجائیگی، یہ قانون اور یہ اعلان مؤثر ثابت ہوا اور اب ہندوستانیوں کی توجہ انگریزی تعلیم کی طرف منعطف ہو گئی، اس سیاسی ضرورت کے علاوہ تجارتی ضرورت بھی مصنف کی رائے میں انگریزی زبان کی اشاعت کا ذریعہ ہوئی لیکن مصنف نے سب سے زیادہ مؤثر اور قومی ذریعہ حکومت کے قانون، لارڈ ہارڈنگ کے اعلان اور ہندوستانیوں کے جذبہ حصول مناصب ملکی کو قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں تمام ضروری مصلحتیں جمع کر دئے گئے ہیں، گورنمنٹ کی جدوجہد اور مشہور و معروف لارڈ مکالے کی تجاویز وغیرہ کے ضروری اقتباسات مندرج ہیں، ہندوؤں میں بنگالی قوم کے رہنمائے اعظم راجدھام موہن رائے اور مسلمانوں میں سر سید احمد خان مرحوم کی جماعت کے کارنامے اس بارے میں خاص ہیئت رکھتے ہیں، مصنف نے ضروری حد تک ان کا تذکرہ بھی کیا ہے،

اس باب کے آخری چند صفحے مصنف نے اس بحث کیلئے بھی تذر کے ہیں کہ انگریزی حکومت نے جن مقاصد کو پیش نظر رکھ کر یہاں انگریزی تعلیم کو رواج دیا۔ اگرچہ وہ اپنے ان مقاصد میں کامیاب ہوئی لیکن ساتھ ہی لوگوں میں اسی کی بدولت مساوات حقوق اور آزادی و حریت کے خیالات بھی پیدا ہوئے یہ انگریزوں کا خیال ہے، خود مصنف کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیان موجودہ حالات کے پیدا ہونے کا اصلی سبب فریقین کا یہ خیال ہے کہ تم غیر ہو اور ہم غیر ہیں یا انگریز شاعر ڈیوڈ رابنسن کے الفاظ میں،

”منزب منور ہے اور مشرق مشرق اور یہ دونوں کہیں آپس میں مل نہیں سکتے“

دوسرے باب میں مصنف نے علم کی دو قسمیں ذہنی و قیاسی اور عملی و تجربی کے مفہوم میں کی ہیں، انسانوں کے مختلف مدارج اور دولت کے مفہوم کی علمی تشریح نہایت دلچسپ اور نوثر طریقہ پر کی ہے، علوم و فنون کے ہر صنف کے منافع و فوائد کو دکھایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ سوسائٹی ملک اور قوم کو کن امنات علم و فن سے زیادہ اور کن سے کم فوائد پہنچتے ہیں۔ اس کے بعد یہ دکھایا ہے کہ ہندوستانیوں نے زیادہ تر پہلی قسم کے علوم و فنون یعنی فنی و قیاسی مثلاً ادب، تاریخ، فلسفہ اور کسی قدر علوم سائنس ریاضی کی طرف توجہ کی، اس پر طرہ یہ کہ حکومت نے بھی جو تعلیم اس ملک میں پھیلانی اس کے امنات و اجزاء بھی یہی رہے، اور عملی و صنعتی تعلیم کی طرف مدتوں کوئی توجہ ہی نہیں کی گئی، ان بیانات کو مصنف نے زبردست و صریح دلائل و شواہد سے ثابت کیا ہے، تعلیمی رپورٹوں کے پیش کردہ شمس واعداد سے ان کی تائید کی ہے اور آخر میں ان تکنیکل اسکولوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو مدت کی تباہی و بربادی کے اندر اکیسے منصوبہ جیسی، مدراس، کلکتہ، میرٹھ، پور، لکھنؤ، اور لاہور میں قائم کئے گئے لیکن ان تعلیم گاہوں کی حیثیت جتنے چھوٹے ریگستان میں پانی کے چند قطرے سے زیادہ نہیں ہے، تیسرے باب میں پہلے اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی ترقی یافتہ تجارتی

حالت دکھا کر ان اسباب کی تشریح کی گئی ہے جس سے ہندوستان کی صنعت و حرفت پر زوال آیا مثلاً مغربی دنیا میں نئی نئی مکون کا ایجاد ہونا جن کا کامیاب مقابلہ ہندوستان کی دستی صنعتیں نہ کر سکیں، حکومت کا انگلستان میں تحفظ تجارت اور ہندوستان میں آزاد تجارت کا اصول اختیار کرنا۔ آگے چلکر ملک کے موجودہ صنعتی انحطاط کو روکنے کی تدابیر پر بحث کی گئی ہے، اس سلسلہ میں ریلوے سسٹم کی بحث خاص طور پر قابل ذکر ہے، موجودہ انحطاط کو روکنے کیسے بہشت اور منفی دونوں طرح کے طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے، سودیشی تحریک پر بھی کافی بحث موجود ہے۔ آخر میں نہایت خوش سیلی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اب تک نئے طریق پر ہندوستان نے کتنی صنعتی ترقی کی ہے، بحث کے ہر حصہ میں قطعی دلائل اور مستند اعداد و شمار کو پیش کیا گیا ہے۔

چوتھے باب میں تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حکومت نے آغاز ہندوستان تک صنعتی ترقی کے لئے کیا کوششیں کیں، مقبوضہ ممالک میں انگلستان کی صنعتی پالیسی کی نہایت معنی خیز تشریح پھر مزدوری حد تک جرمنی اور جاپان کی صنعتی ترقی کے ذرائع و وسائل کی تفصیل کی گئی ہے یہاں پر اس حالت کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو ہندوستان میں اس کے ایک ماتحت ملک ہونگی وجہ سے پیدا ہو، پھر آگے چلکر صنعتی ترقی کیسے ملک کے ہر طبقہ، نواب، راہب، طبقہ امرا، متوسطین اور تعلیم یافتہ اصحاب کے فرائض کی توضیح کی گئی ہے،

پانچویں باب میں ملی تجاویز یعنی صنعتی و زراعتی انجمنوں، تعلیم گاہوں اور بینکوں کے قیام کی تحریک و تجویز ہے مصنف نے اس باب کے آغاز میں لکھ دیا ہے کہ ہمارا یہ خیال نہیں ہے کہ ان کے علاوہ یا ان سے بہتر اور تجاویز نہیں ہو سکتیں بلکہ ہم ان کو مثال کے طور پر لکھتے ہیں تاکہ اہل ارادے اصحاب کی اس طرف توجہ ہو،

چھٹے باب میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ قومی ترقی کے لئے کن اخلاق

کی ضرورت ہے، بیان اخلاق سے ملو وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے بعض لوگ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دل کر کام کر سکتے ہیں۔ اس باب میں مصنف کی قوت تحریر، غور و فکر اور نوثر طرز تحریر کا پورا ظہور ہوا ہے، اسی سلسلہ میں مصنف نے بتایا ہے کہ اطاعت جماعتی، وقوی ترقی کا ضروری عنصر ہے، اور اس کو نہایت تفصیل کے ساتھ اور نہایت دلچسپ و نوثر طریقہ پر لکھا اور دکھایا ہے مثلاً منظم قوم ہو نہ کیا یہ اثر ہے کہ جب زیر حکومت ضرورت ظاہر کرتا ہے کہ لڑائی کیسے آدمیوں کی ضرورت ہو تو لاکھوں آدمی بغیر مجبوری کے اپنی رضامندی سے چلے آتے ہیں، ایسے ہی جب مقتدر اور بار سونخ لوگ کسی مسئلہ پر کچھ لکھ دیتے ہیں تو ہر شخص کی زبان پر ان کے الفاظ اور ہر شخص کے دل میں وہی خیالات ہوتے ہیں، لباس کا یہ حال ہے کہ جیسا لباس رہنمایان فیشن پسند کریں ہر شخص وہی لباس پہنتا ہے، اگر یورپ کے کسی شہر میں دیکھا جائے تو عام لوگ قریباً ایک ہی قطعہ ادمد تقریباً ایک ہی رنگ کا لباس پہنتے ہوئے ہوتے ہیں، عورتیں بھی ان اقسام سے باہر نہیں جاسکتیں، یونیشین مین داخل ہیں، اگر اونچے گولن کی رسم ہوئی ہے تو جبراً دیکھتے ہیں گولن پنڈلیوں تک یا قریباً گھٹنوں تک نظر آتے ہیں اگر آستین چھوٹی رکھے کافیٹن ہو تو ہر لیدی کے بازو نیچے نظر آتے ہیں، اگر سیدہ شکار رکھنے کی رسم ہو تو خواہ سردی سے بیمار ہو جائیں مگر سیدہ فیشن کے مطابق تنگ ہے، غالباً فی نفسہ یہ باتیں قابل تفحیک ہوں مگر یہ ایک قوم کی یکانگت اور اطاعت کی علامات ہیں۔ جب پہنتے ہیں تو سب ایک لباس پہنتے ہیں جب رہتے ہیں تو ایک سے مکافون میں رہتے ہیں جب سوچتے ہیں تو سب ایک ہی قسم کے مسائل سوچتے ہیں۔

اس اقتباس سے واضح ہو گا کہ مصنف کی نظر کس قدر چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی معمولی

حالتوں تک پہنچی ہو، آگے چل کر مصنف نے لکھا کہ ہندوستان کی تین تیس کروڑ کی آبادی کو معنوی حیثیت سے چند ہزار کی آبادی پر لے آنا چاہئے۔ اس کا ذریعہ اس کی رائے میں انجمنوں کا قیام اور ہر ہندوستانی کا کسی نہ کسی انجمن میں داخل ہو جانا ہو تاکہ افراد کی شخصیتیں جدا جدا اجتماعی انجمنوں میں فنا ہو جائیں وہ کہتا ہو اور غالباً سچ کہتا ہے کہ

ترقی کا پہلا ذریعہ ہندوستان اس وقت ملے کر لگایا جائے

ان انجمنوں کے ذریعہ سے ملک میں افراد کم ہو جائیں گے اس وقت ہندوستان کی آبادی تین تیس کروڑ افراد پر مشتمل ہے ترقی تب ہوگی جب کم ہوتے ہوئے ایک ہزار یا اس سے بھی کم انجمنوں تک محدود ہو جائیگی۔ اس وقت ایک طوفان بے تیزی برپا ہے کسی کی کوئی سنتا ہو نہ کوئی سنا سکتا ہے سوائے ایک محدود سیاسی جماعت یا گورنمنٹ کے جو منظم ہیں، باقی تمام ملک ریت کے ذروں کی طرح ہر ان لوگوں کا کوئی کام ملکر کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے ریت کی رسی بنانا۔

ماخذ کتاب | ماخذ اور حوالے تمام ترجیح، مستند اور قابل اعتماد ہیں مثلاً کلکتہ یونیورسٹی کمیشن رپورٹ، مکالمے کی تحریریں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کی مراسلتیں، دی ریل انڈیا مصنف سرسریس، انڈین انڈسٹریل کمیشن رپورٹ، حکومت ہند کی تعلیمی رپورٹیں، ہندوستان کے ٹکنیکل کالجوں کی ڈائریکٹری، گورنمنٹ آف انگلش انڈسٹری اینڈ کامرس مصنف کلکتہ، انڈسٹری اینڈ ٹریڈ مصنف الفرد یارشل، انٹو ایک میٹری آف انڈیا مصنف بابودت، ماڈرن جاپان مصنف کونت اکوما، ماڈرن جرمنی مصنف مسٹر بارکر اور دوسری مستند کتابیں رسائل اور اخبارات۔

طرز بیان | زبان بالکل صاف، سہل روان اور ذہنی الفاظ و صیغ محاورات سے عموماً پاک ہے، طرز بیان سنجیدہ متین اور موثر ہے۔ پڑھنے والے کو بار بار رکنے اور غور کرنے کی

غالباً ضرورت نہ ہوگی۔ انداز بیان میں کہیں کہیں خطابت کی جھلک آجاتی ہے یا ممکن ہے یہ طرز بیان کی صفائی، روانی اور برجستگی کا اثر ہو۔

اختلاف رائے | کتاب کے بعض مقامات میں مجھے مصنف سے اختلاف رائے بھی ہے۔ مثلاً باب

اول کا آخری حصہ جس میں یہ بحث چھیڑی گئی، کہ ہندوستان میں مساوی حقوق کی طلب کا جو جذبہ پیدا ہوا اس کا سبب کیا ہے؟ غالباً اس بحث کو اگر نہ چھیڑا جاتا تو بہتر تھا مقصد کتاب اور مضمون باب دومین سے کسی کو اس سے چندان تعلق نہیں، سودیشی تحریک اور ہندوستان کی موجودہ دوسری تحریکوں کا جہان ضمنی تذکرہ آگیا ہوا ان مناظرانہ شان پیدا ہوگئی ہے، ایک سنجیدہ اور بلند تصنیف کا دامن یقیناً ان کانٹوں سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ چھٹا باب خاص طور پر مؤثر و عجیب اور پر زور ہے، بحث بھی کافی حد تک عمیق اور فلسفیانہ ہے تاہم ضرورت تھی کہ اس کو مزید استقصاء، حسن و خوبی اور بلند طرز بیان میں لکھا جائے کیونکہ یہ کتاب کی روح ہے اگرچہ اب بھی یہ روح قوی ہے لیکن پھر بھی میری رائے اس کو مزید غور و فکر کے بعد قوی تر بنایا جاسکتا تھا۔

لسانی حیثیت سے بھی بعض عبارتیں اور الفاظ قابل گرفت ہیں مثلاً صفحہ ۷۷، امین قدم ما لکھنوی یہ فارسی محاورہ کا مزہ کا صحیح اور بالکل صحیح ترجمہ ہے لیکن اردو میں اس کا استعمال متقدمین کے عہد کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا اب اس کا استعمال مناسب نہیں ہے۔

کتاب کا مقصد اور درجہ | اس کتاب سے مصنف کا مقصد قوم کی اصلاح کرنا اس کو دعوت عمل بنانا

اور اس کے سامنے مفید عملی تجویزیں پیش کرنا ہے مجھے یہ کہنے میں کوئی تذبذب نہیں کہ مصنف اپنے مقصد میں ہر طرح کا کامیاب ہے، اصلاحی نقطہ نظر سے کتاب کو جدت کا درجہ حاصل ہے اور تصنیفی حیثیت سے یہ موجودہ اردو مصنفات کی صف اول میں داخل ہو سکتی ہے، میں اس مفصل تحریر کو پانچ جلد کے بغیر ختم نہیں کر سکتا جو کتاب کو جا بجا سے پڑھنے کے بعد پہلی مرتبہ بے ساختہ میری

زبان سے نکلا تھا کہ

اگر اس مسلمان مصنف کا تعلق اس سرزمین پنجاب سے جو سنی و مسلم کا غیر معمولی
مادہ اپنے اندر رکھتی ہے، نہ ہوتا تو اس کو ایسی مفید و عمدہ کتاب کے مصنف ہونیکا
غور و فکر سے حاصل ہوتا،

لکھائی چھاپائی صاف ستھری، کاغذ سفید چمکا، تقطیع متوسط صفحے ۸۸ قیمت علم

مصنف کے تہ: محمد تنویر صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج پٹنہ ورسے

یا

موجود بازار الیکٹرونک پریس کارخانہ وکیل امرتسر سے طلب کیجئے،

المصنفین کی نئی کتاب

سیر الصحابیات

از

مولوی سعید انصاری

جس میں نہایت مستند حوالوں سے ازواج مطہرات، خبات طاہرات اور عام صحابیات

کے سوانح اور ان کے اخلاقی، مذہبی اور علمی کارنامے درج ہیں، لکھائی چھاپائی کاغذ اعلیٰ

صفحات ۲۲۵، قیمت ۲۰۰

منیجر

مِصْبُوحَاتِ عَجَل

سیر ایران شمس العلماء محمد حسین آزاد دہلوی نے دو اولاد میں اپنی یادگار چھوڑی، ظاہری اور باطنی، مبارک ہیں مظاہری اولاد میں جو اپنے بزرگوں کی باطنی اولادوں کی پرورش اور نشوونما کا سامان کر سکیں، آزاد مرحوم کے پوتے آغا محمد ظاہرین مبارک اولادوں میں ہیں جو بعد اجمد کے مختصر اوراق اور سودوں کو گرد و غبار سے پاک کر کے ترتیب و اہتمام کے ساتھ چھاپ کر شائع کر دیے ہیں، اس سلسلہ میں ابھی حال میں انھوں نے سیر ایران، شائع کی ہے، یہ حضرت آزاد مرحوم کے سفرِ ایران کے مختلف سرسری واقعات کا مجموعہ ہے، بڑا حصہ اس کا مرحوم نے ایک خطبہ کی صورت میں لاہور کے ایک مجمع کے سامنے پڑھ کر سنایا تھا، باقی روزنامہ کی حیثیت رکھتا ہے، زیادہ تر زبان اردو ہے، کہیں کہیں فارسی ہے، مجموعہ کو مختصر ہے مگر دلچسپ اور ایران کی پرانی زندگی کی تصویر ہے، چھوٹی قطع، صفحات ۸۸، لکھائی چھپائی کا غذا اعلیٰ، قیمت جلد مطالعہ غیر مجید ہے :- آزاد بکڈپو، اکبری منڈی لاہور

روحِ نظیر، نظیر اکبر آبادی کی ہر قسم کی نوی، عرفی، اور شاعرانہ غلیبوں کے تسلیم کر لینے کے بعد بھی ہم یہ کہتے پر مجبور ہیں کہ وہ ایک کامل شاعر تھا، وہ اس زمانہ میں پیدا ہوا جب شاعری صرف تنزل کا نام تھا، لیکن اس نے اپنی شاعری کے لئے الگ شاہراہ نکالی، اور اعلیٰ تصوف کو افسانہ، حکایت اور بولیوں میں اس طرح ادا کیا ہے کہ اب وہ ہر گداگر فقیر کی زبانِ قال ہے، پروفیسر شبناز عظیم آبادی مرحوم کے سوا ہمارے اہلِ علم اصحاب نے نظیر کی طرف بہت کم توجہ کی، آج ہمارے سامنے نظیر کے ایک مولن ادیب نمبر اکبر آبادی بی۔ اے کی تالیف روحِ نظیر ہے، جس میں مولف نے نظیر کے بہترین کلام کو منتخب کر کے یکجا کیا ہے، اور شروع میں نظیر اور اس کی شاعری پر ۱۶۲ مضمون کا ایک

مقدمہ لکھا ہے۔ اس مقدمہ میں مختلف حیثیتوں سے نظیر کے کلام پر نظر ثانی اور تبصرہ ہے، نظیر ہندی اور متر و کافاظ اکثر نظم کرتا ہے، محمود صاحب نے کتاب کے آخر میں ان الفاظ کو یکجا کر کے ان کے معنی لکھے ہیں، اس کے بعد نظیر کے ان منظومات میں جو نام اور لطیحات آئے ہیں، ان کی توضیح کی ہے، آخر میں فہرست ابواب ہے ضخامت ۳۳ صفحات، تقطیع چھوٹی، قیمت عمارتہ :- رام پرشاد انند برادر س کتب فروشان، چوک آگرہ،

ترباعیات سرمد سرمد کی رباعیات اس سے پہلے ہی بھیجی ہیں، مگر اس زیر تنقید طبع میں ایک جہت یہ کی گئی ہے کہ ہر فارسی رباعی کے نیچے رباعی ہی میں اس کا اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے اور غازی میں مولانا ابوالکلام کا ایک پرانے مضمون، سوانح سرمد کو دیا چہ بنایا گیا ہے، و رباعیات کا اردو ترجمہ سید نواب علی صاحب مولت لکھنوی نے کیا ہے، رباعی کا رباعی ترجمہ میں ایک مشکل کا سامنا ہے لیکن ہم مترجم کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انھوں نے اس مشکل کو پوری طرح حل کیا ہے، سرمد کی اصل رباعیوں کے انتخاب میں زیادہ تدقیق و کاوش سے کام نہیں لیا گیا ہے، بعض رباعیات تو کھلی ہوئی خنیاں ہیں، بعض پریم کو سلطان، ابو سعید البوخیمر کا دھوکا ہوتا ہے، ضخامت ۹ صفحات، لکھائی چھپائی صاف، قیمت مجلد ۱۲ رتہ :- شاہجہانی پریس، کٹرہ گول شاہ، دہلی،

خانہ داری، محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ جن کی نسبت سے اخبار ہندیہ نسوان اب تک قائم ہے اور جو متعدد زنانہ تصنیفات کی مالک تھیں، یہ کتاب بھی انھیں کی ایک تصنیف ہے، جس میں خواتین کو آسائش، صفائی، تہذیب اور کفایت شناسی سے رہنے پہننے کے قاعدے اور ادب آداب بتائے ہیں، ہر شریعت گہرائی میں اسکا ایک نسخہ رہنما چاہئے، ضخامت ۱۲ صفحات، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت عمارتہ :- دارالانشاء پنجاب لاہور،

دولان حمید، مولانا کا نارسہ دیوان منع تصویر
خود نامہ منظوم، خاص فارسی زبان میں امثال سلیمان
کا ترجمہ

مولانا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سے دین اصحاب
الائیکہ قوم ایوب، نبوہمل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر،
نبو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت ذرا
اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی کوثری عمر
دروس الادب، عربی کی پہلی، بیدریغ سوم منع ترمیم ۲
دوسری ربیع دوم

رسالہ اہل سنت والجماعت، فرقہ اہل سنت والجماعت
کے اصولی عقائد کی تحقیق

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور مولائے
مالک پر تبصرہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد
تک مسلمان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور
سلاطین ہند کے سکون اور کتبوں سے اسکا ثبوت ۸۰

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتوں کے عملی اور
اخلاقی بامادی کے کارنامے ۴۲

مولانا عبد السلام ندوی

اسوہ صحابہ، صحابہ کرام کے عقائد، عبادات، اخلاق اور
معاشرت کی صحیح تصویر اور قرن اول کے اسلام کا عملی
خانہ، اسکا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، صفحات ۳۵۰

قیمت ہے:

اسوہ صحابہ جلد دوم، صحابہ کے سیاسی، انتظامی، اور
علمی کارناموں کی تفصیل، صفحات ۵۰، قیمت پندرہ

مولوی عبد الباری ندوی

برکے اور اسکا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکے کے حالات
زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح جلد اول وغیرہ جلد دوم

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید میں برکے کی
مشہور کتاب پرنسپل آف ہیومن نائج کا نہایت مفید
اور سنجیدہ ترجمہ حسین حواس انسانی پر بحث کر کے مادیت

کا ابطال کیا ہے جلد غار

مذہب و عقلیات، اس میں پرزور دلائل اور
مستند یورپین فلاسفر کے بیانات سے ثابت کیا گیا ہے

مذہب و عقل میں تضاد کا امکان ہی نہیں ۶۰
مولوی عبد الماجد بی اسے

فلسفہ اجتماع، جماعات انسانی کا علم نفس
فلسفہ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح، عمر

تاریخ اخلاق یورپ، ایکی کی مارل سہری آف
یورپ کا ترجمہ جس میں فلسفہ اخلاق پر ضمنی مباحث کے
علاوہ یورپ کے تمدنی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے

قیمت جلد اول سے، جلد دوم وغیرہ

محکمات برکے، برکے کے فلاسفس کا ترجمہ جس میں
محکمات کی صورت میں، برکے نے مادیت کا ابطال کیا

ہے، قیمت با حلقہ کاغذ غیر دھیر

مولوی سعید صاحب انصاری
تفسیر ابو مسلم اصفہانی، (عربی، مستزاد کی مفسرہ اور
نادر الوجود اعلیٰ تفسیر قرآن کے اجزاء جو نہایت دیدہ

مولوی محمد رفیع الدین صاحب کتاب تہذیب و تمدن کا نام مولوی محمد رفیع الدین صاحب کتاب تہذیب و تمدن کا نام

سے امام رازی کی تفسیر کرتے ہیں، محمد نامی
 میں چھی ہے، قیمت عنار

سیر الصالحات، از واج طرقت، نبات لاہوت
 اور عام صحابیات کی سوانح عمریوں اور ان کے علمی
 و اخلاقی کام سے، قیمت عنار

پرو فیسر سید نواب علی اکرم سے
 معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک مختصر تصنیف
 اور فلسفہ جدید اور مذہب کی اچھی تعلیق پر بہترین ترجمہ علم
 تاریخ صحت سماوی، تولاہ انجیل اور قرآن مجید کی جمع
 و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور نفعین اسلام کے
 اعتراضات دربارہ جمع قرآن کا جواب قسم اول سے
 دوم سے

شمس سخن، پرو فیسر نواب علی کی اخلاقی، قومی اور فلسفیانہ
 تصنیف کا مجموعہ ۱۰

مولوی محمد یونس فرنگی محسلی
 روح الاجتماع، موسسہ دیوان کی کتاب جماعت سے
 کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ مبین انسانی جماعت کے

اخلاق، بیکار رہنما یوں کے خصوصیات، اور جماعتوں
 کے بننے اور گزرنے کے قوانین نفسی بیان کے لئے ہیں
 صفحہ ۲۳۲

مفتی انوار الحق صاحب نام تعلیمات مجددی
 حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح علم
 تذکرۃ انجلیب، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاق کا مفصل بیان علم
 فنی محمد ہدی صاحب نام تہذیب و تمدن تاریخ مجددی
 انسان علم خواص الامعاء کے ابتدائی مسائل سلیبی تمام فہم

زبان میں، ۸
 رموز فطرت، طبیعات لطیفات ارض، ہیئت اور

خبرانیہ طبیعی کے ابتدائی مسائل، عام فہم اور سلیبی عبارت
 میں
 فنی محمد امین صاحب ہتم تاریخ مجددی

بیگمات مجددی، معذور و مجملہ سے
 گیارہ قصے، اخلاقی، معاشرتی، مذہبی ۸

نعت پیمبر عربی، فارسی اور دو کی چند نعتیں کا مجموعہ ۸
 پرو فیسر محمد سجاد مرزا سیگ و ملوی

الاسلام لال، حسین علم منطق کے اصول نہایت خوبی و دلکش
 سلیبی بان اور اس پر قبضہ بیان کو گویا ہیں، صفحہ ۲۰۱، ستر

الانسان، مبین انسان کے تمام قول و فعل انسانی و جہانی اور خصوصاً
 طبیعی کی علمی تشریح کی گئی جو صفحہ ۱۲۲، قیمت عنار

تہذیب البلاغت، اردو زبان میں فن فصاحت و بلاغت
 اور بدیع پر دلکش اور سہل و آسان کتاب سے

حکمت علمی، فن اخلاق پر جدید و قدیم سوچ کی ایک کتابت سے
 مفرق کتابیں

یا وایام، مولف مولف محمد نام نہاد علمائے کتب بیگمات
 کی اسلامی تاریخ کے قحط پر دلکش اور دلچسپ اور دلچسپ

کے حالات اور علوم و فنون کی ترقی نہایت علمی و تحقیقی تشریح
 سیاحت قسطنطنیہ، مولف شمس الدین شمس الدین شمس الدین

کے مرتبہ مشہور و معروف مولف کے سوانح و تصانیف اور دیگر علمی و ادبی
 بدیع مولف، جناب مولف مولف کے سوانح و تصانیف اور دیگر علمی و ادبی

فارسی اور اردو کے خواص اور مولفوں کی بدیع مولف کے دلچسپ
 واقعات کی کتابت میں، قیمت عنار

